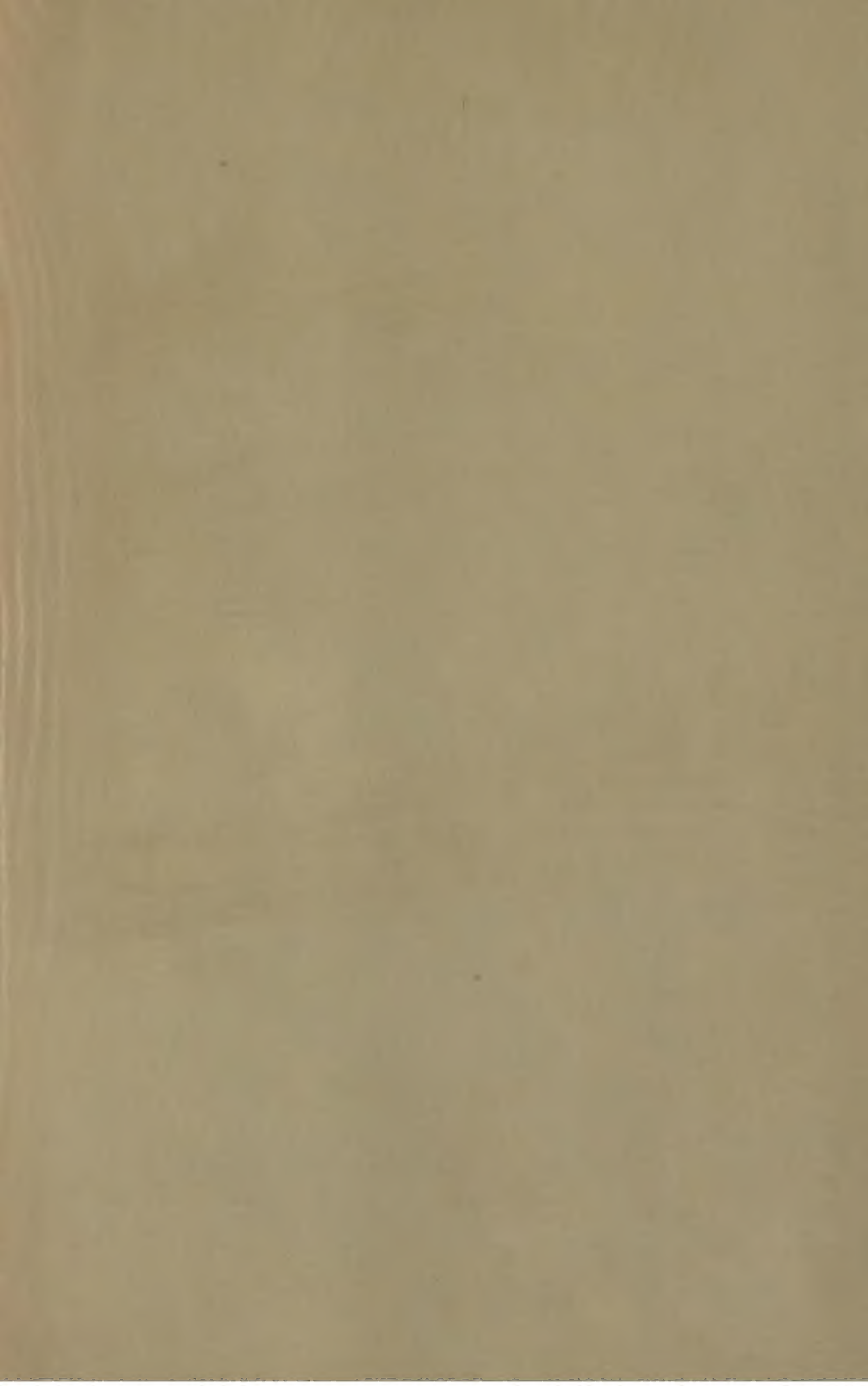


تَعَالَى الْقُرْآنُ

پروین



إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١﴾

لُغَةُ الْقُرْآنِ

قرآنی مرطالرب کا انسیا تریکلو پیدیا

جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مرطالرب
مُسند کتب لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں
کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، ان کا مکمل نقشہ
سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھاؤ پیدا نہ ہو

پرویز

ادارہ طبع و اشاعت اسلام آباد جلد دوم

بیت گلاب گزراہو

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾

لُغَاتُ الْقُرْآنِ

قرآنی مطالب کا انسانی تریلو پڈیا

جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مطاب
 مستند کتب لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں
 کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، اُن کا مکمل نقشہ
 سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھاؤ پیدا نہ ہو

اِذَا رَأَوْا ظُلُومَ عِلْمِهِمْ

پرویز

جلد دوم

جلد دوم، گلبَرگِ لاکھو



جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

بار اول

اکتوبر ۱۹۶۰ء

قیمت :

مجلد پندرہ روپے

مؤلفہ :

غلام احمد پرویز

شائع کردہ :

ادارہ طلوع اسلام

۲۵ - بی گلبرک - لاہور

طبع کردہ :

المیزان پرنٹنگ پریس

۲۷ - بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

زیر نگرانی : نظر علی شاہ - مینیجر

ملنے کا پتہ :

مکتبہ طلوع اسلام

۲۷ - بی شاہ عالم مارکیٹ - لاہور



فہرست مشمولات

(جلد دوم)



پیش لفظ ۱-۵

مفردات

صفحہ

۴۶۳	ح
۵۷۳	خ
۶۳۲	د
۶۸۵	ذ
۷۱۱	ر
۷۹۹	ز
۸۲۹	س
۹۲۹ تا ۹۹۸	ش

کل صفحات (جلد دوم) ۵۴۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

لغات القرآن کی پہلی جلد اپریل ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی تھی۔
 ﷻ الحمد کہ اب اسکی دوسری جلد شائع ہو رہی ہے، اور تیسری زیر طباعت ہے۔
 جلد اول میں، علاوہ مبادیات، ا سے ج تک کے مادے آ گئے تھے۔ اس جلد
 میں ح سے ش تک شامل ہو گئے ہیں۔

(۲) اس جلد میں، مفردات کے معانی کے علاوہ، قرآنی تعلیم کے بعض
 اہم گوشے بھی آ گئے ہیں جن کے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلہ
 میں، علاوہ ان کتب لغت و تفاسیر کے جن کا ذکر جلد اول کے پیش لفظ میں
 کیا جا چکا ہے، حسب ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

لغات :-

جمہرۃ اللغۃ (ابن درید) - صحاح (جوہری) -

تفاسیر :-

روح المعانی (ألوسی) - تفسیر القرآن (قرطبی) - تفسیر القرآن (تستری) -
فتح القدیر (شوکانی) - مفردات القرآن (فراہی) -
کتاب التسمیہ لعلوم التنزیل (محمد بن احمد ابن جزی السکلبی) -

(۳) اس لغات کا تفصیلی تعارف، اور اس سے استفادہ کے لئے ضروری
 ہدایات، جلد اول میں آ چکی ہیں۔ ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔
 (۴) جلد اول کے مطالعہ کے بعد جن حضرات نے اظہار پسندیدگی
 فرمایا یا اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، میں ان سب کا بہ صمیم قلب
 شکر گزار ہوں۔

میری اس کوشش نا تمام کو جسقدر مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کے لئے
 میں بدرگاہ رب العزت سجدہ ریز ہوں جس کی عطا کردہ صلاحیتوں کے بغیر
 سفر زندگی کی کوئی منزل بھی طے نہیں ہو سکتی۔

پرویز

۲۵ بی۔ گلبرگ - لاہور

اکتوبر ۱۹۶۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ح

ح اش (ح ش و)

الْحَاشِيَّةُ - کنارہ (کپڑے وغیرہ کا) - حَشْوَةُ النَّاسِ - رذیل لوگ* (یعنی وہ لوگ جنہیں کنارے پر دور دور رکھا جائے)۔ یہیں سے اس کے معنی دوری کے آتے ہیں۔ حَاشَ لِلَّهِ - خدا اس سے بہت دور ہے وہ منزہ ہے۔ یا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (کیونکہ الْحَاشِيَّةُ ان لوگوں کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی حفاظت میں رہتے ہوں)*

قرآن کریم میں ہے وَ قُلْنَا حَاشَ لِلَّهِ (۱۲/۱۱)۔ ”انہوں نے کہا کہ خدا تمام عیوب سے پاک ہے۔ وہ نقائص سے مبرا ہے“۔ یہ تنزیہ اور استثناء کیلئے آتا ہے**۔ یعنی عیوب اور نقائص سے منزہ ہونے کے معنوں میں۔

ح ب ب

الْحَبُّ - الْمَحَبَّةُ - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے پانچ معانی ہیں۔ (۱) سفیدی اور صفائی۔ یہاں سے حَبَبُ اُلاَسْنَانِ لیا گیا ہے یعنی دانتوں کی چمک (۲) بلند ہونا اور ظاہر و نمودار ہونا۔ یہاں سے حَبَابُ الْمَاءِ لیا گیا ہے۔ یعنی پانی کا بلبلہ (۳) کسی چیز کا اپنی جگہ ٹھہرے اور جمے رہنا۔ یہاں سے حَبُّ الْبَعِیْرِ وَاَحَبُّ لیا گیا ہے۔ یعنی اونٹ اس طرح جم کر بیٹھ گیا کہ پھر نہ اٹھا۔ (۴) کسی چیز کا خالص ہونا یا اس کا لب لباب اور حقیقی جوہر۔ جیسے حَبَّةُ الْقَلْبِ سویدائے دل کو کہتے ہیں اور (۵) کسی کی حفاظت کرنا۔

اسے تھامے رکھنا۔ اسی سے حُبُّ الثَّمَارِ مٹکا یا ٹھلایا یا مشک کو کہتے ہیں جسمیں پانی محفوظ رکھا جائے۔ یا گھڑونچی جس پر مٹکے رکھے جاتے ہیں۔ حُبُّ الشَّجْلِ کے معنی ہیں آدمی ٹھہر گیا۔ أَحَبُّ الشَّرْعِ۔ کھیتی میں دانے پڑ گئے۔ یعنی اسکی نشو و نما کے نتائج ابھر کر سامنے آ گئے*۔

راغب نے لکھا ہے کہ محبت کے معنی اس چیز کو چاہنا ہیں جسے اچھا اور مفید پایا جائے، اس کے تین پہلو ہیں، ایک تولذت کیلئے۔ جیسے مرد عورت سے محبت کرتا ہے، دوسری مفید اور نفع بخش (مادی) چیزوں کو چاہنا، تیسرا پہلو یہ ہے کہ فضل و شرف (معنوی امور) سے محبت رکھنا، جیسے اہل علم، علم و فضل کی بناء پر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ کبھی محبت کے معنی ارادہ کے بھی کئے جاتے ہیں۔ لیکن محبت میں ارادہ سے زیادہ زور و قوت ہے**۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ الْحُبُّ اور الْمُحَبَّة کے معنی کسی کو لازم پکڑنا ہیں۔ اس مادہ کے بنیادی معنی لزوم اور ثبات کے ہیں۔ یعنی کسی شے کو لازم پکڑنا اور اس کے ساتھ مستحکم طور پر رہنا۔

قرآن کریم میں حُبُّ کا لفظ کثرت کے مقابلہ میں آیا ہے۔ وہاں اسکے معنی پسندیدگی کے ہیں (مثلاً ۲/۱۶۰؛ ۳/۶۶)۔ یہ معانی کسی تشریح و توضیح کے محتاج نہیں۔ لیکن جہاں قرآن میں اللہ کی محبت کا ذکر آیا ہے وہ مقامات تشریح طلب ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۲/۱۶۵)۔ ”اور ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اور قوتوں کو اسکا ہمسر قرار دیتے ہیں اور ان قوتوں سے اسطرح محبت کرتے ہیں جسطرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت بہت بڑھ کر کرتے ہیں“۔ (یہ وہ ترجمہ ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے) اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (۳/۳۰-۳۱) ”ان سے کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ اور تمہارے قصوروں

[illegible][illegible]

نہ ہے ہر کسی منہ پر وہ انسان ہے جس سے محبت و رخصت کے خیال سے محبت کرے
 کہ یہی منہ پر تھا کہ انسان کی ہر ادویہ (شورے) انسان کا لہجہ کوں شہوت سے
 ہے۔ (نیکوئی کے عنوان و - ل - ی)

حشمت - دانه - انج - غنچه - $\frac{22}{17}$ - حشمت - وحش دانه - $\frac{2}{1}$ -

۱۰۰

الحِجَبُورُ - روسائی جس سے کہا جا رہا تھا - "حِجَبُور" - دوات -
الحِجَبُورِی - روسائی - "حِجَبُور" - اس کا نام - بالخصوص
یہود کے ساتھ - جسے "حِجَبُور" کہا جاتا تھا - حسن اور حسن کی روس -

الْحَبِيرُ - سرور - خوشی - مسرت - حَبِيرَةٌ - کدو، نعمت و آسائش، درونی
 سبب - حَبِيرَةٌ - جنت میں سماء - موسیقی - عمدہ نعمت - چنانچہ
 قرآن میں جو ہے فَتَبَّخُوا رَفِيًّا رَوَّافًا بِحَبِيرُونِ (۱۱۳) - یا اُدْخِلُوهُ
 الْجَنَّةَ نَجْمًا وَارْزُقُوهُم مِّنَ حَبِيرُونِ (۱۱۴) - اور حاج کے اس کی تفسیر
 موسیٰ کے ساتھ جی کی ہے - اس کے ساتھ ہے کہ وہ ہے حَبِيرَةٌ - عمدہ
 کلمے کہتے ہیں - درحقیقت میں میں و جمال اور زیبائی و رعنائی
 میں بخیر و مسرت کے تمام مہر آجائے ہیں خواہ وہ جنت نثار ہوں -
 درخوس لوت - آرٹ کے نام ہمارے ہاں افرود موسیقی - اس کا رس ہے کہ ہے
 یہ اس کے بنیادی معنی ہیں نشانات کے ہیں جن سے اس چیز کا حسن اور
 رونق نمایاں ہوں -

حَبِيرٌ خَفِيٌّ وَ اَلْيَسَّعُ - سچے حرف اور شعر خوشگوار اور مزین
 رند - حَبِيرٌ شَرِيحٌ - کلمہ حسن و مزین و نازک - حَبِيرٌ حَبِيرٌ -
 عمدہ و نازک - اَلْيَسَّعُ - نرم و نازک پس و آواز - راضی کے
 نام ہے اَلْيَسَّعُ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -
 اَلْحَبِيرُ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -
 میں بھی رہا ہے و اس کے عمدہ اور نرم کی خوبی کی جاتی ہے -

قرآن، رکعات کی ہر حسن ہے کی بحسن (Appreciation) کے جذبہ و
 اور ہے اور میں سے ایک اور چیز کی ہے یہ - اس طرح کے ساتھ
 کہ اس حیرت انگیز سے حیرت انگیز ہے - ایک جیسی معشوقہ میں قسم کے حسن
 و حسن، عورت، جس میں آرٹ - عمدہ و خوب ہے - اس کے ہر و حیرت انگیز
 میں نظر آئے ہیں - اور حیرت انگیز اس میں حیرت انگیز رکھنا حیرت
 سمجھنے میں ہے و حیرت انگیز میں نہیں ہوتے - اس و زیبائی کا وہ کونسا
 سرمایہ ہے جس کا نہ ہو - قرآن - جنتی انسان کے ضمن میں نہیں ہے؟
 حیرت انگیز، حسی میں سوائے حیرت انگیز حیرت انگیز کے تابع رہے -

ح ب س

حَبِيرٌ - روک - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -
 حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -
 حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -
 حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ - حَبِيرٌ -

میں اللہ تعالیٰ کی نیکو کاروں کے بارے میں جو کچھ فرماتا ہے اس سے کبھی کبھار کٹ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے معنی کتب و دانش اور توفیق اور ان کے معنی کے ہیں۔

قرآن: رَجِمَ فِيهِمْ وَاسْتَمَدَ لَهُمُ الذَّالِقُ حَبِيبُكَ (۱۱) آیت ہے۔ یعنی راستوں والے آسمان۔ وہ بے ہوش، حس میں۔ سب اجرام فلکی اس کے راستوں میں جتنے نور مڑتے رہتے ہیں۔ اور ان کے لئے ہر مشہوری کے لئے جائیں تو اس سے منہ ہوا ہوتا ایسی بے ہوش جسم میں۔ مگر اجرام فلکی اس کے نور میں بہت مشہوری سے بہت ہوشیار ہیں اور وہ اس کے نور میں مشہور ہو سکتے۔ جتنا ان کے اللہ تعالیٰ کی لکڑیوں کے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں جسے مشہوری سے اس طرح یاد رہا ہے۔

لہٰذا توئی لکڑی ہی حاکم سے نہیں ہے۔ اور اگر سب کے معنی ہیں کے لئے جائیں تو منہ ہوا ہے۔ ان اجرام فلکی سے جو مشہور ہیں وہ اس سے اولیٰ عیون سے ٹوٹ کر چکر کاٹ رہے ہیں۔

من فروس۔ کہ یہ لہ اس کے بدلتی معنوں میں کسی صورت میں،
خرازی اور بدلتی معنوں میں۔ اس اعتبار سے وہ شمس نامہ کتب المجلد
نے معنی ہونے پر بھی (فرضاً) اس میں بہت اہم فضا کی ہے جسے ہم نے
راہ میں دیا۔

ح ب ل

"حَبِیْبُ" - انصاف کی چیز - رسی - اسکی جمع "حَبِیْبَاتُ" ہے - "حَبِیْبَةُ" -
 اسے رسی سے بندھا ہوا ہے - "سُورَةُ الْاَنْعَامِ" - سورۃ النحل - اسکی جمع "حَبِیْبَاتُ" ہے -
 معنی "رسول" ہے - "حَبِیْبُ" کے معنی "عرب" ہے - اور اسکی جمع "حَبِیْبَاتُ" ہے -
 "سُورَةُ الْاَنْعَامِ" میں ہے "وَالْحَبِیْبُ" - "حَبِیْبُ" - "حَبِیْبُ" -
 اس کے سب حمل اللہ نامزد ہوئے رہے - اور ان کے سب متعلق رہے - اس
 میں صاحبِ حج - وہ جس کے نزد - ک، حبیبوں کے معنی "عرب" کے ہیں - صاحب
 اللہ اللہ تعالیٰ کے الٰہی میں شامل کی ہے - ان میں سے کچھ شے ان کے
 معادلی معنی میں ہے کی درازی پر شائبہ - عرب میں سے کچھ شے
 کہ عرب وہ حبز جس سے کسی دوسری چیز کو پہچان دے - حبیبوں کے معنی "عرب" ہے -
 اس سے اس آیت میں "حَبِیْبُ" کے معنی میں وہ چیز جو ان میں سے کچھ
 پہچان دے - ان کے نزدیک - وہ ہے کہ "حَبِیْبُ" ہے - "حَبِیْبُ" ہے -
 کے معنی "عرب" ہے - ان کے معنی "عرب" ہے - ان کے معنی "عرب" ہے -

ہی بنے ہیں۔ ان عہدہ نے کہا ہے کہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ** جس کے معنی ہیں خدا کی ذمہ داری اور ان کی ہی غوثی ذمہ داری۔ اس لئے (۱۰۲) میں بھی **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ** کے معنی خدا کی ذمہ داری کے ہیں۔

لیکن اسکے معنی رستی نہیں یا ذریعہ - ذمہ میں یا غرض - سب اسکی ہی
 ہے - خدا سے ہمارا تعلق تو ان کبریا کی وہ ہے - یہی وہ رسی ہے جسو اسکی
 طرف سے ہم سب کو لے رہا ہے اور جس سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہ
 سکتے ہیں اس آیت کا اگر حصہ ہے وَلَا تَفَرَّقُوا اور اس سے آگے
 مؤمنین کو ایک امت بنکر رہنے کی تاکید کی گئی ہے دیکھئے سورہ ۱۰۰
 پہلا حصہ اِنَّكُمْ لَعَمْرُؤُا فَتَنَةٌ لِّلنَّاسِ وَهِيَ فِي الْاَرْضِ لَئِيْلَ مَا يَصْطَوْنَ
 قلم شرعی، حسن مقصد، و مدنی مدنی اور اصنافِ ہوائیں اسماء شو

[illegible]

ح ت م

حکومت و حکم کا ۔ بتجربہ ۔ حکماً ۔ میں نے کسی بات نہ
فصلہ کر دیا ۔ ایسے ہی کر دیا ۔ حکم غمگینہ لا کر ۔ میں پر زبانی بات
و جب ہر لازم کردی ۔ آج تہم ۔ فصلہ کرنے والا ۔ فصلہ کو کسی کو واجب
اور لازم کرنے والا ۔

*** نابع - *** حبيب - *** نابع و معجبة

تو ان کے سر پر ہیں کہ ان کی جگہ پر نہ ہو۔ (۱)۔
 ”یہ سب کے لئے ہے۔ اس کا فائدہ ہے۔“
 ان کے لئے ہے۔ یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔ اس میں نہ ہو۔
 ان کے لئے ہے۔ یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔ اس میں نہ ہو۔
 ان کے لئے ہے۔ یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔ اس میں نہ ہو۔

حتی - (حرف)

حتی - حسب ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔

(۲) ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔

(۳) ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔
 ”پہلے تک“۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ“۔

درختوں سے زیادہ وہاں ہیں۔
 ”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“
 ”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“

”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“
 ”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“
 ”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“
 ”یہ کہ وہ ان کے لئے ہے۔“

۱۔ بعض اوقات یہ شخص ایسا ہے کہ لامتناہی سربس کو اپنے لئے
 لے لے۔ جسے حکمتی اذا لیسوا عتسی وکاد ان یقتلوا..... "۱۔" اور
 حال۔ فرض، جب وہ وہی نہیں دے گا..... "یعنی حکمتی سے ایک
 ہرگز نہیں بہت سربس عتسی۔" ۱۔ یہ ہے کہ ایک نہیں۔

۴۳۳

[illegible]

ج.ج.ب.

[illegible]

تتمتع جيب مدين استمسيق في التمكن - جزء من مشروع كثره جو
معنى جيب نموذجي

برو میزنم - کلاه - وایست

て て て

مُحَمَّدؐ - ارادہ کرنا - جسے نیت - مَحَلِّتٌ دُعا کہ - وہ اس کے ساتھ
 افسردہ نہ ہو۔ جس عمل کے احکام سے نہ ہو اس کے معنی ایسی۔ سماعت سے کا قصد
 کرنا یہاں کہ مراد قصد نیت نہیں ہے۔ اسی میں مسئلہ و عقیدہ کا مقرر نہ کر کے
 قصد کو صحیح نہ کرنا۔ جو کہ ہے نہ۔ اُسے بجا کہ یہاں اسوہ ہی نہیں ہے۔
 مگر جمع صحیح ہے۔ ہر شخص میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

سال -

[illegible][illegible]

حج ، عبادہ اسلامیہ کے وہ مسائل اور احکامات ہیں جن پر امت کے ہر فرد
تعمیم سے متوجہ رہے۔ اس میں شریعت کے وہ اصول اور احکامات ہیں جن پر امت
امورِ دینی اور دنیاوی میں حجب کی رو سے ممانعت ہے۔ اور امورِ دنیویہ
میں فقہائے کرام کی ہدایتوں اور احکامات کے سامنے ہے۔ یہ مسائل اور
مسائل دینیہ ہیں۔ ان کے ذریعہ اپنے فرائض کی سادگی اور سہولت سے ہمیں
محسوس ہو سکتی ہے۔ ان کے ذریعہ ہم نے ہر وقت ہر لمحہ ہر
صورت میں شریعت کے اصول اور احکامات کے سامنے رہنا چاہیے۔ اور اس کے
ذریعہ ہم نے اپنے حق و حقوق کو سمجھنا چاہیے۔ اور اس کے ذریعہ ہم
ہر وقت اپنے حق و حقوق کو سمجھنا چاہیے۔ اور اس کے ذریعہ ہم

خدا کی اختیارات (Divine Rights) کے ناموں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسی
اجتماعی چیز ہے جو ایک شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک قوم کے لیے ہے۔
یہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک قوم کے لیے ہے۔
یہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک قوم کے لیے ہے۔

ト、ハ、ニ

[illegible]

حاجتِ رزمِ ستم کی بس میں شہرِ کرب سے نکلنے لگا وہ سداہل میں
سیرِ سرسبز میں شہرِ کرب کی آغوش - حیاتِ تر و تازہ میں - نیکی جمع - سداہل حیرت -
آہستہ آہستہ - حجرت - پہلے در حیات - شہرِ کرب میں - اور اس سے
کو بھی جو بہت ہوشیار اور چالاک ہو -

[illegible]

[illegible]

سورہ انعام میں ہے - یَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفَهُمْ وَهُوَ مُبِينٌ
یہ ساری باتیں - مہاجرین کے لئے -

[Faint handwritten notes at the bottom of the page]

155

[illegible]

منج و لين - ** منج و ميمه و راسب

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روک اور جدا کرنے کا عمل ہے۔
 تَحْجِزُ - این تفسیر میں ہے تَحْجِزُ یعنی دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ -

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

ح د ب

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

ح د ث

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔
 تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

تَحْجِزُ - دو چیزوں کے درمیان روکنا۔

جائے مسجد اور مندر اور سرک و سڑک کے چھوٹے سڑک پر گھر کے چاروں طرف
کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ہی نہیں آئے مگر
حدود (Limitations) کے لئے کبھی آزادی۔ یہ ہے مردانہ
عقل کردہ دین۔

ح ذ ق

”حد ق“۔ کہہ کی سب سے زیادہ سی کو گھیرے ہوئے ہوئی ہے۔
ابن عباس نے کہا ہے کہ میں نے بنی ہاشمی اسی چیز کے لئے جو کسی چیز
کا حصہ کرے، اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
کوئی ق کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
معاہدہ کی نسبت سے حد ق یعنی ق کے میں ٹوٹ کر نہیں ہے۔
انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
حد ق کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
حد ق کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
حد ق کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔
حد ق کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ق“ یہ نہیں ہے۔

ح ذ ر

”حد ر“۔ حد ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
ابن عباس نے کہا ہے کہ میں نے بنی ہاشمی اسی چیز کے لئے جو کسی چیز
کا حصہ کرے، اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
کوئی ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
معاہدہ کی نسبت سے حد ر یعنی ر کے میں ٹوٹ کر نہیں ہے۔
انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
حد ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
حد ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
حد ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔
حد ر کے ساتھ گھیرے میں لے لے۔ ”حد ر“ یہ نہیں ہے۔

سورہ میں فَاحْذَرُوهُ (۱) کے معنی میں فاحذرون خداوندی کی نگہداشت
اور - ساری راہوں - سورہ زمر میں فاحذروا (۲) کے معنی میں بسجندار (۳) والا خیر
اور - وہ آخرت - مستحق اس زندگی کی نگہداشت رکھتا ہے - سورہ مائدہ
میں فَاحْذَرُوهُ (۴) کے معنی میں فاحذروا (۵) ہے (۱) اس کے معنی کسی
سے یہ اختیار رکھنے کے ہوئے - سورہ بقرہ میں حَذَرَ (۶) اَلْمَوْتِ (۷) (۸) (۹) (۱۰)
کے معنی میں موت سے بچنے کی - سورہ نساء میں حَذَرَ (۱۱) اَلْحَيٰثَةِ (۱۲) (۱۳)
(۱۴) میں تمام حفاظتی تدابیر آجاتی ہیں ، بیدار مغزی کے ساتھ -

[illegible]

ح ر ب

[illegible]

ح ج

'حَرَج'۔ دراصل عربوں نے بطرح جمع ثوب کے ساتھ 'حَرَج' سے جس
 سے نمائی سر اُٹے گئے۔ یعنی حکماء کہ وہ اور حذیفہ بن یمان سے وہ حکماء تنگی
 سر کے لگ جاتی تھیں۔ یہ اس مقام کو بھی کہتے ہیں جہاں بہت ہی
 گہنے درخت ہوں۔ یہاں سے ان کے نام لے لئے گئے۔ یہ لفظ اضطراب ہے بمعنی اور ک
 کے معنی میں استعمال معمول ہے۔ جو کام دل کی آواز سے نہ آتا ہے
 اس کے لئے یہ لفظ بوجہ جانتا ہے۔ چنانچہ حَرَج شَرِبِیْ 'شَبَابِیْ' کے معنی
 ہیں میرے اپنے ذات پر سے۔ 'حَرَج' عَشْبِیْ کے۔ یہ سر اسٹری میں
 نہیں۔ وہی اعتراف نہیں۔ 'حَرَج' کے معنی میں بھی استعمال
 ہوتا ہے۔ ***۔

میں یہ ہے کہ جن "فلاسفہ" حاکم اور راجہ تھے ان میں سے کئی ایک
اور بعض نامور و مشہور تھے۔ - تاریخ میں بھی کیفیت ان حاکم
شہ

[illegible]

* تاج - ** محيط - *** راغب - **** العلم الخفاق -

اس کے بعد توالس و ضواریہ دو بہ صلب خاطر مانا ہوگا۔ حسوئت آب اس میں
 نیکی محسوس نہیں اس لئے نہ دھوئے نہ دھوئے سے باہر نکل جائیں۔ نظام کے اندر
 رہتے شیعہ نظام کے ہر حکم اور ضابطہ کی پوری لازمی ضرورت ہے۔ یہ جبر میں
 ہوگا۔ پوری سادگی ہے جسے انسان خوش دلانہ اور رضہ کارانہ اپنے اوپر
 حود نہ کرنا ہے۔ معنی اس کا یہ طیب خاطر دین قبول کر لینا اس امر کا
 اقرار ہے کہ وہ دین کی خاطر دودہ پابندیوں کو اسے اور لازم قرار دینگے۔ اس
 میں تنگی نہ ہونے سے یہ مراد ہے۔

ح ر ر

حَرَدٌ - يَحْرُدُ - حَرْدٌ اس نے اسکا قصد کیا۔ اس نے اسے روکا
 اور منع کیا۔ الْحَرُودُ کے معنی الگ توہم رکھنے کے ہیں۔ ابن فارس نے
 کہا ہے کہ اس کے سادہ معنی (۱) ارادہ کرنا (۲) غصہ ہونا اور (۳) ایک طرف
 گھومنا ہے۔ رَجُلٌ حَرْدٌ - ایک شخص والا آدمی۔ غضبناک
 آدمی تو بھی کہتے ہیں *۔ قرآن میں ساح و انوں کی مثال کے ضمن میں کہا ہے
 وَشَدَّوْا عَمَلِي حَرْدٌ قَادِرٌ رُسُومًا - اس کے بعد بعض بھی کہتے
 ہیں کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اسکی
 قوت رکھتے ہیں کہ غریبوں اور مسکینوں کو اسے ساح میں لے کر روک
 دے۔ مبالغہ عبارت کی رو سے دوسرے معنی یہ کہ مناسب نظر آتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ جس حد میں حد اور راء آگئے
 ان میں مشابہت اور مستحی رہتا ہے۔ مثلاً الْحَرْدُ - غضب اور
 غصہ۔

ح ر ر

حَرَرٌ - الْحَرَرُورٌ - الْحَرَارَةُ - حرری - الْحَرَرُورُ (دھوپ کی) حر
 قرآن میں یہ لفظ خیل کے مقدمہ میں آتا ہے (۱) - الْحَرَرُورُ - رہنمی
 کدڑا (۲) - راجب نے لکھا ہے کہ ہر ایک کڑے کو حَرَرُورُ کہتے ہیں۔
 اس مادہ کے معنی ہیں کسی چیز کا اس انداز سے جھلکا ہوا کہ اس میں کسی
 قسم کی آمیزش نہ ہو **۔

الْحَرَرُ - عُبْدٌ کی ضد ہے۔ میرزا آباد ہندو غلام۔ ہر چیز کا بہترین
 حصہ۔ عمدہ کھوڑا۔ عام زمین اور ریت کی زمین میں سے بہترین زمین۔

* تاج و راجب - ** تاج -

کھار، روٹ، رشتے میں کہ اگر ان کی اناس میں سے کسی ایک کو
جسٹس اور ان کے جوڑے میں سے کسی ایک کو جسٹس کے ساتھ
لے آئے، تو وہ بھی، ان کے دھنوں میں انسی جسٹس کو ان کے
پتھر کے بل کے ساتھ لے آئے۔ پھر وہ ان کے ساتھ یہ لے آئے
میرا وہ بھی۔ وہ پورے لے آئے۔ ان کے ساتھ وہ لے آئے۔ ان کے
لے آئے۔ ان کے ساتھ وہ لے آئے۔ ان کے ساتھ وہ لے آئے۔

[illegible]

ح ر ق

بنیادی معنی میں (ابن عربی) چونکہ اس سے حرارت برآں ہوتی ہے اس لئے اس کے

* تاج - ** تاج و معبط۔

۱۔ وہ جس نے وہاں سے ہٹا دیا ہے کہ وہ پھر زندہ نہ ہو سکتے۔ یعنی
 اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ یہ قوموں کی وہ آخری تباہی
 ہے جو عذاب کے دہانے کے بعد عین میں آجاتی ہے اور جس سے وہ قومیں پھر ابھر
 نہ سکتیں۔ لیکن اگر اس آیت کو اس کے بعد کی آیت سے ملا کر جو
 آیت کے بعد آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی باز آ رہی ہے وہیں جہنم
 ہے۔ جب وہ پھر اُٹھیں تو ان کو جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کے
 بعد آتی ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت ان کے لیے تھی جو ان سے پہلے اس
 آیت کے بعد آتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اسی طرح بھی خدا کے قساموں کی
 صرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔ یعنی جوئی قوم مسیحی ملائکہ اور انجیل
 کے بعد اس میں "رجوع" کی بات ہے۔ اس صورت میں آگے
 آیت میں حتمی زائد ہوگا

نہی ہے۔ حلال ہے حرام میں (۱)۔ اُجڑ مٹاتے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے (۲/۱۶)۔

مَحَبَّتِہٖ اَمَّ - جو کسی چیز پر روک لپکا کر ہو۔ جس کے انی و جنت کے
محبس ہیں۔ جس کی سرور و رات زنگین ہری نہ سبوتی عید الہام
مکہ شرم کہ وہ بے غوغا قرار دیتا ہے۔ مگر اس میں صاحب نے حرم یہ
وہ حبیب منیر کا نام لیا ہے۔

منعلق تفصیلی گفتگو ضروری ہے۔

[illegible]

اسے اپنے احکام کے تابع رکھئے۔ مگر کون ایسا شخص ہے جس نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے؟
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ ۚ
 دُورِ الشَّيْءِ... اس سے مراد وہ ایسی انسان ہیں جو اس کا حق حاصل نہیں کرتے اور خواہ
 سنے اسے ضابطہ قوانین۔ یہاں حکومت یا بیوروکریسی کے نام سے کہی گئی ہے۔ وہ
 دوسرے انسانوں سے کہے گئے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرنے میں کوتاہی کر رہے ہو۔
 لہذا قرآن کریم کی رو سے ایسی انسانوں کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے
 انسانوں کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی لگائے۔

لیکن زندگی میں بعض پابندیوں کی بھی ضرورت ہے۔ ان پابندیوں
 کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً

۱۔ ایسا نہ کرنا جس سے تمہارے دل میں شک نہ پڑے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں
 دیا ہے۔ مثلاً اگر تم نے کسی شخص کی جائیداد کو لوٹ لیا ہے تو اس کی سزا
 نہیں ہے۔ یہ اس کا ایک نئی مشورہ اور مسلمانانہ ہدایت ہے جس سے تمہارا دل
 مطمئن رہے۔ اس کی وجہ سے۔ اس سے تمہارے دل میں شک نہ پڑے۔ اس سے
 سے نقصان نہ ہوگا۔ تم سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے۔ اس سے تمہاری آزادی
 نہیں ملے گی۔

۲۔ ایسا نہ کرنا جس سے تمہاری عزت و شرف کو نقصان نہ پہنچے۔ مثلاً اگر
 تم نے کسی شخص کی عزت و شرف کو نقصان پہنچا ہے تو اس کی سزا
 ہے۔ اس سے تمہاری عزت و شرف محفوظ رہے گی۔ اس سے تمہاری آزادی
 نہیں ملے گی۔

۳۔ ایسا نہ کرنا جس سے تمہاری نفس و جان کو نقصان نہ پہنچے۔ مثلاً اگر
 تم نے کسی شخص کی جان کو نقصان پہنچا ہے تو اس کی سزا
 ہے۔ اس سے تمہاری جان محفوظ رہے گی۔ اس سے تمہاری آزادی
 نہیں ملے گی۔

قرآن کریم نے اس میں بھی کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی ہے۔
 جس سے تمہاری آزادی محفوظ رہے گی۔ اس سے تمہاری آزادی
 نہیں ملے گی۔

ذینہ۔ اس لئے حرام کے مفہود ہی معنی شوق کسی کو کسی بات سے روک دینا۔
میع کہ ذینہ۔ اس سے مراد یہی ہے کہ دینا۔ قرآن کریم نے حرام اور حلال کے بارے
میں واضح احکام دیئے ہیں۔

سب سے پہلے اصول یہ ہے کہ خونگوار زمانہ رزق کی ضرورت
میں حلال ہے۔ چنانچہ اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَاءَ وَالْحُمْلَ وَالْأَخْيَارَ وَالْمَيْتَةَ
الَّتِي كُتِبَ عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ ۚ (سورہ بقرہ ۱۷۲)

اے ایمان والو! جو کچھ اللہ نے ہشور رزق دیا ہے اس میں سے
میت، خونگوار چیزوں، کتا، کبوتر، اور اللہ کا مکر کرنا۔ اگر
نہ صرف اسی کی محکومی اختیار کرتے ہو۔ اس نے نہ صرف
مرد و زن دونوں اور سور کا گوشت اور جسے اللہ کے سوا کسی
دوسرے کے لئے حرام کیا ہے، حرام کیا ہے۔

میں صرف ان کی حروف کے ذریعہ سورہ انعام میں ان کے بارے میں
مذکور ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَاءَ وَالْحُمْلَ
وَالْأَخْيَارَ ۚ (سورہ بقرہ ۱۷۲)

اے ایمان والو! جو کچھ اللہ نے ہشور رزق دیا ہے اس میں سے
میت، خونگوار چیزوں، کتا، کبوتر، اور اللہ کا مکر کرنا۔ اگر
نہ صرف اسی کی محکومی اختیار کرتے ہو۔ اس نے نہ صرف

میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَاءَ وَالْحُمْلَ
وَالْأَخْيَارَ ۚ (سورہ بقرہ ۱۷۲)

اے ایمان والو! جو کچھ اللہ نے ہشور رزق دیا ہے اس میں سے
میت، خونگوار چیزوں، کتا، کبوتر، اور اللہ کا مکر کرنا۔ اگر
نہ صرف اسی کی محکومی اختیار کرتے ہو۔ اس نے نہ صرف

چونکہ اللہ نے ہشور رزق دیا ہے اس میں سے میت، خونگوار چیزوں، کتا، کبوتر، اور اللہ کا مکر کرنا۔ اگر نہ صرف اسی کی محکومی اختیار کرتے ہو۔ اس نے نہ صرف

ان آیت سے شہادت ملے

- (i) کسی نے جو حرام قرار دینے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔
- (ii) خدا کے علاوہ اس کا حق کسی اور کو حاصل نہیں۔
- (iii) اس نے زینت کی کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔
- (iv) ایسے رزق میں سے جنہیں حرام قرار دینے کی ضرورت نہ ہو۔

مصریح مذکور ہے۔

ہم نے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ اس پر کسی شے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس پر صرف خدا کو حق ہے۔ لیکن خدا ہر شخص سے براہ راست حکام نہیں دیتا۔ اس لیے اس نے حرام و حلال کے متعلق اپنے فیصلے وحی کی رو سے دئے جو سورۃ شہد پر نازل ہوئی تھی۔ سورہ شہد میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرًا مِّنْ حَيْثُ شَهِدُوْا سَوَآءٌ مِّنْهُ لَكُمْ وَرَبُّكُمْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَٰهِدٌ
 (۲۱)

اے رسول! میں اس میں کسی چیز کو جو تم نے شہادت دی ہے، حرام و حلال کے متعلق اس سے کچھ فرق نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ تم نے شہادت دی ہے کہ حرام و حلال کے متعلق اس سے کچھ فرق نہیں ہے۔

اس سے شہادت کہ خدا نے حرام و حلال کے فیصلے میں وحی کی رو سے کچھ فرق نہیں کرتا۔ جو بھی اس پر شہادت دے گا، وہ وحی کی رو سے کچھ فرق نہیں کرتا۔

وَالْحَيٰتِ لَا تَكُنْ لَكُمْ فَاكْرًا مِّنْ حَيْثُ شَهِدُوْا سَوَآءٌ مِّنْهُ لَكُمْ وَرَبُّكُمْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَٰهِدٌ
 (۲۲)

اور تمہارے لئے یہ بھی حلال و حرام کے متعلق کچھ فرق نہیں کرتا۔ یہ بھی اس وحی کی رو سے کچھ فرق نہیں کرتا۔

یہ "امّا یٰٰنسی" وہ وحی تھی جو "الکتاب" میں تھی۔ سورہ شہد میں ہے
 اُنّٰی مَّا اُوْحِیَ اِلَیَّكَ مِنْ اٰیٰتِ الْکِتٰبِ اِذْ یَاۤتِیْکَ مِنْ رَّبِّکَ جُزْءٌ مِّنْهُ
 کتاب میں سے وحی کیسا گیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق سورہ
 آل عمران کی اس آیت میں جس کا پہلا حصہ سابقہ صفحہ میں درج ہے۔

اس منہ سے نہ صرف ایک نکتہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں حلال انسان کے لئے ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ شِعْرًا وَلَا لِبَاسًا لَعَلَّكُمْ تَكُونُوا مُرْغَبِينَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ"۔ اسے نوح اللہ نے! زمین کی پیداوار جو تم پر حلال کی گئی ہے۔ اسے طیب انداز سے کھاؤ۔" طیب کے معنی میں خوشگوار۔ یا ٹیڑھ۔ مضمحل۔ نفیس۔ یعنی یہ نہیں کہہ دو کہ ہر حلال چیز کا کھانا تم پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ انیسے ذوق اور مسرت کے مطابق جیسے اچھا سمجھو کھاؤ۔ جو ناپسندہ چیزیں نہیں مانتے کھاؤ۔ اس میں نردی ذوق، میلان صبیح، طبی ضرورت اور دیگر تضمینات کی رعایت رکھ دی گئی ہے۔

لیکن یہی اسکرم کے بارے میں اس رعایت میں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ (مثلاً) زید کسی ایسی چیز کھا کر بیمار نہ ہو جائے جو اسے ناپسندہ ہے، اس کے فحشہ کے اثر اس کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی ناپسندہ چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح چھوڑ دیتا ہے تو اس نے اسے اپنے اوپر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے لیا ہے، اگر اس کے نتیجے میں بہت دور رس ہو سکتے ہیں۔ عموماً کہہ دیتے ہیں کہ میں نے یہ کھا کر بیمار ہو گیا، یہ سب کچھ میری طرف سے چلے جائے، یہ سمجھ کر کہ اس چیز میں کوئی دینی قبہ نہ ہوگی، اس لئے وہ مسلمان حرام قرار دے گا۔ اس لئے اس طرح ناپسندہ (Indigestible) شے سمی، خدشہ کی حامل خوردہ ہے، اثرات پر حرام قرار دے جائے۔ پہلی فرمول میں یہ نہ حکایت میں ہے۔ نہ اسکرم کی وجہ سے صرف خدشہ طور پر مہنوں پر لگتی گئی۔ قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے کسی سے کہا کہ میں نے کھانا کھا کر دیکھا ہے۔ یہ کہ یہ مضمحل مضمحل ہے۔ کن بنی اسرائیل نے اسے خدشہ کا کہہ سمجھ کر اس سے کھانا کھا کر بیمار ہو گیا۔ اس کے لئے حرام قرار دے دیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے دیکھا کہ قرآن میں جن چیزوں پر حرام قرار دیا ہے ان میں اس سے زیادہ اثر نہیں ہے۔ انہوں نے اس پر شورش نہ کی کہ جس چیز کو سمجھے ان کے خدشہ خدشہ کے مطابق "خدا نے حرام قرار دیا ہے"۔ یہ اب قرآن میں دیوں حلال قرار دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں قرآن نے یہ نہ کہا کہ "الطعام کان حراماً شنبی" اور ائیل "کان حراماً کسریس"۔ تمہیں نفیسہ میں "قائل ان" "نیز ان" "تورقہ" "الہ" "م" "لے" (حیوان مسمنوں کے لئے حلال قرار دے گئے) میں بنی اسرائیل کے لئے سے حلال نہیں سوائے اس کے جسے، تورات نے ان سے پہلے، اسرائیل "محبوب" نے

اسے آپ پر منوع قرار دے رہا ہے۔ وہ چیز جس کی طرف سے حرم قرار نہیں
دیا گیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اسے ہر ایسی وجہ سے ناجائز نہیں کہا ہے کہ
منوع قرار دیا گیا ہے۔ یہودی سے سمجھا جائے کہ خدا نے اسے جس وقت
پہنچے آپ پر منوع قرار دیا ہے۔ تو وہ خدا کی طرف سے حرم کی شئی ہوگی۔
اس وجہ کے بغیر نہ کہ تعسلی کے نہیں اسے حرم کی طرف سے حرم قرار دیا
کہ اس نے اس میں چیزیں جو خدا کی رخصتی سے ناجائز ہیں اور وہ خدا سے جائز دیا
اور اسے ایک معمولی بات سمجھا (عدم حرمت میں وہ بات ہے جس میں معمولی سی
سکین شریعت سے نہیں سمجھا جاتا) کی طرح اس کی بات کے بغیر وہ ہر وقت
اسے حرم کی نہ ہر وقت میں ناجائز قرار دے لیتے ہیں۔ اس لیے اس کے لیے حرم قرار دینا
خاص طور پر محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اس سے بھی واضح ہے کہ اگر نہیں، اپنے ذاتی میراث سے نہ مصحف کی یا
ہر ایسی حالت سے نہ سمجھا جاتا ہے تو اس کے لیے حرم قرار دینا حرم قرار
دینا، صحیح نہیں ہے۔ حرام قرار دینا وہ ہے جسے اللہ نے اسے حرام قرار دیا
حرام قرار دیا ہو۔

یہ بات تمام رہ جائے گی اگر ہم اس کے ساتھ سورۃ صرف کی اس آیت
اور بھی سامنے نہ لائیں جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ خدا نے اسے حرام قرار دیا
ہے۔ بنیادی تعلیمی میں وہ چیز ہے جس میں حرم قرار دیا گیا ہے۔
مستحبات کی تعلیمی میں حرم قرار دیا گیا ہے۔ وہ چیز ہے جس میں حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ جب

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات میں اسے حرام قرار دیا ہے۔

حرمت کا حق صرف خدا کو ہے اور

اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے حرم قرار دینا وہ ہے جسے
اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔

وہ جس نے یہ سمجھا کہ بنیادی طور پر خدا نے اسے حرام قرار دیا ہے۔
اس لیے حرم قرار دیا ہے۔ اس لیے حرم قرار دیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔
حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔ حرم قرار دیا گیا ہے۔

ہیں کہ وہ ہیں سے (جو لوگ تہ اور آخرت پر ایمان نہیں
 لائے اور تہ اور آخرت پر ایمان نہ لائے جسے حرام اور حلال
 نہ سمجھتے۔ ان سے جنگ کرو۔

اس آیت میں یہ مفسرین ہیں کہ حرام اور حلال کے لغوی معنی
 ہیں کہ حلال وہ چیز ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے اور حرام
 وہ چیز ہے جس میں حرج ہے اور حرج سے مراد وہ چیز ہے جس میں
 حرج ہے اور حرج سے مراد وہ چیز ہے جس میں حرج ہے اور حرج
 سے مراد وہ چیز ہے جس میں حرج ہے اور حرج سے مراد وہ چیز ہے
 جس میں حرج ہے اور حرج سے مراد وہ چیز ہے جس میں حرج ہے۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات
 کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے
 احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے
 رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ
 اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

ان کے لئے عذاب ہے اور ان کے لئے عذاب ہے اور ان کے لئے عذاب ہے۔

اور حرام وہ چیز ہے جس میں حرج ہے اور حرام وہ چیز ہے جس میں حرج ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں
 اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں
 اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لئے بڑا اجر ہے
 اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

معنی حلال ہو۔ حرام قرار نہ دینا، انسان کا اپنے اختیار کی حد سے آگے بڑھ کر نہ کرنا۔ اس لئے کہ جو چیزیں اللہ نے حلال قرار دی ہیں، ان میں سے کسی ایک پر بھی انسان کو اس کا حق حرام قرار نہیں دیتا۔ وہ دوسری انسانوں کی آزادی کی وجہ سے حرام قرار دیتی ہے۔
دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ تاکید کے ساتھ کہا کہ

وَلَا تَتَّبِعُوا لِمَا يُغْوِي الشَّيْطَانُ إِنَّهُ يَكْذِبُ
 هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِيَتَفَتَّرُوا
 عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ..... (۱۱۶)

اور جو تمہاری زبان میں یونہی جھوٹ ہے، اس کو نہ پیسو۔
 کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ تمہاری بہتان باندھو۔

ایسی بات مت کیا کرو۔

یہاں قرآن حکم دیتا ہے کہ جو مذہبی پیشوا حرام و حلال کی فہرستیں تیار کرنے بیٹھ جائیں، ان سے یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ ختم خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ (یا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے ایسے حرام قرار دیے تو لوگ ایسے مانیں گے نہیں) اس لئے وہ یہ نہیں کہتے کہ ان چیزوں کو ہم نے حرام یا حلال نہیں قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب "شرعی حد و قیاس" کے مطابق ہے۔ اس طرح یہ غور خدا کی طرف کسی بات پر منسوب کرنے کی حد سے بھی نہیں ہے۔ یہ غور ہے۔ یہ مذہب ہے۔
بہتان عظیم ہے۔ ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مِمَّا نُزَلُّ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ
 فَيَجْعَلُكُمْ مِثْلَهُ حَيْرٌ مِمَّا وَضَعْنَا قُلُوبُنَا أَنْ نَكُنْ
 لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ (۱۱۷)

ان سے کہو کیا تم اس پر غور کرتے ہو کہ اللہ نے جو کچھ
 تمہاری طرف سے نازل کیا ہے، تمہاری سمجھ سے اس سے زیادہ
 حیران کن ہے۔ حرام قرار دیتے ہو کسی کو حلال۔ ان سے کہو کہ یہ
 اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دے رکھی ہے (کہ جسے
 چاہو حرام قرار دے دو اور جسے چاہو حلال کر دو)
یا تم اللہ پر افترا باندھتے ہو۔

قرآن حکم دیتا ہے کہ اللہ نے کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں
 دی کہ وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔ جس پر جس ایسا کرتا ہے وہ
 خدا پر افترا باندھتا ہے۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ محس (حلال) چیزیں یہودیوں کے لئے حرام قرار دیدی گئی تھیں۔ سورۃ انعام میں ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ هَاهُنَا فَيُكْفَىٰ زَيْدُهُمْ هَاهُنَا (٩/١٠)

اور ہم نے یہودیوں پر سب ناخن والے جانور (ہرنڈے) حرام قرار دیدئے تھے۔ اور گلے اور بکریوں کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ جزائس کے خون کی سب سے زیادہ مقدار کے سوا باقی سب حرام کر دیئے تھے۔ اور انہوں نے انہیں ان کی بغاوت کی سزا دی تھی۔

سورہٴ نساء میں ہے

بَيْنَ الَّذِينَ هَآؤُلَآءِ حَرَامٌ أَنْ يَقُولُوا هَٰذَا نَحْنُ الْمُتَّقُونَ
طَائِفَاتٌ أُحْضِلَتْ لَهُمْ (١٦٠)

یہودیوں کی رہنمائی کے لئے ہے ، یہ خلیفہ تبار
چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ، حرام قرار دیدیں ۔

[illegible]

... $\left(\frac{3}{29}\right) \dots$

تاکہ جو چیزیں تم پر حرام قرار دیدی گئی ہیں ان میں سے بعض کو حلال قرار دوں -

یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی مصلحت کی اور اس طرح اپنی مصلحت کی وجہ سے
 یہ خود اپنے "تینوں" سے منسوب کر لیا۔ آپ کے قول بھی مکرر "تسریں" دئے
 و اللہ اعلم نے آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہ بتایا کہ

- رضی صواب پر معترض قرار دے دے۔ مثلاً برسات (یا ہضہ) کے زمانہ میں
 ۵۔ تیرا اونیسار حکم دیتا ہے کہ شہر میں ابروہ یا کخیڑ کے استعمال ممنوع
 ہے۔ ۶۔ جنگ کے زمانے میں حکومت قصہ۔ در ذیقتی ہے کہ سول آبادی کے
 لیے فرائض کا استعمال ممنوع ہے۔ لیکن کسی ضرورت میں۔ ۷۔ قس
 میں ذابک۔ ہر سال کے لیے سب سے پہلے اسلامی نظام میں (نہی) اور
 ۸۔ ہر سال کے زمانے میں بعض چیزوں کے استعمال کو کسی طرح
 ممنوع قرار دیا ہو۔ لیکن فہرست کے اندر اس طرح کسی سے استعمال کو
 ممنوع قرار دینے، اور کسی سے کو ابدی طور پر حرام قرار دینے میں بنیادی فرق
 ہے۔ کسی سے کو ابدی طور پر حرام قرار دینے کا ختم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔
 (نیز دیکھئے عنوان ح۔ ل۔ ل۔ اور ن۔ ع۔ م)

ح ر ی

محرری۔ ۱۔ قصہ سونا۔ کسی چیز کی طبع میں کوئی شے نہ ہونا۔ کسی
 ۲۔ کوئی شے کے خصوصیت کے ساتھ ارادہ نہ ہونا۔ ۳۔ اس کے اس کا
 ارادہ نہ ہونا۔ ۴۔ نہ ہونا۔ ۵۔ نہ ہونا اور جن چیز کی سبب میں کوئی شے کرنے
 پر مجبور ہے۔ ۶۔ قدرتی مقرب میں ہے "وَالْمَرْکَبُ الْمَحْرُورُ" (۱)۔
 "میں نے اس چیز کو پسند کیا"۔ ۷۔ عبادت کے حصول کے لیے عزیمت نہ ہونا۔
 کر لیا۔

۱۔ قریب سے ہونے کا معنی ہے۔ ۲۔ ارادہ (۳) حرارت اور (۴) ہوت
 ۵۔ جو چیز کو کہتے ہیں۔ ۶۔ حیرت مہکا۔ میں ایک ہم ٹی تو جس کے ہمارے میں (نہ)
 ۷۔ (۸) حضور قبل از نبوت (۹) رسد و عداوت کی صفت صافی میں (۱۰) جناب
 ۱۱۔ یہ صرف تاریخ کا بیان ہے۔ ۱۲۔ ان کے ہمارے میں اس کی صراحت نہیں۔
 ۱۳۔ ہمارے یہی ہوتا ہے کہ قبل از نبوت حضور کا اس حقیقت میں سرگرداں
 رہتے تھے۔ دیکھئے عنوان ض۔ ل۔ ل۔

ح ز ب

۱۔ حیرت۔ ۲۔ ہر طرف کی طرف۔ ۳۔ ہر طرف کی جماعت، فریبی، ہر
 ۴۔ جمع حیرت (۵) سے لے کر ہر طرف، نہ ان کے دل اور اعمال ایک دوسرے
 کے ہمتی ہوں۔ خواہ وہ ایک دوسرے سے لپٹی ہوئے ہوں۔ ۶۔ راغب

تیس۔ اور نہ ہی سمجھتی اس سے محروم رہتے تھے۔ (۱۰) اس سے بھی
بڑا کہ مفہوم واضح ہو جائے۔ (۱۱) اس کی طرف سے (۱۲) اس سے (۱۳) اس سے
ش۔ ح۔ راج۔ ن۔ ن۔ ن۔ ن۔ (۱۴) اس سے (۱۵) اس سے (۱۶) اس سے
فیروم خریف۔ بھوک۔ حزن و غم کی سرسبز ہوا میں پیدا ہوئے۔
حاصل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کر رہی
تو ان کے خداوند کے ملکہ کی زندگی بسر کرنے کی بجائے اس سے بے وفائی کر رہی ہے۔
خدا انسان کی بہان کی زندگی میں مر رہا ہے اور اس کی زندگی کی بے وفائی
کی زندگی بھی کامیابی اور کامرانی کی زندگی۔

سورہ برہانہ میں حُزُن کے معنی اس کے لئے ہیں جو غم میں ہو۔
 یسویٰ و انعام میں دُعا ہو گیا۔ اور اَلْاَمْرُ اَنْ تَعْلَمَ اَنْ
 معنی میں ہر قسم نہ کہ۔ اَلْاَمْرُ اَنْ تَعْلَمَ کے معنی وہ ہے۔
 دُرد مند ہوا*۔

ح س ب

۱۔ سب سے پہلے یہ کہنا چاہیے کہ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۲۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۳۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۴۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۵۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۶۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۷۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۸۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۹۔ یہ کتاب کون کی ہے۔
 ۱۰۔ یہ کتاب کون کی ہے۔

[illegible]

میں نے یہ سب جہیز دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

سورہ نساء میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

سورہ نساء میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

س م

کچھ میں نے دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

سورہ نساء میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

س م

سورہ نساء میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 حصار سے بھی دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔
 یہ سب دیا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے چاہا۔

موزر غب نے کہا ہے کہ عدل^۳ نوردہ ہے کہ جو کچھ تمہارے ذمہ
 ہو وہ دبر و اور جنت بھارا حق ہے وہ نے نو۔ اور احسان^۴ وہ ہے کہ اس سے
 زیادہ جو کچھ تمہاری ذمہ ہے اور اس سے کم نہ جتنا تمہارا حق ہے۔
 میں احسان^۵ میں نگہ واجب (Du) پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد، توازن برقرار
 رکھنے کا شوق ہے۔ مورد قصور میں حضرت موسیٰ^۶ کے معنی ہے کہ جب
 وہ حق پر پہنچے و مستوی اور میں ہر طرح کا اعتدال پیدا ہو گیا۔ تو
 میں نے انہیں عیم و حلالہ (قرب قصور) سمجھا تھا۔ اس کے بعد ہے لذلک
 نتیجتاً فی احسان^۷ احسان^۸۔ ہم اس طرح دشمنان کو ان کے اعمال کا ثمرہ
 دینا چاہتے ہیں۔ یہاں اشارہ ہے کہ احسان^۹ سے مراد اعتدال کے ساتھ
 زندگی بسر کرنے والے ہیں۔

موسیٰ یحییٰ^{۱۰} نوحیٰ احسان^{۱۱} کے معنی ہیں وہ جس کو احسن
 طرح سے سزا ہے۔*۔ مورد یوسف میں ہے کہ جب قید خانہ میں ان کو
 نوجوانوں نے حضرت یوسف^{۱۲} سے اپنا اسباب خرید لیا تو آپ سے کہا کہ
 ان خوبوں کی ساقی بہ نیرے مواسکے کر رہے ہیں لذلک میں احسان^{۱۳}
 ان کے یہاں احسان^{۱۴} کے معنی ہیں وہ سزا دہندہ کسی حالت کا اچھی طرح
 علم رکھتے ہوں۔*

قرآن مجید میں احسان^{۱۵} کا لفظ صرف ایک جگہ ہی آیا ہے اور احسان^{۱۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۱۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۱۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۱۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۲۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۲۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۲۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۲۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۲۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۲۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۲۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۲۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۲۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۲۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۳۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۳۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۳۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۳۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۳۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۳۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۳۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۳۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۳۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۳۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۴۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۴۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۴۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۴۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۴۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۴۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۴۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۴۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۴۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۴۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۵۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۵۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۵۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۵۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۵۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۵۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۵۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۵۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۵۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۵۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۶۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۶۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۶۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۶۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۶۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۶۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۶۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۶۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۶۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۶۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۷۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۷۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۷۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۷۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۷۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۷۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۷۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۷۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۷۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۷۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۸۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۸۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۸۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۸۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۸۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۸۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۸۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۸۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۸۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۸۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۹۰} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۹۱} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۹۲} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۹۳} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۹۴} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۹۵} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۹۶} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۹۷} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۹۸} کے معنی ہیں
 احسن سے بہتر اور احسان^{۹۹} کے معنی ہیں احسن سے بہتر اور احسان^{۱۰۰} کے معنی ہیں

کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگ لے۔ (۱۱۱) اس لئے خدا
 کا "مشرَب" وہ ہے جسکی ذات (Personality) کی مختلف صلاحیتیں نشوونما
 حاصل کرتی جائیں۔ باقی نکتہ کہ ان میں پورا پورا توازن قائم رہے۔ یہی
 وجہ ہے کہ قرآن حکمران کے حوالہ لہائے کہ لِيَشْرَبَ الْكَلْبُ مَاءَ الْيَهُودِ
 فَذُتُّوْهُ بِرِيْحٍ - (اسماء خداوندی - صحت - سم - پورا پورا توازن لئے
 شوقی شمس اسمئے خدا کو انہی کے مطابق پکارو۔ یعنی خدا کے متعلق وہ
 تصور درست ہے جو ان صفت کے مطابق قائم ہو۔ تو مکے سب سے بھی کہہ
 دے کہ وَذَرُّوا الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ فِيْ سَمَائِهِمْ - انہوں نے جو لوگ ان
 صفت میں سے کسی ایک میں کمی (توازن کی راہ چھوڑ کر) کسی ایک
 طرف نکل جائے گا تو ان سے کچھ جفا۔ لہذا خدا کی صفت کا اسے اندر
 معائنہ کرتے رہیں۔ یعنی ذات کے مضمحل حوشروں کی سود و زانیگی میں
 مصروف نہ ہوں۔ بلکہ ان میں توازن قائم رہنا ہی ضروری ہے۔ جس
 زندگی میں حسن نہیں سمجھو۔ چاہے کہ وہ ترقی یافتہ میں رہی شوقی نہیں
 ہے۔ زندگی کا مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے اندر حسین پیدا کرتے ہو اور
 ریاضت میں نہ صرف حسن کا اہل ہو۔ بلکہ خیر میں حسن میں دلچسپی
 (حسن پیدا کرے) کی بات ہے۔ رفیقان سفر (دوسرے افراد معاشرہ) کے ساتھ
 حسن معاہدہ سے شوقی ہے۔ اس کے لئے ہم کہہ و قُوتُوا لِيَتَمَنَّاسِ
 حُسْنًا (۱۲) - ہر دن سے ایسی باتیں کرو جن سے حسن پیدا ہو۔ اور سنا
 عملی طریقہ یہ ہے کہ اَتَمِّسُوْا رِيْضًا مَّيْوٰتِلَ الشَّيْءِ - کسی محنت کے ماحصل نہ
 رہو بہت عمدہ ذہن سے پڑھو اور سطرَحِ الْحُسَيْنِيُوْا (۱۳) معاشرہ میں
 حسن پیدا کرتے رہو۔ اسی کا دوسرا نام احسان ہے (۱۴)۔

قرآن کریم کے ہم نوا رہنے سے جو حسن پیدا ہوئے انہیں حسنِ ثانی کہتے ہیں۔
 ان کی نشانی ہے نبی اس کے معنی یہ صحیح ہے۔ سورہ یٰس میں ہے: "وَجَزَّ سَفَرًا"۔
 جی سفا۔ رنمیں ان حد تک کہ اس میں بڑے بڑے عیب ہیں۔ "وَجَزَّ سَفَرًا"۔
 "وَجَزَّ سَفَرًا" (۱۔۲)۔ حسنِ ثانی کے حسن کا معنی یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے عیب ہیں۔
 "وَجَزَّ سَفَرًا"۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ احسان بہت بڑا ہے۔
 یعنی کسی آدمی پر کوئی وقت نہ آتا۔ وہ دوسرے کے پاس بے حد سے آتا۔
 اس کے احسان بہت بڑا ہے۔ یہ احسان عوامی ہے۔ دوسرا احسان اس منظر میں
 رہے وہ ذات میں بہت سے عیب ہیں۔ کوئی عیب نہ رہے اور یہ اس کے احسان کا
 بدلہ ملے۔ اور جب تک اس کا بدلہ نہ ملے اس کے دل میں سلام نہ رہے۔
 اس نے اس کی کسی بات سے بھی اختلاف کیا تو اس نے جیت کر یہ کیا کہ یہ کہہ کر
 احسان فراوان ہے۔ یہ احسان کے مرتبہ سے مراد ہے۔ اور وہ ہے
 احسان کا مفہوم۔ اس کی دو باتیں ہیں۔ تفاوت یہ کہ احسان کا یہ کجا ہے۔

نہ سے حسن پیدا ہو جاں ہے۔ اور یہی مقصود سازباز ہے۔ یعنی احسان
 نہ ہے کہ یہ ہے کہ احسان کہوت جیسا اور اس کے معنی کا دل میں خیال
 تک نہیں نہ ہو۔ سو اُسے کہ مؤمنین کے لئے ہے کہ وہ حب کسی کے ساتھ
 احسان نہ کرتے ہیں نہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ وہ حب کسی کے ساتھ
 چیز کے لئے ہو اور (۱)۔ "ہم کہ سے نہ کدنی معوضہ مشتقے ہیں نہ
 کریم کے متعلق ہیں۔ لہذا قرآن تعجب کا مقصد ہے کہ انسان حسن
 نہ کرتے۔ خود اپنی ذات میں۔ دوسرے انسانوں میں اور خارجی کائنات میں۔
 (Mansoor B.)۔ یہ چیز نہ ہے کہ اب ہوئی امی۔ در قرآن درم
 نے کہا ہے کہ جہاں دیکھو وہ توازن بگڑ گیا ہے، اسے درست کر دو۔ اس کے
 درست کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں حسن پیدا کرو (توازن قائم کر دو)
 اس سے بگڑ خود بخود دور ہو جائیگا۔ اذ "فَع" یہاں "تیس" ہیں "أَحْسَنُ"
 اس کی جگہ (۱)۔ پہلے خود اس کا تذکرہ ہو۔ اگر تمہاری ذات متوازن
 (Balanced Person) نہیں ہو اس میں حسن (توازن پیدا کرنے) کی
 کوشش کرو۔ اس کے بعد جب کسی دوسرے شخص کو دیکھو کہ وہ اس توازن
 کو برباد کر رہا ہے تو اس سے احسان کرو۔ یعنی اس کا توازن قائم کرنے کی کوشش
 کرو۔ جب معیار کا توازن بگڑ جائے تو معاشرے میں حسن پیدا کرنے کی
 کوشش کرو۔ اس طرح خارجی کائنات میں غم و شغف کی رو سے حسین اصغر
 نے کہا ہے۔ تمہاری قوم اب بے حس ہے۔ اسے اب ہونے لگی۔ میں نے اسے کرنے کی
 کوشش کی لیکن وہ ہوتا کہ حسن نہ ہو۔ یعنی کڑا ہوا توازن قائم
 ہو جائیگا۔ دنیا کی زندگی یہی مقصود ہے۔ یعنی شخص میں۔ اور خدا کی ذات وہ
 ہے جس میں حسن انسانی اتنا تک پہنچا ہے کہ اس کا معیار "أَحْسَنُ"
 میں لئے انسان کی صحت صحیح نشو و نما اور کمزور کے لئے خارجی
 معیار (1)۔ (2)۔ خدا کی ذات ہے جس کا تعارف قرآن کریم
 نے کرایا ہے۔

ح ش ر

"حَسَنٌ"۔ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے خدا نے اسے صرف نہ جانے۔
 اس کے لئے ہے کہ اس کے بنیادی معنی یہ ہیں کہ اس کا ہونا
 اور اس کے لئے ہے کہ اس کے لئے جمع کرنے اور ہانکنا کرنے
 کے لئے اسے اور اس کے ساتھ جمع ہونے کی جگہ۔ محیط

[illegible]

اِسْخَسْرُ - موت کو کہتے ہیں - نیز ان - حریف اور ہمارے - سے -
 شورو طہ - ش و سِخْسِرُہ یَوْمَ اَلْمِیْمَتِ اَلْمَیْمِی ۱۲ اور عہ
 اسے اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے - اس کے معنی حریف اور ہمارے - سے -
 جو نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے - یعنی عمل کے اثرات و نتائج - یہاں
 لطیف انداز سے مرتب ہوئے رہتے ہیں -

مستشرقین کے - اکٹھا کئے ہوئے - (۱۶۱) - ذرا ایک حسیہ حضرت
یسیہ (۱۶۲) - "یہ تھا تیرا شریک تھے اس کے" - "وہاں حسیہ" -
(۱۶۳) "حب اوک" کہتے تھے جاسکے" - ان مسلمات ہیں جمع تیرے کے
ماتنہ، گئے لئے جمانے کے منہدم بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

* تاج - ** محیط -

شہرت شہان حدیث اور سے مراد صرف مرید کے لئے ہے۔ اور یہ ہے کہ
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 شہس جن سے مشہور ہے وہ صرف مرید کے لئے ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 ہر ایک کی ہر ایک ہر ایک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔

دن بھر میں جموں جموں کے لئے ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔

ح عن ب

شخصیتہ۔ کھنکری۔ سب۔ انجمن۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔

ح عن د

حکمہ۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔ ایس۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔
 - سب دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے جمع ہوئے۔ جب تک ہے۔ اور یہ ہے کہ صرف ایک ہے۔

[illegible]

ح ع ر

اَحْصِرْ - (روک دینا - بند کرنا - بندگی پر آمادہ کرنا) - رُخْبَ لَکھ
 اَحْصِرْ اور اَحْصِرْ اُس وقت ہوائے شوق جب رکاوٹ کی وجہ سے ڈھکی چھپی
 محبت ہو (جیسے دشمن کے روک دینا) یا باطنی محبت ہو (جیسے ہماری
 رکاوٹ پیدا کرے) لیکن جب رکاوٹ صرف بیرونی محبت سے ہو تو اس موقع پر
 اَحْصِرْ ہی نہ کہتے ہیں * - سورہ نساء میں ہے اَوْحَاءُ وُذُنُهُمْ اَحْصِرَاتُ
 صُورُشُمْ (۹۰) - "یہ وہ تمہارے پاس اُن اس حیوان میں کہ ان کے
 پیچھے ہٹ جاتے ہو" اور دل تنگ ہوں - اَحْصِرْ (۱۰) اور حجازہ سے بھی
 نہیں ہیں اور تنگ دل سے بھی - نیز وہ بخلاف آدمی جو سچ کی وجہ سے
 شراب نہ پئے * -

تجسس و تحقیق کے لئے وہ ایک خاص قسم کے حواس پر مشتمل ہے۔
اس کے ذریعہ وہ اپنے حواس سے اس شخص کو بھی پہچان سکتا ہے جس کو
اس نے پہلے پہچان لیا تھا۔ اور یہی وہ خاص قسم کے حواس ہیں جو
محققان کو اپنے حواس سے اپنے حواس سے پہچاننے کے لئے
بہت ضروری ہیں۔ قوم نے فلاں کو گھیر لیا۔

[illegible]

سورہ بنی اسرائیل میں جہنم کی نشہ و نما (D. C. p. ۱۱) رک ۱۰ - جہنم کی
نو آگے بڑھنے سے روک دے - (جہنم کے صحنہ و مہر و نمائندگی)

عنوان جہنم اور ج - ح - م)

* تاج - ** راجب -

ح ت ف

[illegible][illegible]

* تاج و راجب و محیط

[illegible][illegible]

میں نے جنسیت میں شہوانی حاشیے - بعدی ذمہ داروں کی حاشیہ کی طرف سے جو
کلیج کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ شہوانی میں اور جسمانی شہوانی اور
شہوانی نسل میں ہے ، نہ کہ شہوانی جنسی شہوانی کی شہوانی - "شہوانی" سے
ملا ہے ، "شہوانی" - "شہوانی" - "شہوانی" - "شہوانی" - "شہوانی" - "شہوانی" -
(نیز دیکھئے عنوان خ - د - ن)

۱۔ مردوں اور عورتوں کے جنسی امتیاز کے معنی و اقسام کا تعریف کے
۲۔ مرد و عورت کے جسمی و ذہنی امتیاز کے معنی و اقسام کا تعریف کے
۳۔ نام خطوط، ملاحظہ کیجئے۔

ح ص ی

[illegible]

ح غی ر

حشمتور - پستلختسور - استمبورتا - حشر شوندا - ورجوند - زونا - سوس
نیل فندک - ریز حسانیر - ورجوند - استمبورتا - حشر شوندا -

تاج و راغب - ** تاج

ح ط ب

”حَصْب“۔ وہ بکریاں جو آگ حاصل کرنے کے لئے درختوں سے رسی حلق
 ہیں۔ اس میں ”حَب“ ان بکریوں میں آگ لگائی جائے نہ پھر میں سندھ میں نہو
 : ”قُرْدٌ كَرِهًا جَانِغًا“۔ ”حَصْبٌ يَبْكُ حَصْبٌ“۔ بکریاں جمع نورا۔ ”مَكَا“
 ”حَصْبٌ“۔ وہ حاکم۔ ”حَب“ بکریوں میں ”حَصْبٌ“۔ ”حَصْبٌ“۔ ”حَصْبٌ“۔
 وہ سری بھی، ”حَصْبٌ“ و ”حَصْبٌ“، ”حَصْبٌ“ کی بکریاں ہیں۔ ”حَصْبٌ“۔ ”حَصْبٌ“۔
 اندر سے ”حَصْبٌ“ میں ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“۔ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 لوگوں کو ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 کے خلاف ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“۔

”حَصْبٌ“ میں ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“

ح ط ط

”حَصْبٌ“ میں ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“

”حَصْبٌ“ میں ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“
 ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“ ”حَصْبٌ“

رسب نے لکھا ہے کہ حقیقتاً کے معنی ہیں حقیقتاً حقیقتاً دیکھو۔
 اسی طرح لکھا ہے کہ اس کے لئے اور اور لکھا ہے۔ لکھا بھی منظم بھی
 ہے کہ اب شریعت کے معنی اور صحت کے معنی اور اس کی رسد کی
 حقیقت ہو جائے۔

ح ط م

حقیقتاً۔ نور اللہ۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 جو لکھا ہے۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 کی۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔

سورہ زمر میں ہے کہ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔

ح ظ ر

حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔

حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔
 حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔ حقیقتاً۔

[illegible]

سوارہ قمر میں نو سو سو در۔ کی : ہشتی کے جسم میں ہے "فخر ہو" شکر ہو
 ائمہ شیعہ (آئمہ) - وہ ایسے شوقین ہیں جسے پرانی ہاڑ کا فرسودہ حوالہ دینا ہے ۔
 (ابن فرس) یا اس پرانے کی طرح جھوٹے جس "سور" کو "کیٹے" ہاڑ بناتے
 والا ہاڑ بناتا ہے ۔

ح ٥ ٦

الْحَمْدُ - نَصِيبٌ - مَمْرُودٌ حَمِيدٌ - بَخْتٌ - اَحْمَدٌ فَلَاكُنْ - فَلَا تَحْقِرْ
خَوْشِ دِلٍّ اور مالدار ہو گئے - اَحْمَدِیَّةٌ - خوش نصیب و مودودہ دل * -
قرآن و شریعہ میں بہت بڑے نصیب و ایسے (خوش بخت) کو ذُو حَسَنَةٍ
مسمیٰ ہے۔ کہا گیا ہے اَلْاَمَّةُ - یہ وہ ہے جو بڑی دلو و حسن کارانہ انداز میں
دور لڑتا اور جود و احسان پر استقامت پکے دے جاتی ہے (امام) -

ح ف د

حیدر - یہ حلیہ " - روم میں "سرقی اور جہی" لانا - خدمتِ ادا - اَلْحَقَّقْدُ
وَالْحَقَّقْدُ - خدام و اشراف (حلیہ "کی جمع ہے) جو نہ بخص کوئی کام کرے
اور اس میں طاعت از انبوی نہ ہے سوائے حاکمیت نہ ہے * - قرآن
مشریہ میں ہے "وَجَعَلْنَا مِنْكُمْ" اَزْوَاجًا مِّنْ سَائِبِیْنَ وَ حَقَّقْنَا
الْمَلٰٓئِکَۃَ " اس نے ہم پر سے ہماری سبیلوں میں اولاد (سبیلے) پیدا کی - اور
حمد منکر کی ہے - ہمیں ہے - ہے نہ ہمیں - اشراف - اشراف اور

اولاد در اولاد کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نسبتی نسبت نہ ہوں
 کو کہتے ہیں۔ بعض نے پوئے مراد لئے ہیں۔ مگر اگر یہ نسبتی نسبت
 گئی ہے کہ اس سے مراد خدمتدار ہی ہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ
 تمہاری بیویوں سے تمہاری اولاد پیدا کی۔ اور تمہاری خدمتدار بہت
 ہوئے وغیرہ یہی اسدئے مراد لئے جاتے ہیں۔ ان کی خدمت و رزق و معاش
 ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ ”خدمتدار“ مراد راجہ میں ہے۔
 مددگار ہیں۔ ہمارے موجودہ تصور کے مطابق ”نوکر“ نہیں جنہیں انسانیت
 کا درجہ ہی نہیں دیا جاتا۔

ح ف ر

حَفَرٌ مِثْلُ بَيْتِ حَفَرٍ۔ اسی طرح حَفَرٌ مِثْلُ حَفَرٍ۔
 حَفَرٌ مِثْلُ حَفَرٍ کہتے ہیں اور جس حفر سے حفر نکلتا ہے۔
 حَفَرٌ مِثْلُ حَفَرٍ (۱۰۰)۔ آج کل کے حفر کے معنی یہ ہیں کہ
 وہ حفر میں مٹی سے ڈھک دیا جاتا ہے۔ اسی سے حَفَرٌ کہتے ہیں۔
 نہیں ہیں جس پر کھڑی نشان بنا دیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر حفر میں
 مٹی سے حَفَرٌ کہتے ہیں اس واسطے کہ حفر میں مٹی سے
 مٹی اپنی جگہ پر واپس آجائے۔ اسی طرح حفر میں مٹی سے
 مٹی معنی کھدنے کے علاوہ، اولاد اس کے بھی ہیں۔

مورہ سارے میں ہے کہ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ
 وہ لوگ میں سے وہ سب قوت و دولت حائز ہو سکتے ہیں۔
 سب و سب سے حاصل کر رکھتی ہے اور اس طرح وہ سب سے
 جیتے ہیں۔ اس پر وہ اس دولت و قوت کے حصول سے پہلے تھے۔
 ازلے میں اور کہیں ہیں کہ، ذرا ان کی سمجھنا یہ کہہ رہے ہیں کہ
 ہر آدمی کو اپنی حیات میں حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سب لوگ
 مٹی سے حَفَرٌ کہتے ہیں۔ صاحب تسبیح نے کہا ہے کہ حَفَرٌ
 سے کہیں ہیں کہ انہیں حاصل کرنا چاہیے۔
 (Ayon) ہو جاتا ہے۔ یہ سب لوگ حَفَرٌ کہتے ہیں۔
 مٹی، ہر آدمی کی حالت میں صرف ایک ہے۔ یہی حَفَرٌ کہتے ہیں۔

* تاج و راغب - ** راغب - *** لطائف اللغة - **** تاج

[illegible]

نہ صرف وہی فلسفہ میں حکماء اور بزرگ دانشور صاحبان نے صحیح مفہوم سمجھ میں آجائیکا۔

[illegible]

اور اس طرح نمایاں ہو کر سامنے آگیا*۔

[illegible]

* تاج - ** راغب - *** راغب و تاج -

ہیں (۱۰۱)۔ اس کا دین حقیقی ہے (۱۰۲)۔ اور یہ کائنات، حقیقی پس کی بنی ہے (۱۰۳)۔ حیوانیکہ حقیقی^۱۔ من و نیکم وک سے سمجھنا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک ٹھوس تعمیری و نفع کی شکل میں سامنے موجود ہوتا ہے، اس لئے اسے سورۃ ناسخ سے بھی **الْحَقَاقَةُ** کہا گیا ہے۔ (۱۰۴)۔

تصویحات پہلے سے واضح ہے کہ حقیقی^۱ تھوڑی ذہنی، سری، تصور فی، محض عقیدہ کی چیز نہیں۔ بلکہ یہ شہد اور شہادت حسب کے تعمیری نتائج کا نام ہے جو ٹھوس شکل میں سامنے آجائیں اور جو زمانہ کے ترغیبی حوصلے تقاضوں کا ساتھ دیتے ہیں جو اس اور انسانی صلاحیتوں کے لئے رہی دلائل کے محتاج نہ ہوں بلکہ سورج کی طرح اسی ذہنوں آپ ہوں۔ اس دنیا سے متعلق تھوڑی عقیدہ حقیقی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آجائیں۔

قرآن حکیم میں **سَمَاعٌ** نے متعلق ہے کہ وہ بہت حد تک ضروری کے متعلق ہے کہ وہ شہد اور شہادت کی تشریح "مفہوم القرآن" میں مبینی (۱۰۵) کے بعد فرمایا کہ وہ **ذَرِئَتٌ بَرَكَةٌ وَ حُجَّتٌ** (۱۰۶)۔ "وہ اپنے نسرو نما دیئے جانے کے قانون پر عمل کرے اور اسے بدیہی اس کے مضامین گیا ہے۔" اسی طرح اعمال کے نتائج واجب ہو جانے کے لئے حقیقی **عَمَلٌ** (۱۰۷) اور **فَصَحْفٌ عَمَلٌ** (۱۰۸) اور **فَصَحْفٌ** (۱۰۹)۔ اور **فَصَحْفٌ عَمَلٌ** (۱۱۰)۔ یہ حقیقتیں **نُتِجَ السَّمْعُ** (۱۱۱)۔ "اور من کو مخالفین کی دہائیوں سے محفوظ رکھنا چاہیے اور جب ہوتا ہے۔" **حَقِيقٌ** (۱۱۲)۔ مناسب۔ ضروری۔ واجب۔ لازم۔

سَمَاعٌ (۱۱۳)۔ "اور من کو محفوظ رکھنا چاہیے۔" یہ لفظ آیا ہے۔ یہ حقیقی^۱ کے بنیادی معنی ہیں۔

حقیقی^۱ کے ساتھ ساتھ **سَمَاعٌ** کے معنی ہیں۔ کہ دونوں کے لئے یہل سے مفہوم اور نکھر جائے۔

ح ک م

الْحَرَكَةُ (۱۱۴)۔ "اور من کو محفوظ رکھنا چاہیے۔" یہ لفظ آیا ہے۔ یہ حقیقی^۱ کے بنیادی معنی ہیں۔

ادھر ادھر نہ ہونے دے۔ اسے حکمت کہتے ہیں۔ حکمت انفس کے
 معنی ہیں گنہگارے کو استدرج کرنا دینا۔ حیو کہ اس لگام کا کام یہ ہے
 کہ گنہگارے کو سرکش اور بے راہرو ہونے سے روک دے اس لیے حکمت
 انفس کے معنی نہیں ہیں گنہگارے کو روک کر روک دینا اور اس کے ذریعہ قابو میں لیا۔
 حکمت عین الامر کے معنی ہیں اسے اس سے روک دینا۔ منع کر دینا۔
 بن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بعد حق تعالیٰ میں۔ روکنے اور منع کرنے
 کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص روک دیا جائے اس کی خبر خدا کو ہوتی ہے
 جس سے کہ وہ اس پر رحم کرے۔ سی مؤلفہ الحی الامر میں لکھا ہے کہ اس کے
 میں۔ معنی امر ایک کے۔ صرف و واجب کی حد میں رہنے اور اس میں روک
 ان سے کہ نہ بڑھنے۔ یہ کسی کو حکمت کہتے ہیں۔ اس قسم کے۔ حکمت
 کے معنی ہیں قصہ کرنے والا۔ اس قسم کا حکم نہایت واما جس کا ذکر اوپر
 کیا گیا ہے۔ حکمت ہستہ کے معنی ہیں اس کے معنی ہیں اس کے ذریعہ
 اس طرح کا قصہ کہنا۔ حکمت ہستہ اسی سے اس سے کہ اس کے
 صواب اختیار کرنا یا منع۔ ایسا قصہ کرنے والا جسے مؤلف یا مؤلف
 میں قصے کا پورا پورا اصرار ہو۔ قانون نافذ کرنے والا۔ اور
 حکمت ہستہ کے معنی ہیں قصہ میں غلہ و انصاف کو ملحوظ رکھنا۔
 اس طرح کے قصہ کی حد میں رہنے اور کسی کو ان سے تجاوز نہ کرنے
 دینا۔ اس لیے حکمت میں شخص کو ہنس دیتے ہیں جو ہر چیز کو صحیح
 و سب و توازن رکھتا ہے۔ غرض یہ کہ جو شخص اس سے بہت دور ہو
 ل کے۔ نہ ہونے دے۔ معصرت کہ اس طرح سرالحد سے۔ اس طرح کے
 کے کہ حکمت میں اس لیے نہیں دیا کہ وہ بہت دور ہونے کی
 ہون سے روک دے۔ ہون کی صلاح میں حکمت ہستہ کے واسطے کہ ہون کو
 نہ لگے۔ میں قصہ کہنے کی صلاحیت اور پھر اس قصہ کو سننے والے کو
 کی قدرت۔ اسی کو آجکل کی زبان میں حکومت کہتے ہیں۔

حیو کہ حکمت کے معنی ہیں اس کو ایک مقام پر روک دینا۔ اس کے
 میں۔ اور جو چیز ایک مقام پر رکھی جائے اور اس سے نہ ہٹ سکے اس کو
 ہے۔ اس لیے حکمت کے معنی ہیں اس کو ایک مقام پر روک دینا۔ اس کے
 کہ وہ اپنے مقام سے نہ ہلے۔

برکن کردہ کہ حکمت میں اس کے معنی ہیں اس کو ایک مقام پر روک دینا۔ اس کے
 صحیح مقام میں اس کے معنی ہیں اس کو ایک مقام پر روک دینا۔ اس کے
 صحیح مقام میں اس کے معنی ہیں اس کو ایک مقام پر روک دینا۔ اس کے

[illegible]

عام الفاظ میں اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

[illegible]

حصہ آئیکہ شوہر و سر نہ مانگے ہیں ، مُتَحَكِّمٌ کے معنی اس میں جہاں
 پر وہ ہے ۔ اس ۔ حاکم صفت و منصب ۔ بہت والا ۔ وہ آئیکہ ۔ ان میں سے
 متبادل میں مُتَحَكِّمٌ بہت زیادہ ہے اس میں مُتَحَكِّمٌ کے معنی ہونے
 وہ جو مُتَحَكِّمٌ بہت زیادہ شوہر اور مُتَحَكِّمٌ بہت کے معنی ہونے اور جو مُتَحَكِّمٌ بہت
 شوہر ۔ بہتے مُتَحَكِّمٌ اور مُتَحَكِّمٌ بہت ۔ مختلف قسم کی آیات میں ۔ یہ آپ کی
 دو قسمیں ہیں ۔

مستثنایہ کے نمائندہ معنی س - ب - و کے سہول میں درج ہیں -
 یہ خبر صاف میں امداد کے معنی ہوئے ہیں ، دستی جیسی ہوئی - مزید حق میں با شعی
 سے بہت دور موافقت ہو - سہولہ نہ اسی لئے مستثنیہ نہیں ہے جس سے اس سے ایک
 چیز نیر میں وہی جہنی چیز کے ساتھ منسلک نہ کر سہولہ یا جاتا ہے -

[illegible]

[illegible]

اسی جہت سے میں افسوس کرتی ہوں کہ میں نے اپنے سنوں کی طرف سے

رانہ سکر جانے کو اب قریب ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ذُرِّيَّتُكَ أَبْرَأَ مِنْكَ مِنْ دِينِكُمْ
 وَالنِّسَابِ وَأَنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (اور ایک قول میں دین کی اصلاح سے تیرا واسطہ نہیں ہے اور تیرا
 دین اور نسل اللہ کے پاس ہے۔) اب یہاں تک کہ اب اس کی اصلاح سے تیرا واسطہ نہیں ہے۔
 یہ غلت اور حدیث اللہ سے ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث اللہ سے ہے۔ یہ
 یہ بھائی ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔
 اس روز میں ہر ایک کو جو چاہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔
 عورتا آگاہ اس کے وقتوں کو مستحقانہ ہمارے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے۔
 منسوب ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔
 مقصود یہ ہے کہ اس وقت کی اصلاح سے تیرا واسطہ نہیں ہے۔ یہ بھائی کی حدیث ہے۔
 ن سوری رضامندی کے ساتھ ہوا ہے۔ اس نے ضروری ہو گیا ہے۔ اس نے ضروری ہو گیا ہے۔

سے وہ نتیجہ لازمی طور پر نکلا، چاہئے۔ اس لئے کہ نہ نتیجہ بنی خود خدا
 ہی کا بند، ہوئے جو پہلی غلطی نہیں ہو سکتی۔ دین (وہ راقی نظام) میں ہر
 کام متعین ہے جہ سے ہر کام چلا جاتا ہے۔ یہ مقصد ہے کہ کتاب کے
 ساتھ حکمت کے، مَنَزَلِ مَبْنُوتِ کُلِّ شَيْءٍ کا افسر دیکھ کر عنوان ک۔ ت۔ ب۔
 حکمتاً سے مراد وہ قدرت فیصلہ (یا فہم) بنی ہے جو تمام انسانوں
 کو حاصل ہوتی ہے، وہی وحی کے پھر سہارہ فیصلہ میں۔ حضرت موسیٰ کے کہ میں
 ہے کہ وَلَکُمْ بِرَبِّکُمْ آیَاتٌ وَاسْمُکُمْ کَلِمَاتٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۱۰۱)
 جب وہ اسی وحی کو سمجھ اور اس کے قوت میں خدا کی آگے تو وہ نے اسے
 حکم (فہم) کہ وہ (تو) فیصلہ (یا فہم) بنی ہے وہی وہی ہے۔
 یہ یہ بہت مختصر و سلیس ہے کہ یہی ہے۔ اس لئے اس
 میں مراد وہ حِکْمَتٌ کہ وہی ہے جو وحی کے ذریعے بنی ہے۔ یہ وہ حکمت ہے
 جس کے بعد بنی فیصلہ خدا ہے۔ کہ خدا کے یہی حکم بنا انسانوں
 کو، کتب کے طرح اور اسموں، زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق،
 متعین کیا جائے اور اس کے انہی حکم کو مزید سر جہاں کرنے کے لئے
 کہ اندازِ تعبیر اختیار کیا جائے۔ یہ مختلف احکام میں سے کس کو مقدم
 اور کس کو مسخر کیا جائے، یہ مادی حکمتیں نہیں، فہم، فراست سے بعض
 رہتی ہیں اور اس حِکْمَتِ مَدَنی سے لگ ہیں جو مرنے و رہنے کے امور میں اور
 جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ یہی کرم کے معنی قرآن کریم میں ہے یَسْمَعُوا
 عَمَلِهِمْ بِنَافِیْهِمْ وَ تَزَكَّیْهِمْ وَ یُعْمَلْ لَهُمْ الشَّيْءُ الْمُنَافِی
 وَ الْحِکْمَةُ (۱۰۱)۔ اس میں حالات آیات۔ تزیین۔ معنی کتاب و
 تعمير حکمت، اداروں کے ایک ایک چیزیں ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ رسول
 ایک قرآن فوائد اور ان کی جامع کی تعلیم دے جو قرآن کریم کے امور
 میں۔ اور اس نظام کی عملی تسکین کے سلسلہ میں ابہت میں حکمتیں اس کے
 علاوہ ہمارے اور اس طرح حکم خداوندی کے مناسب انصاف و یہ تعلیم و
 تاخیر و تدریج کے مقصد سے ہے۔ اس تعلیم حکمت سے متعلقہ یہ سکھانے
 مقصود ہوتا ہے کہ وہ بھی مختلف ادوار و حالات میں اسی طرح کی حکمتیں
 (مذہب کی باتیں) کام میں لائے۔ ہر آن کریم کی میں درجہ حکمت تو اس کے
 فوائد (مطرح) غیر مہذب ہوگی بہ کن یہ حکمت عقل و فراست سے معنی ہوتی ہے
 تغیر حالات سے بدلتی رہیگی۔

حکومت۔ قرآن کے یہ کہ اصل اصول یہ ہے کہ نہ کسی انسان کو اس کے
 حق حاصل نہ ہو کہ وہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے، خواہ اس کے

معنی ہاں کٹ دینے کے کٹے ہیں۔ *۔ اَلْحَدِثُ۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جمال سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ *۔ اس کے اندرونی حصہ کو حُلَّتُوم کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں مُحَلِّقِیْمَیْنِ رُءُوءِ سَکِّمِ (۲۸) آیا ہے۔ یعنی سر ہلانے والے اور حُلَّتُوم کا لفظ (۲۸) میں بمعنی حلق آیا ہے۔

مومنانا عبید اللہ سے۔ مئی سے لکھا ہے کہ "سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد میں
پیشانی کے بال مٹا دے سمجھے جاتے تھے جیسے سبکچوں میں کبیر، اور ہندوؤں
کے ہاں "بودی" (جوڑی) رکھنی۔ اہل عرب بال رکھتے اور نہایت عزت سے ان
کی پرورش کرتے تھے اور پھر ان کو حج کے ایام میں منیٰ میں منوائے
تھے۔ اور بد مذہبوں کو ان کے برابر سمجھا جاتا تھا" ***۔

ح ل ل

حک - نے اصرار سے گروہ کیسولنس کے ہیں۔ وَاَحْمِلُ عَثْرَةَ
مِنْ لَيْسَانِي (۲۰)۔ "مہری زبان کی گروہ کیسولنس"۔ اسی طرح جب کسی
جہی ہفتی چہرہ سر گر لا ذیہ جائے نواستہ ہفتی حیل کہہ رہے ہیں۔ یعنی اس
کی گروہ کنوں گئی۔ اور وہ حق ہو گئی۔ مکے بعد حیل تَحْمِلُکَ کے معنی ہو
گئے کسی جگہ اترونا اور قیام کرنا۔ راضی نے کہا ہے کہ یہ دراصل حیل
الْاَحْمَالِ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہمیں سامان کی رسیوں کی گروہ کہوں
اسے وٹوں پر سے اتار لینا۔ حِلَّہ کسی کے ساتھ اترونا۔ قیام کرنا۔ اس سے
حَمْلٌ ہے جس کے معنی خاوند کے ہمیں اور حَمْلٌ کے معنی سوی۔
کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی مکان میں اڑھتے ہیں۔ بنا ایک
دوسرے کے لئے حلال ہیں۔ ثَرَانٌ گروہ میں حَمْلٌ تَحْمِلُکَ کے لئے
(۲۱)۔ حَمْلٌ جمع ہے حَمْلٌ کی۔ یعنی نمبر کے۔ ثَرَانٌ۔
تَحْمِلٌ۔ قوم کی منزل۔ تَحْمِلٌ۔ اتری ہوئی قوم۔ تَحْمِلٌ۔
جوزا (کمزوں) جس میں غریب فہمیں، ازار، حمار بنا عہدہ، خوتہ ہے۔ یہ
غندہ تَحْمِلٌ کے لئے بھی حَمْلٌ۔ تَحْمِلٌ۔ حرم کے حَمْلٌ سے
باہر کی حَمْلہ۔ تَحْمِلٌ۔ وہ چہرہ جس سے مسوں کا تَحْمِلہ ڈال کر ہے اور
اس طرح قسبوں کی گروہ کسی کوئی جائے حکم۔ تَحْمِلٌ۔ تَحْمِلٌ۔
خدا کا امر واجب ہو گیا۔ عباد میں ہے تَحْمِلٌ کے معنی واجب ہوئے
کے ہونے میں اور تَحْمِلٌ کے معنی نازل ہونے اترونے کے۔

* تاج - ** راغب - *** مولانا سندھی کی تفسیر المقام المحمود - ص ۱۳۶

زبور سے حیڑا (بنیاد) - حیڑت (ریشہ) - آرائش کی حمز - نَسَّخْتُ خُورَ جُورًا مِیْنَهُ
مِیْنَتَهُ (۱۱۱) - کہ سمندر میں آرائش کی حمزوں (موقوف و غیرہ) نکالتے ہو۔
حَمَزٌ عَنِ النَّجْمِ مِیْنَتُهُ - اس سے غور نو زبور پہنچا۔ * - نَجَّسْتُوْنِ فِرْعَوْنًا۔
..... (۱۱۲) - "نہیں وہ ان ریش و زبائش کی حمزوں پہنچائی جب تمہاری" - اس
کے بنیادی معنی تحسین و آرائش کے ہیں (ابن فارس)۔

ح م ا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ اَلْحَمْدُ - سدا بہبودار کے حمز - خراب بگڑی ہوئی مٹی -
حَمِیْیٌ - نماء - مٹی سپردہ - بودار کے حمز کے مینے کی وجہ سے گدلا اور بودار
سدا ایسا مٹی یا ایسے مٹی والی جگہ حَمِیْیٌ - کم - لا بُدگی - مِیْنَتِ حَمِیْیَةٍ -
قرآن کریم نے انسانی تخیل کے ابتدائی مراحل کے معنی کہا ہے کہ خَلَقَ
اَلْاِنْسَانَ مِیْنَ صَلْبٍ مِیْنِ حَمَیْیٍ وَ سَنَّوْنِ (۱۱۳) - سدا متغیر شدہ
مٹی کے اوپر - حُر - بڑی سی جھجھکے، تخیلی انسانی کی ابتدا خدا نے اس سے
کی - اسی کو طِیْنٌ تَلَازِبِ (۱۱۴) کہا گیا ہے - اس سے منسوب یہ ہے کہ
زندگی کے اوہن جرنومہ (Life Cycle) کی نمود ہوتی اور مٹی کے امتزاج سے حیوی -
تخصیص اس اجل کی مری کتب "انس و آدم" میں ملتی ہے۔

قرآن کریم نے پتھر اسودہ نو عَمَلٌ حَمِیْیَةٍ (۱۱۵) کے الفاظ سے
متعارف کرایا ہے۔

نوٹ : عنوان ح - م - ی کا آخری حصہ بھی دیکھئے۔

ح د

حَمْدٌ - کسی نہایت حسن - مناسب - نادر - نادر - یہ کہ قرآن
کے دل میں تحسین و ستائش (بِیْنَتِ حَمْدٍ) کے حروف - ح - د - ت - ن
کے نام رک نام حمد ہے جس میں مقصد اس شکر کے حشر کی سمب ورنری
کا اعتراف کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے حمد - ستائش - ح - د - ت - ن
محیط نے یوں بیان کیا ہے۔

(۱) جس حمد - ن و رعنائی اور - ستائش کی حمد - ستائش ہے وہ
ایک خدا ربی حمد اور محسوس سے شوقی - شائعی - حمد ہے - حمد - ستائش
و حمد - ستائش - صفات محمودہ و غیرہ - انگریز - حمد - ستائش - حمد - ستائش
* تاج - ** تاج و محیط و راغب -

[illegible]

یہ سرشی مہم اور نادر ہے۔ "منی خدائے اپنے فوائین کی امانت کی امانت
موجودہ راجی کائنات کے سرور اس نے اس میں کسی قسم کی ضمانت نہیں
کی۔ تمام امانت اپنے فرائض مغفوتہ کی تکمیل میں سرگرداں رہنی ہے۔
نیلان میں نہیں جہاں انہوں نے دیکھا ہے اس میں ضمانت نہ رہتی ہے۔ اسکی
ساعت نہیں گزرتی۔ یہ بڑا نادر ہے اور اسنے آپ پر زیادتی کرتا ہے۔

[illegible]

عزیز اعرف کی ایک آیت میں کہا ہے کہ اپنے جنابت کا اتباع کرنے
 میں کی منزل "مَنْ بَرَّ بَيْنَ نَجَسٍ عَيْنٍ مِّنْهُ" اور
 "مَنْ بَرَّ بَيْنَ نَجَسٍ عَيْنٍ مِّنْهُ" کے معنی کسی کو جلا کر
 دلائے گا جس نے نہ نہت کے معنی یہ ہوئے کہ جس کی یہ حالت ہے
 کہ اگر وہ جلا کر (دورا دور) نکال دے تب بھی وہ نہت
 رہے اور اس سے بڑھے ہی چھوڑ دے تب بھی وہ نہت رہے۔ اسے کسی نہت
 میں بھی نہت اور نہت میں نہت۔ یہ "مَنْ بَرَّ بَيْنَ نَجَسٍ عَيْنٍ مِّنْهُ"

وہ اس لئے کہ سن سے بڑے عمر سے اپنے اپنے اور بہت کم سوں کے ذریعہ دار
سمجھتا ہے۔ یعنی اکثر اس سے کسی حکم کی مخالفت و رزی شروع ہے
وہ وہ مجرم ٹوٹا جاتا ہے۔ اور اس سے اور کچھ کے لئے ہے۔
باز رکھنے کے ہیں۔

اور ان میں سے ایک حدیث میں ہے کہ "وَمَا يَسْتَأْذِنُ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ أَن يَحْبِسَ سُنَّتِي"۔ یعنی جو شخص کسی کو روکے اس کی سنت سے
بغیر اس کی اجازت سے اس کی سنت سے روکے اس کے لئے ہے۔
ض غ ث۔ بھئی دیکھئے)

ح ن ج ر

الْحَبَشَةُ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ
اس نے اسے ذبح کر دیا۔

ح ن ذ

الْحَبَشَةُ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ
اس نے اسے ذبح کر دیا۔
ہوئی تک رہا۔ اور اس سے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
کسی چیز کو پکا دینا۔

سورہ بقرہ میں ہے کہ "وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَجْعَلْ لَّهِ
حَسْبًا"۔ یعنی جو شخص ایسا کرے۔

ح ن ف

الْحَبَشَةُ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ جُرُفٌ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ
شواہد میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص اس سے بڑے عمر سے اپنے
سمجھتا ہے۔ یعنی اکثر اس سے کسی حکم کی مخالفت و رزی شروع ہے
وہ وہ مجرم ٹوٹا جاتا ہے۔ اور اس سے اور کچھ کے لئے ہے۔
باز رکھنے کے ہیں۔
اور ان میں سے ایک حدیث میں ہے کہ "وَمَا يَسْتَأْذِنُ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ أَن يَحْبِسَ سُنَّتِي"۔ یعنی جو شخص کسی کو روکے اس کی سنت سے
بغیر اس کی اجازت سے اس کی سنت سے روکے اس کے لئے ہے۔
ض غ ث۔ بھئی دیکھئے)

[illegible][illegible]

ح ن ک

تجارت کے لئے بعض نے کہا ہے کہ وہ مذہب کے اندر رہنے سے بہتر ہے۔ لیکن دوسروں نے کہا ہے کہ یہ مذہب کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے ہے۔ اس لئے کہ جو شخص مذہب کے نام پر اپنی زندگی بھر کا وقت صرف کر دے، وہ اپنے آپ کو کسی اور چیز سے محروم کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ مذہب انسان کو بہتر بناتا ہے، مگر اس کی وجہ سے انسان کو کئی چیزیں بھی یاد دلانی پڑتی ہیں۔

اسکی ٹھوڑی کے نچلے حصہ میں تکلیف محسوس ہو**

[illegible]

* تاج - محیط - راغب - ** تاج نیز ابن فارس -

[illegible]

میں نے ان کے لئے ایک نیا گھر بنوا دیا۔ وہاں ان کو رہنے دیا۔
ان کے پاس سے ہر روز دو بار گزرتا تھا۔ ان کے پاس سے
وہی نکلتے تھے اور فرما دیتے تھے کہ "ابھی میں ابھی تمہاری
خیر خواہی سے مراد ہے۔ یہاں سے جو لوگ نکلتے ہیں وہ
سب خیر خواہ ہیں۔ ان کی ساری باتیں اچھی ہیں اور ان کی
سوچیں بھی اچھی ہیں۔ ان کی سوچیں اچھی ہیں۔"

(میں ملیکی)

555

۱۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۲۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۳۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۴۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۵۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۶۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۷۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۸۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۹۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔
 ۱۰۔ میری حقارت سے میری عزت بڑھ جائے گی۔

سوز و گداز کی جھلک پائی جاتی ہے۔

• تاج و راغب

[illegible]

二五

[illegible]

اپنی حالت میں رہے۔ کہ اس میں شوق وغیرہ واقع ہو جائے اسے حالت
 شوقی کہتے ہیں۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی حالت میں غصہ
 اور غم ہے۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی حالت میں غم
 اس زمانہ میں بھی رہتا ہے جس میں شوق سے اس کی فصل نہ ہوئی تھی۔ اور وہ
 اس طرح شوقی بھی نہ ہوئے۔ یہ ہے اپنی حالت میں رہے۔ اور جب
 کے لئے کہ "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 اس کی حالت میں رہے۔ اس سے "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 میں۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 رہا۔ اس کی حالت میں رہے۔ اس کی حالت میں رہے۔ اس کی حالت میں رہے۔
 زمانہ کے تغیرات کو کہتے ہیں۔ اس سے "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 یہ خود اس کے نفس میں جو رہتا ہے۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 میں۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 کے معنی زوال، انفعال کے بھی ہیں۔ (اس میں بھی حالت کے بدلنے کا یہودی
 موجود ہے)۔ اس میں رہے۔ کہ اس کے "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 کے ہیں۔

نردش کے لغت میں "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 نردش سے وضع ہوا ہے۔ مثلاً "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 ایک "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 ہو جائے۔

"وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کے معنی ارد گرد کے جی سے ہیں۔ "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کے
 معنی چیز کا کفارہ یا صرف ہیں۔ "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" اور "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ"
 سے مراد وہ صرف ہیں جو تہذیب کے لئے شوقی ہیں۔ "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" سے
 "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کے معنی ہیں۔ "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کے معنی ہیں۔
 جدا ہونے کے اعتبار سے، جو چیز کو چیزوں کے درمیان سے جدا کرنے سے
 "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔ اس کی حالت میں غم
 تبدیل کر دینے سے اسے دیگر گروں کو دینے، زینتیں اور دینے کے لئے "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔
 اس کی حالت میں رہے۔ اور اس طرح اس کے معنی دیگر گروں کو جدا
 ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا۔ یہی "وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ" کہتے ہیں۔

کے لئے جس ایک نہرو کو دوسری نہر کی طرف مٹا دینا۔ جس کے معنی
جس دو مہر جس حوالوں کے ایک جگہ جمع ہو جائے۔ ممکن ہے اس
جگہ پر اپنے تئیں جمع رہے یہ نہ ہو۔

حزقِ ساقی کے معنی وہ خاصیت، شہادت اور ثبوت ہے جس میں - نیز یہ ہونے
کی سبب ہر جہاں اور ہر جگہ سے - وہیں پہنچے ہیں - اُنہی میں ہر جہاں پہنچنے وغیرہ
کی جگہ سے ایسے حقائق پہنچے ہیں - نیز میں - جسے انہی میں جس کے سم-ارک
ہر جہاں پہنچے ہیں -

[illegible][illegible]

995

۱۔ بڑی بات - بڑی بات - "گہری سوزی - رشتے کے رشتے سے رنگ -
میں سرخس میں ہاتھ پہنچا ہے - میرا اوتار - زمین پر مہینہ

[illegible]

ح و ی

”حَمُولٌ“ - ہر چیز کی گونائی گونائی ہے۔ (گول ہونے والی)

”حَب“ - جمع حَبَوَاتٍ، یعنی انبیاؑ۔ (۱۔ ۲)

”حَمُولٌ“ - ”حَمُولٌ“ - ہر چیز کی گونائی گونائی ہے۔ (گول ہونے والی)

”حَمُولٌ“ - اس کا احاطہ کر لیا۔ (اسے تلخہ میں رکھ دیا)۔ (ابن فارس نے کہا ہے)

”نہ اس کے پیچھے معنی جمع کرنے کے شیعے ہیں۔“

ح یث

”حَبَابٌ“ - جس طرح حَبَابٌ (زمہ) پر دلالت کرتا ہے، ”حَبَابٌ“ -

اسی طرح حَبَابٌ (زمہ) پر دلالت کرتا ہے۔ (یعنی ”حَبَابٌ“ - بہکانے والی)

”حَبَابٌ“ - اس کا احاطہ کر لیا۔ (اسے تلخہ میں رکھ دیا)۔ (ابن فارس نے کہا ہے)

”حَبَابٌ“ کے معنی ”حَبَابٌ“ بنی ہوئے ہیں۔

”حَبَابٌ“ - سورہ بقرہ میں ہے ”فَلْيَسْمَعُوا أَصْوَابَهُمْ“ (۱۔ ۲)۔ تم جب

”حَبَابٌ“ یا ”حَبَابٌ“ سے ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ کی کیفیت یہ ہوئی کہ اس میں ہر فرد کو وہی کیفیت

ہو جائے۔ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

ح ی د

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

”حَبَابٌ“ - ”حَبَابٌ“ (۱۔ ۲)۔ ”حَبَابٌ“ کے معنی میں ہے۔ (۱۔ ۲)

* تاج * تاج - صاحب محیط نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

مذنیہ تجبر کا سمہو بنی ہوتا ہے۔ اَلْمَحْيِصُ - ہٹنے کی جگہ۔ ایک طرف کو ہو جانے اور بہک جانے کی جگہ۔ وَلَا يَجِيءُ وَاَنْ عَمَّيْتُ مَحْيِصًا (۱۲۱)۔ "وہ اس سے بھٹ کر جانے کی کوئی جگہ نہ پائینگے" وہ فرار ہو کر پناہ گاہ نہیں پائینگے۔

ایک طرف کو ہٹ جانے کے اعتبار سے اَلْمَحْيِصُ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ دوسری سے چھوٹی ہو۔ (حْيِصٌ بَيِّنٌ كَيْ مَعْنَى شَيْءٌ دُشِي بَاتٌ لَا نَهَايَتَ لَهَا مِنْ مَبْهُمٍ هُوَ جَانِبٌ - سخت الجھڑ)۔

ح ی ض

حَاضِ التَّسْمِیْنِ - سلاطین خوب بڑھ گیا اور اس کا سانی چڑھنا اور سمہ نکلا۔ دراصل اس لفظ کے معنی بہنے اور جاری ہونے کے ہیں۔ حَاضَتْ التَّسْمِیْنِ - عورت کے ماشوری خون کا جاری ہونا۔ اَلْمَحِضُ (۲۲۲)۔ حَاضٌ - جاری ہونا، حاض کا خون، حیض کے ایام یا موضع حیض (جہاں سے حیض کا خون برآمد ہوتا ہے) لیکن یہ لفظ خود حیض کے لئے بھی آتا ہے (۱۲۱)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ بہنے کے درخت سے جو سرخ رنگ کا - فی نرسا ہے اس کے لئے حَاضَتْ التَّسْمِیْنِ کہتے ہیں۔ تاج نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔ حَاضَتْ، تَحْيِصُ - حاضضہ ہونا۔ وَ اَنْبِیَیْ سَمَیْ حَیْضُ (۱۲۱)۔ وہ عورتیں جنہیں کسی وجہ سے حیض نہ آسکا ہو (یعنی عمر کے لحاظ سے نہیں حیض آن چاہئے تھا لیکن کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہیں آسکا)۔

ح ی ف

اَلْحِیْفُ - تیز رفتاری سے ہٹنے والے کو کہتے ہیں۔ اَلْحِیْفُ مِیْنِ اَلْجَبَلِ - پہاڑ کا ایک طرف نکلا ہوا ٹنڈرہ۔ اَلْحِیْفُ - کنارہ - جانب - پہلو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھکنا اور میلان کے ہیں۔ اَلْحِیْفُ - فیصلہ کرنے میں ایک طرف کو جھک جانا۔ اَلْحِیْفُ ذَرٌّ - ضمیمہ و زید ذی - حَاْفٌ عَمَّیْنِ - سر برضمہ و زید ذی کی - قرآن حکریم میں ہے اَمْ یَسْتَفْزِیْنِ اَنْ یَّحْمِیْمَ اَلْحِیْمِیْمَ وَ یَسْتَفْزِیْمَ - وہ کہتے ہیں کہ انہیں اس زار ہے کہ خدا اور اس کا رسول فیصلہ کرنے میں غریبی سے غلط ہے ان کا یہ اندیشہ)۔

* تاج - ** راغب - *** تاج و محیط - **** تاج و محیط و راغب

ح ی ق

حَقَّ بِهِ النَّسَبُ "بہ نسبت کسی چیز نے اسے گھیر لیا۔" وَحَقَّ بِهِ لِرَفِيعَتِهِمْ السُّوءُ "الْعَذَابِ (۳۰)۔" بدترین عذاب نے قوم فرعون کو گھیر لیا۔ انسانی اعمال کے نتائج جس طرح اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ ان کے اندر سے بچ نہیں سکتا، اُسکے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ فَحَقَّ بِهِ شَرٌّ مِنْ سَخِرَ مِنْكُمْ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَكْبِرُونَ (۳۱)۔ "جو لوگ ان میں سے پیغمبر خداوندی کا تمسخر اڑاتے تھے، انہیں اُس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑا رہے تھے۔" یعنی ان کے اعمال کے نتائج نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان فرس نے کہا ہے کہ اس کے پس منظر میں ایک چیز کا دوسری چیز پر چھنا جانا۔ اس کے اوپر آکر بیٹھ جانا اور دھک جانا۔

ح ی ن

"لِحَيْثُ"۔ "میں زمانہ اور وقت کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ وقت طویل ہو۔" قصر۔ (اگر ہو یا زیادہ)۔ "عمری زمان میں حِیْثُ" کا اطلاق ایک لمحہ سے لے کر لامتناہی حد تک ہونا ہے۔ راغب نے کہا ہے کہ حِیْثُ "اس وقت کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہنچے اور حاصل ہو جائے۔ یہ وقت مبہم ہوتا ہے اور اس وقت معین و مخصوص ہو جاتا ہے جب اس کے بعد مضاف الیہ آجائے۔ حَتَّانَ الْاَنْتَوْمُ" کے معنی ہیں قوم جو کچھ چاہتی تھی اس کے حاصل ہونے کا وقت آگ۔ حِیْثُ کے معنی موت کے بڑی آتے ہیں۔ اور جب دو چیزوں کا بعد بننا ہو، یعنی یہ بتانا ہو کہ ایک کام کے بعد دوسرا ہوا، تو اس کے بعد "ذَٰ" کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ حِیْثُ مَمْلَآءٌ اَنْتُمْ حِیْثُمَا یَنْتَبِیْ حِیْثُ رَوْنِ (۳۲)۔ "یعنی جس وقت جان نکلنے کے لئے حق تک پہنچتی ہے اس وقت، اس حالت کے بعد، تم اسے دیکھ رہے ہوئے ہو۔"

نَرَانِ کَرِیْمِ میں ہے کَلَامَ حِیْثُ مَمْلَآءٌ اَنْتُمْ۔ یہاں کَلَامَ کے بعد مضاف مضاف الیہ ہے۔ کَلَامَ کے معنی ہیں یہ وقت بے نیاگ نکلنے کا وقت نہیں ہے۔ حِیْثُ مَمْلَآءٌ۔ اس کے لئے وقت مقرر کیا۔

سورہ بقرہ میں ہے وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُمْسِكَتٌ رَوْقٌ مَتَاعٌ "السی حِیْثُ (۳۳)۔ اس کے یہ معنی ہونگے کہ تمہیں زمین پر پھیلنے والے اور اس سے

[illegible]

۱۔ حسن۔ دراز لب و روبرو نہ ہوں۔ حسنہ۔ حسنہ۔ حسنہ۔
اسے پاک کر دیا۔ اسی طرح میں نے اسے پاک کر دیا۔

ح ی ی

[illegible][illegible]

* تاج - ** راغب بحوالہ تاج

ہیں ، مگر سو سے میں کسی قسم کا بے پروا اور غور نہیں کرتا وہ اس قسم کی
مثال کے لئے کہ جس کی معنی میں اس میں کوئی اور نہیں ہے اس لئے کہ اس کی
کے لئے ہر چیز اور ہر شے کے لئے ہیں کہ ان میں زمین کی حساب
وہ جس کی معنی میں اس کی معنی میں اس کی معنی میں اس کی معنی میں

حیات سبقت کے معنی میں اس کے لئے خود کو قربان کرنا، درازی سے
 رک رک کر یا ذرا ذرا کرنا۔ سارا کرنا۔ نتیجہات کا لفظ درجہ اول
 میں درجہ اول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نیز ہر قسم کی ساری اور فیوں
 سے محفوظ رہنے کے لئے۔ ان کے معنی زندگی میں۔ سارا کرنا کے معنی
 میں درجہ اول کے لئے (کے) ساری کرنا کے معنی میں۔ نتیجہات کے لئے۔
 ۱۔ سبقت بعض بڑے منفعات کے پیش میں ایسے معنیوں میں بھی آئے ہیں۔
 سبقت سبقت کے لئے درجہ اول کے لئے۔ جب تک کہ سبقت کے معنی میں
 کے معنی میں درجہ اول کے لئے۔ واضح ہو کہ اور سبقت کے معنی میں
 درجہ اول کے لئے۔

۱۔ کربم میں حیاتِ خرویدی کے لئے وقت و گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۲۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۳۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۴۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۵۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۶۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۷۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۸۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۹۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی
 ۱۰۔ اس آیت میں حیاتِ خرویدی کے لئے گت سے شرف و لا خیر نہ سمی

حکومت - آگے پیش رفت منظم و جلد کر دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اس سے روکے گا تو اس کی ہڈیوں کو توڑ دیا جائے گا۔

جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے قرآن کریم ان کی محض طبیعی زندگی (Physic) کو مددگار نہیں قرار دیتا۔ اس کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جس میں صرف انسانیت کے لیے ہو۔ جس میں انسان ہوائیں خراباوندی کی روشنی میں عام و شغل سے کم کر اپنی ذات کی نشو و نما کرتا جلا جائے۔ "حیات الدنئیہ" سے مراد ہے مفاد شادیہ۔ پیش پنا افتادہ مفاد۔ فوری عیش و عشرت۔ محض فوری فائدے۔ حقیقی وہ زندگی جس میں مستقبل پر کوئی نگاہ نہ ہو۔ حقیقی زندگی جس میں انسان حیوانی سطح (Animal Level) پر دن بسر کرتا رہے۔ نہ میں زندگی میں مستقبل کی درخشندگی پر نگاہ رکھتا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد مستقبل کی بات پر غور رکھتا ہے۔ انجمنہ "اندنیہ" ہے۔ قرآن کریم میں انجمنہ دنیا اور حیات آخرت کی اہم اصطلاحات کا مفہوم سمجھنے کے لئے ان معانی پر سب سے نظر رکھنا چاہئے۔ نیز اس حقیقت کو بھی کہ جس طرح ہمارے دل (اردو) میں۔ اور اسی طرح دنیا کی دیگر زبانوں میں (زندگی سے مراد صرف زندہ رہنا یا سانس لینا) اور موت سے مراد محض مرجعہ (نفس کی آمودہ کا بند ہو جانا) نہیں بلکہ ان الفاظ کے معانی بہت وسیع ہیں۔ اسی طرح عربی زبان اور عربی قرآن کریم میں (بہی بہ الفاء وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر مفہوم پر (نفس مضمون کے اعتبار سے) دیکھنا چاہئے کہ وہاں کون سے معانی زیادہ موزوں ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں قوم مردہ ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے فرد بہروں میں دفن ہو چکے ہیں۔ اور جب کہتے ہیں کہ اس قوم کا شمار زندہ قوموں میں ہوتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس کے افراد سانس لیتے ہیں۔ مردہ اقوام اور زندہ قوم کا مفہوم واضح ہے۔ اسی طرح یہ الفاظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ النعم میں ہے "أَوَلَمْ يَكُنْ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ" و "حَيَّيْنَاهُ لَعَلَّ نُبُورًا" بتفسیری "بیدار فی النعاس۔۔۔۔۔ (میت)۔" اور "کنا وہ جو مردہ ہو۔ پھر اسے ہم زندہ کر دیں اور اسے ایسی روشنی عطا کر دیں جس سے وہ لوگوں میں جمے۔۔۔۔۔"۔ ملاحظہ ہے کہ یہاں موت اور حیات سے مراد صبعی موت اور زندگی نہیں بلکہ گمراہی اور ہدایت ہے۔ موت اور حیات کے معانی کے اس فرق کو ہر مذہب پر مسیحوں و ہندو چاہئے۔ حضرات انبیاء کریم اقوام مردہ کو ایسی زندگی عطا کرنے کے لئے آتے تھے جو انہیں دنیا بند کی سرفرازیں عطا کر دے۔ (۱)۔ یہ زندگی اب قرآن کریم کی رو سے مل سکتی ہے لیکن صرف اسے جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو (۲)۔ اور جو تباہیوں سے بچتا ہو (۳)۔

5

خ ب ا

خَبَابُ - يَخْبَبُوهُ - خَبَابٌ - خَبَابٌ - چھٹا - سودہ میں رکھنا - بن فرس نے
 کہا ہے کہ یہی اس کے پسندی میں ہیں - اَمْرٌ ذُو خَبَابٍ - خانہ نشین
 مورخ جو گھر سے باہر نہ نکلتی ہو - اَلْخَبَابِيَّةُ - بیچ کے وہ دانے جو ہر انسان
 زمین کے اندر چھپا لیتا ہے - قبرت کے خزانے جو اس نے زمین میں چھپا رکھے
 ہیں - اَلْخَبَابُ - ذخیرہ کی ہوئی اور چھپائی ہوئی چیز -
 مَرَّانٌ مَرِيحٌ فِي اَلْخَبَابِ - اَلْخَبَابُ - اَلْخَبَابُ - اَلْخَبَابُ - اَلْخَبَابُ -
 رات کی پسندوں اور پسندوں کے اندر چھپے ہوئے خزانے - ان کی مستحضر ہوں
 اور مفسر ہوں - ان کے اندر ہونے والے خزانے -

رشپت

”حُبَّت“۔ نشیبی زمین جو وسیع بھی ہو۔ * - وسیع میدان جس میں نشیب
 نہ ہو۔ (ابن فارس) اَحْبَت - وہ نشیبی زمین میں پہنچا، اس کے بعد
 یہ مذکر نرہ خشک، نواضع ورجٹھک جانے، اصاعب کرنے نیز مضمون ہوئے
 نے۔ معنوں میں استعمال ہوئے۔

ہر ایک کو یہ دیکھ کر حیرت و شگفتگی ہوئی کہ وہ کون سا شخص ہے جو اس قدر بڑا ہے۔
 اس نے کہا کہ یہ ایک عظیم الشان شخص ہے جس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان
 کام کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ایک عظیم الشان شخص ہے جس نے اپنے لیے
 ایک عظیم الشان کام کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ایک عظیم الشان شخص ہے
 جس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان کام کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ایک عظیم
 الشان شخص ہے جس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان کام کیا ہے۔ اس نے کہا کہ
 یہ ایک عظیم الشان شخص ہے جس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان کام کیا ہے۔

خ ب ر

خَبَرٌ - جمع خَبَرٌ (۱) اور نَبَأٌ (۲) میں فرق یہ ہے کہ نَبَأٌ کسی چیز کے بارے میں خبر کے معنی میں ہے اور خَبَرٌ عام واقعات کے متعلق۔
 خبر کے معنی میں ہے کہ خَبَرٌ صرف اور لغت میں اس بات کو کہتے ہیں جس کو کسی دوسرے سے خبر کی حالت میں ملے۔ لیکن قرآن حکیم میں یہ الفاظ اس اختلاف کے ساتھ نہیں آئے۔ مشرب میں "لے" سے اٹل سے نَبَأٌ کہہ دیا گیا ہے۔
 خَبَرٌ کسی شے کا نَبَأٌ مِثْلُہَا (۱) اور خَبَرٌ (۲) اس سے تہہ ہارے میں خبر کا لفظ ہے۔

خَبَرٌ - خبر کو جس سے یا رکھنے والا۔ یا خبر دینے والا۔
 قرآن میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ وَكَانَ يَسْمَعُ
 - خَبَرَہُ (۱)۔ "جو زحمت کرے اور اللہ اس سے باخبر ہے۔"
 خَبَرٌ کے معنی بھی کسی چیز کے خَبَر کے ہیں۔ (۲)۔ محیط میں
 ہے کہ اس وقت کو دھناتے جو تجرہ کی بنا پر ہو۔

خَبَرٌ اس سے مادہ کے بنیادی معنی عام بتائے ہیں۔ اس اعتبار سے
 خَبَرٌ کے بنیادی معنی اور وقت ضروری ہے۔

خ ب ز

خَبَرٌ - (۱)۔ اس معنی اس مادہ میں مارنے اور دفع کرنے
 کے لیے ہے۔ خَبَرٌ (۲) کے معنی مارنے میں اونٹ کا زمین پر ہمارے
 مارنے۔ خَبَرٌ (۳) اس طرح ہمارے سے ہٹنے کے لیے اسے خَبَرٌ
 کہتے ہیں۔ یا اس سے کہہ دوئی سے ہٹو کر مرق اور دفع مرقی ہے۔ کہیں
 کسی اس لفظ کا استعمال اس چیز کو کرنا ہے جسے انسان کہے یا
 معنی اسے اصرار کرتے ہیں۔ جسے ہمارے ہمارے ہمارے کہتے ہیں۔
 "اس میں سے اور روئی کا ہے" تو اس کے معنی رزق۔ معیشت ہی کے
 معنی ہیں۔

خ ب ط

خَبَرٌ - (۱)۔ اس معنی اس مادہ میں مارنے اور دفع کرنے
 کے لیے ہے۔ خَبَرٌ (۲) کے معنی مارنے میں اونٹ کا زمین پر ہمارے
 مارنے۔ خَبَرٌ (۳) اس طرح ہمارے سے ہٹنے کے لیے اسے خَبَرٌ
 کہتے ہیں۔ یا اس سے کہہ دوئی سے ہٹو کر مرق اور دفع مرقی ہے۔ کہیں
 کسی اس لفظ کا استعمال اس چیز کو کرنا ہے جسے انسان کہے یا
 معنی اسے اصرار کرتے ہیں۔ جسے ہمارے ہمارے ہمارے کہتے ہیں۔
 "اس میں سے اور روئی کا ہے" تو اس کے معنی رزق۔ معیشت ہی کے
 معنی ہیں۔

شہادت معلوم کیے بغیر عدالت میں جہاد کیا کر رہا۔ ذرا سیخڑی سے کہ "الشہادتیں"۔
ایسے شخص کے لئے۔ اگر بنا دیا۔ رائے کے لئے لکھا ہے کہ۔ دوسرے لئے لکھا ہے کہ۔
لو بھی خبیثہ نہیں ہیں۔ اور خبیثہ۔ "الامم" کے لئے ہیں۔
سے زبردستی احسان کا مطالبہ کرنا۔**۔

[illegible]

خ ب ل

[illegible]

خ ب و

[illegible]

* تاج - ** راغب - *** محیط -

خَبْرًا ۱۔ دراصل اس پردہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو دھانپا جائے۔ نیز اُن میں دانہ کے اوپر کا خول ۲۔ مذکر سردہ جو نعلہ پر لڑکر اسے دبا دیتا ہے۔

اَلْخَبْرُ ۱ (۱۲۱) کے لئے دیکھئے غنوان ح۔ ب۔ ا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ خَبْرٌ اور خَبْرٌ ۲۔ دونوں کے معنی دھانپنے کے آتے ہیں (۱)۔

خ ت ر

اَلْخَيْشَرُ ۱۔ بہترین عہد شکنی۔ عم۔ شکنی کرنا۔ اور ف۔ عیب دینا ۲۔ دراصل یہ اس عہد شکنی اور سازشی کو کہتے ہیں جس سے اس تو سرگوشی سے کیا جائے کہ انسان تھک کر حور چور ہو جائے۔ وہ نکلنے سے کمزور ہو جائے اس کے اعضاء دھلے پڑ جائیں ۳۔ اس لئے کہ اَلْخَيْشَرُ، اَلْخَيْشَرُ کے ہم معنی ہے۔ یعنی ایسی غنودگی و بے حسبی جو کسی زہر نسا دوائے مرنے سے پیدا ہو جائے اور اعضاء اس کمزوری و اضمحلال کا باعث بنے۔ ر جس ۴۔ اَلْخَيْشَرُ ۲۔ وہ دہی جس کے اعضاء دھلے پڑ جائیں۔ اَلْخَيْشَرُ ۱۔ سراب ۲۔ اس کے فتنے کو مضحکہ کر دینا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مستی اور فتور کے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں خَشَرٌ ۱ (۱۲۱) آیا ہے۔ اس کے معنی دھانپنا، فریب کار کے بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے آدمی کے بھی جو نجات نہ کر سکے کی وجہ سے سست ہو چکے ہو۔ یا وہ آدمی جو احکام خداوندی کی بجائے آوری میں مستی برتے۔ (یعنی آئیم ۲۔ دیکھئے عنوان ا۔ ث۔ م)

خ ت م

خَتْمٌ ۱ کے معنی ہیں کسی چیز کو جیسا دینا، اور دھانک دینا۔ اس طرح ۲۔ کر کے محصور کر دینا کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ نکل سکے۔ چہ نعلہ زمین میں چلا کر اور پچ دال کر جن پہنی مرتبہ مٹی دیتے ہیں اسے اَنَلِ غَرَبِ خَتْمٌ ۱ (۱۲۱) کہتے ہیں۔ اس لئے کہ مٹی دینے کے بعد مٹی چھ جاتی ہے اور پچ مٹی کے اندر بند ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ختم کی مکتوبات مٹی پختہ کے خانوں میں سم۔ جمع کر کے موم کا نمبر یا باریک سا پردہ خانوں کے منہ پر بند دیتی ہیں جس سے سم۔ نمبر بار اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے بھی عرب خَتْمٌ ۲ سے تعبیر کرتے ہیں (اس کے بعد غنودہ سم۔ اور ان خانوں کے منہ کو بھی خَتْمٌ ۲ کہنے لگ گئے) ۳۔

* تاج و محیط۔ ** راغب۔ *** قاج۔

خَتَمَ الشَّيْءُ الشَّيْءَ - ختم کرنے کا معنی کسی چیز کے آخری سر پر لگانا ہے۔
 پہنچانے کے بھی شے ہے۔ اور فارس کے نام سے کہ یہ اس کے پہلے ہی معنی
 میں ہے۔ وَرَجَعُوا إِلَىٰ دَارِهِمْ لِيُنْزِلَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ (۱) کسی شے
 پر لانا یہ وغیرہ لگا کر مہر سے اس پر نشان لگا دینا۔ اور (۲) وہ نفس یہ مہر
 جو اس روح مہر سے ملتا ہے۔ اور اس مضمون میں مہر سے مراد
 کسی چیز کو بند کرنے پر اور اس کی بنیاد کے لئے ہے۔
 اس سے لے کر اس کی گرجا یہ دروازہ بند کر دینا جاتا ہے اور اس کے
 اور ان چیزوں پر مہر لگایا جاتا ہے۔ حینما* اس کے ساتھ مہر وغیرہ لگائے
 نہیں جس سے کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگایا جاتا ہے۔ اور خط سے وہ
 چیز ہے (نگوئی وغیرہ) جس سے اس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے۔ شرح
 انجام از خار خیااتہ* نہ رہتا ہے۔ حینما* حینما* مہر کے معنی میں یہ
 کی طرح ہے۔ ایسے میں مہر کی طرح ہے۔ اور اس کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 اور اس سے اس کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور حینما* مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور حینما* مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 ہر شے اور اس کے دروازہ سے مہر لگایا جاتا ہے۔

فر - اور میں ختم ہوا۔ عقیقی تیسری چیز (۱) - مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 متعدد بار آیا ہے (۲) - مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور ان میں
 مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور حینما* مہر کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 خَتَمَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۱) - اور اس کے ساتھ مہر لگایا جاتا ہے۔
 وضاحت - مہر لگایا جاتا ہے۔ یعنی یہ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 جاتے ہیں۔ یہ مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 (۲) مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 صحیح بات کے ساتھ سے مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 تو مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔
 مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔ اور مہر لگایا جاتا ہے۔

مذہبِ رب سے ہے۔ اُن کے معانی کُلوجو شہد رہا رہت دینا۔ مہسا وہ شخص
نہی کہ لو دینا۔ یہ علم رب کی حکمرانی کے۔ یہ مہسا ہے۔ یہ کسی انسان
نہی خدا کی طرف سے۔ یہ رب ربہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ انسان وہ
انسان کی سہی سمجھتی ہے۔ یہ ربہ۔ یہ خدا کی طرف سے کائنات
حقائق نہیں ہوتا۔

خ د د

۱- خدو. رخسار. ۱۱۱. ۲- زمان من کبردا خدا مبدلش کرده. -
آلا "خدو" د. کهانی یا خندق*.

[illegible]

خ د ع

[illegible]

* تاج ** محیط - *** لین -

قرآن کریم نے اس قسم کی غریب دہلیزوں کی خدمت کو "موت" دل دیا۔
 مرنے والے کو "موت" سے مراد ہے۔ اور اقرار دینے کے لئے اور نہایت کم ہوشی کے
 یہ غریب درجہ کی غریب دہلیزوں کی خدمت کو "موت" دل دیا۔
 اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 کے قانون مکتوبات کی رو سے ان کی امر و نہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود
 اپنے متعلق دشواری میں رہیں اور ان کے لئے اس لئے ان کے لئے ان کے لئے
 دیا گیا ہے۔ ان کے لئے اس لئے ان کے لئے ان کے لئے ان کے لئے ان کے لئے
 "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 یہ ہے (۱) وہ اپنے متعلق دشواری میں رہیں اور ان کے لئے اس لئے ان کے لئے
 "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 (۲) "خدا فریبی" خود فریبی (Self De-Prin) کا دوسرا نام
 ہے۔ لیکن اول اسے سمجھتے نہیں۔ مگر "موت" سے مراد ہے۔ اس کا معنی نہیں
 رکھتے۔ ویسے بھی جو شخص جذبات میں اندھا ہو جائے اس کا معنی نہیں
 ہو جاتا ہے۔

خ دن

ان کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 بستر پر ایسے سائیں کے لئے بستر پر ایسے سائیں کے لئے بستر پر ایسے سائیں
 کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 کا مفہوم مفہوم "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 ساتھ رہنے کے ہیں۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے جنسی اختلاف کو "موت" سے مراد ہے۔
 "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 کے لئے لکھنے کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 جائز نہ سمجھنے کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 ان کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 ہے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 مردوں کو بھلا کر دے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 اور خیر "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔
 ہے۔ ان کے لئے "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔ اور "موت" سے مراد ہے۔

يَتَصَرُّوا (۱۰۳) اور وہ اس طرح باقی قوموں سے پیچھے رہ جائے تو اس کی مردہ
کہنی نہیں کر سکتا۔ اس طرح پیچھے رہ جانے والا، خواہ ایک فرد اپنی جماعت
سے پیچھے رہ جائے اور خواہ ایک قوم دوسری قوم سے پیچھے رہ جائے، زندگی
کی خوشگوار دنیا سے محروم رہ جاتا ہے (۱۰۴)۔ اسلام کے معنی ہیں تمام رشتے
منزل کا کس ہم آہنگی سے سکر ساتھ ساتھ جتنا۔ (دیکھئے عنوان س۔ ن۔ م۔
میں تَسَمُّعٌ)۔ اور آئیم کے معنی ہیں اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے پیچھے
رہ جانا (دیکھئے عنوان ا۔ ت۔ م۔)۔ لیکن اگر کوئی شخص مختلف قسم کی
کشتیوں سے، جن میں اولاد کے مفاد کی کشتی سب سے زیادہ شوقی ہے***،
جماعت سے پیچھے رہ جائے تو یہ خذل ہوگا۔ بہر حال اس کا نتیجہ وہی ہوگا۔
یعنی اپنے انفرادی مفاد اور ذاتی جذبات کی وجہ سے جماعتِ مومنین سے پیچھے
رہ جانا۔ یہ قرآن کریم کے نظام کو جھوٹا دینے سے انوارِ عظیم کی صف میں
پیچھے رہ جانا۔ یہ دونوں خذل ہونگے۔

سورة الفرقان میں ہے وَكَانَ الْإِنشِقَاطُ لِلْإِنْسَانِ خَذَلًا
(۱۰۵)۔ یعنی انسان کے سرکش جذبات کی حیثیت یہ شوقی ہے کہ بالآخر
نسر ہے کہ وہ انسان کا آخری وقت تک ساتھ دینے لیا کہ وہ نرس و نسر
ساتھ سموز دیتے ہیں۔ یعنی ایسے جذبات ہمیشہ ہمہمی شوقی ہیں۔

خ و ب

يُخْرَبُ - ویرانی - آبادی یعنی عُمُرَان کی ضد ہے۔ نرس آباد ہونا۔
خَرَاب - نرس آباد ہو جانے - الْخُرَاب - نرس آباد کر دینا۔ ویران کر دینا۔
الْخُرَابَةُ - ویرانہ، نرس آباد جگہ۔ الْخُرَابَةُ - چھینی - غیب - دینی
خرابی - شک و تہمت - ابن فارس نے اس مادہ کے اصل معنی کہ رہ ٹوٹ کر
خراب ہو جانے اور سوراخ ہو جانا بتائے ہیں، جسے جاقو و نرس کی نرس
کسی چیز کا نرس خراب ہو جانے سے نرس لے کر جاتے ہیں۔ ابن فارس
الْخُرَابَةُ - سوراخ کو کہتے ہیں۔ الْخُرَابَةُ - نرس کے نرس کے کو کہتے
ہیں*۔

قرآن کریم میں ہے يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ

(۱۰۶)۔ "وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کر رہے ہیں"۔ سورہ نرس
میں مساجد کے متعلق ہے کہ جو شخص ان میں ذکر اللہ کے لئے رکاوٹ کا موجب
ہے* یہ اس جہت سے کہہ رہا ہے کہ خائل میں خوں کو لے کر نرس
کی وجہ سے پیچھے رہ جائے۔ * تاج - نیز ابن فارس

بنا ہے، بمعنی "فی خَرَجَ رِبَّیَا" (۱۱) "وہ ان کی ویرانی کی دوشمش ڈرے"۔
 لہذا مساجد کی ویرانی یہی نہیں کہ ان میں لوگوں کا اجتماع نہ ہو۔ ان کی
 ویرانی یہ ہے کہ ان میں قوانین خداوندی کا ذکر اذکار اور صلت التہجد کے
 متمم بیانات حدت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آتَمُّوْا لِحُكْمِکُمْ وَ اَمُرُّوْا شُعَبَکُمْ
 شُرَکَیْکُمْ بِمَا نَزَّلْنَا (۱۲) "انہوں نے آتے ہیں۔ یعنی اقسام صلوٰۃ اور ہر شعبہ
 مدبرہ، لازم و ملزوم ہیں۔ دوسری جگہ ہے مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر
 سکتے (۱۳)۔ اس لئے کہ وہ خداوندی قوانین خداوندی کی اطاعت نہیں کرتے۔

خ ر ج

خَرَجُ وُج کے معنی ہیں ابھرنا، نکلنا۔ باہر آنا۔ اَلْخُرُوجُ - خروج - اہمقا بہ
 معنی - خارج - نکل - شَمْسٌ - ہر جز کے لئے شمس بیرونی اور نہ مری مہر
 کو کہتے ہیں۔ اَلْخُرُوجُ جیسا کہ اس گمبوز کے لئے کہتے ہیں جو اپنے مکان سے
 بے عیبی میں باہر آئے اور آگے نکل جائے۔ نیز ہر وہ چیز جو اپنی جنس
 کی چیزوں سے آگے نکل جائے۔ خَرَجَ فُلَانٌ فِی الشَّيْءِ عَقَرٌ کے معنی ہیں
 فُلَان شخص اپنی کاروباری میں بہت مشغول ہو گیا۔ ذَلَّةٌ مِّنْ خُرُوجٍ جَسَدٌ -
 وہ اونٹنی جو اونٹنوں کی صفت سے نکل کر اونٹ کی نہ صفت ہو*۔ یَوْمُ
 الْخُرُوجِ - عید اور میلے کے دن کو کہتے ہیں جب لوگ زینت و زیبائش
 کے ساتھ باہر نکلتے۔ خَرَجَتِ الرَّعِيْقَةُ عَمْسِي سَوَآلٌ - اس وقت کہتے
 ہیں جب ریت اپنے امیر سے باہر ہو جائے اور اطاعت چھوڑ دے*۔

قرآن کریم نے یہ آیت کریمہ بارش سے کس طرح زمین مرادہ از سر نو
 نیاں حاصل کر رہی ہے، کہا کہ ذَاکَ الْخُرُوجُ - (۱۴) - اسی طرح
 "خروج" ہوتا ہے۔ یہاں خَرَجُ وُج کے معنی حیات نو کے ہیں۔ اسی کو ذرا آگے
 چل کر یہ "مُخْرِجُ الْخُرُوجِ" (۱۵) کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں تیامت -
 ساعت - بعث - خروج وغیرہ الفاظ اپنا خاص مفہوم رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب
 میں حدت نہ کا پہلو منظر ہوتا ہے۔ نہ حیات نو خواہ کسی قوم کے زوال کے
 بعد اس کا عروج ہو، یا پوری انسانیت کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جانا، یا
 انسان کی موت کے بعد حیات اخروی۔ یہ تمام تصورات ان اصطلاحات میں شامل
 ہیں اور سب سے پہلے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فُلَان مقام پر کونسا مفہوم
 مراد لیا جائیگا۔

خَرَجُ وُج اور خَرَجُ ق کے لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے (منزلہ ۱۶)
 اس کے معنی ہیں وہ رات جو اپنی دولت میں سے نکل کر دوسرے کو

[illegible][illegible]

خ رد ل

خرد دَل (۱۰۰) - "رائی کے ایک دانے کے برابر، -

خ ر ر

۱۔ بخترِ نورؔ - ہزار ہا نور کے حسیں بن سوسہ رنگ - رنگے نور سے
 ہر ڈل کی آواز - سونے سے نور بن کر نور - بختر - ہر رنگ سے
 طرح نورے شہر - نور سے نور بن کر نور - نور سے نور سے

* تاج -

[illegible]

خ ر ع

[illegible]

ات، کو اَخْرَجَ ص "کے لیے نہیں"۔ چنانچہ قرآن دکریم میں ہے "ان" بِمَن تَصِیْعُوْنَ
 "لَا تَعْنِی" وَ"ان" عِبْہُ "لَا تَصِیْعُوْنَ" (۱۱) "یہ لوگ صرف ظن کے تباہ
 کرتے ہیں اور محض نکل سحر باتیں دیتے ہیں"۔ مسورۃ ذاریات میں ہے
 تَصِیْلُ "خَرَجَ" "وَوْن" (۱۱) "محض ظن و قیاس کی تباہی کرنے والے تباہ و
 درد شو جائیں گے"۔ "حاصل کی بنیاد ظن پر ہوتی ہے۔ اس لیے دین کے سارا مدار
 یقین پر ہے۔ کوئی غشی اور وہ سی بات دین نہیں سن سکتی۔ قرآن کریم کا
 ایک ایک لفظ اپنی اسی شکل میں ہمارے اس مچھونڈے (خود قرآن دکریم
 کی داخلی اور تاریخ کی خارجی سمجھات اس پر دلائل کثرت سے ملتی ہے۔ یہ غشی
 طور پر دین ہے اور حق و بے میں کے برکھنے کا حتمی معیار۔ راجب نے کہا
 ہے کہ ظن و تخمین سے کوئی بے گناہ نہ خواہ وہ حق کے مطابق ہی نہ ہو،
 کذب (جھوٹ) ہے۔ اس اعتبار سے خَرَجَ "ص" کے معنی کذب (جھوٹ) ا
 ہوتے ہیں۔ ** خَرَجَ ص۔ اس نے جھوٹ بولا ***۔

قرآن دکریم کا دعویٰ ہے کہ ظن و تخمین کا اتبعان کرنے والے تباہ
 ہونگے۔ اہل انیس میں ظن کا اتبعان کرنے والے اقرآن دکریم کے دعویٰ
 کی رو سے) کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔ خود خدا ہی اپنی حجت
 اسکی زندہ شہادت ہے۔

خ ر ط م

خَرَجَ طَوْمٌ "ناک" یا ناک کا اٹلا حصہ۔ شہادت کی سونڈا۔ نورانی
 کہتے ہیں "۔ راجب نے کہا ہے کہ عام طور پر درندوں کی تھوہنی کٹو
 خَرَجَ طَوْمٌ اور خَرَجَ طَوْمٌ "ناک" ہیں۔ خَرَجَ طَوْمٌ "ناک"۔ قدم کے پیردار جو
 شرم سے سر میں پیش میں رہتے ہیں "۔ شہادتی زبان میں بھی کہتے ہیں
 "اولان شخص قوم کی ناک ہے"۔ یہ اشارف ہونے سے کہہ رہے ہیں۔
 ہیں "ناک کٹ گئی"۔ یعنی وہ بے عزت ہو گیا۔

قرآن دکریم میں ہے سَتَجِدُنَا غَنًی "اِیْخَرُ طَوْمٌ" (۱۱) "تم سکی
 ناک پر داغ لگائیں گے"۔ مطلب اس کرنے سے ہے کہ وہ جہرہ۔ ناک کا
 دانسی کر دینا انسانی ناک کی بات ہوتی تھی "۔ اس میں مومنین و کفار
 پہلو ہے جو چھپائے نہ چھپے۔

خ ر ق

خَرَجَ ق "اسی چیز کہ"۔ لایا ہے۔ "خروج" سے ہے۔ "خروج" سے
 "خروج" کی خدمت سے جس کے معنی کسی چیز پر آمد کے ہیں۔ "خروج" سے
 * ناج۔ ** راجب۔ *** محیط۔

سے بہت کے شے۔ خَرَقُ الثَّوْبِ۔ اسنے بغیر اندازے کے ٹہرنے کو پہناؤ
 نہ لایا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے اَنْتَکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (۱۶)۔
 اس کے معنی پہناؤ نہ سے یہاں سوراخ کر دینے کے شے۔ بعض نے کہا ہے کہ
 اسکا معنی ایک سرے سے دوسرے سرے تک (مسافت قطع کرنے کے شے)۔
 سورہ نمل میں کہتی میں سوراخ کر دینے کے لئے حرا قمتا (۱۱) آیا ہے۔
 خَرَقَ۔ اس نے جھوٹ بولا۔ خَرَقَ الْکَذِبَ۔ اس نے جھوٹ تراشا۔
 خَرَقَ۔ جھوٹ بنانا۔ اَنْتَ تَخْرِقُ۔ سُرَّتْ سے جھوٹ بولا۔ سورہ النعم
 میں ہے وَخَرَقْنَا لَهُ بَنِيَّیْنِ (۱۰۱) وہ خدا کے لئے اولاد کا سقیمہ و ٹہتے
 شے جو یکسر جھوٹ ہے۔ ان کا یہ عرصہ غیور و فکر اور غمے اور قانون سب
 کے خلاف ہے۔ اس سے حقیقت کی دشمنی از جا قی شے۔

خ ز ن

خَزَنٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کے ذخیرہ کرنے کے ہیں ***۔
 الْخِزَانَةُ وَالْخِزَانَةُ وَالْمَخْزَنُ وہ جگہ جہاں کوئی چیز ذخیرہ کی
 جاتی ہے۔ خَزَنٌ سُنَّةٌ۔ وہ چیز جس کو حفاظت سے رکھا کر رہا
 کر رہا ہو۔ اسکا جمع خَزَائِنٌ ہے۔ قُرْآنِ مَکْرِیْمِ میں ہے لَا اَمْوَالٌ لَّکُمْ
 حِیْثُمَا خَزَائِنُ اللّٰہِ (۱۰۱)۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا کہ میرے پاس
 ہے خزانے ہیں۔ خَزَائِنٌ جمع کرنے والا۔ یہ محققان کی جمع خَزَائِنُ
 وہ خزانہ ہے اقربانِ مَکْرِیْمِ میں ہے وَقَدْ اَنْتُمْ خَزَائِنُ اللّٰہِ
 اللہ کے محققان سے کہہنا ہے، ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ
 خَزَنٌ کے بنیادی معنی جمع کرنا ہے۔ خَزَائِنُ اللّٰہِ
 اللہ کی وہ قوتیں اور ذخائر ہیں جو ہموار انسان کے سمجھ میں نہ
 آتے ہوں۔

خ ز ی

خِزْیٰی کے معنی ایسی ذات ہے جس سے سرمہ آجائے۔ اسی وجہ سے
 یہ مسند زب اور سرمہ دونوں کے لئے استعمال شرت ہے۔ یہاں اسکا معنی ہونے
 ثابت کسر ہوئی۔ یہاں غیور ہو بسور سے خزانہ کسرت جہن کا اظہار
 ہے۔

خَزَنٌ۔ یہاں خزانہ۔ خزانہ کی خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ
 خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ۔ خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ
 خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ۔ خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ
 خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ۔ خزانہ کی سر کرنے کا نتیجہ

نہیں جی کرنا ہے۔ اَلْخَنَسُوعَةُ۔ زمین کے سخت اور سنگلاخ والے حصوں سے ہیں
 جس میں سبزہ نہ لگے۔ نیز اَلْخَنَسُوعَةُ۔ گرد و غبار سے پوری ہوئی جگہ کو
 کہتے ہیں جہاں بڑا فناء ہے جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ ہود کے آیت
 خَنَسُوعَةً (۱۱۱) آیا ہے۔ سورہ خنساء میں خَنَسُوعَةُ کے معنی میں خَنَسُوعَةُ
 آیت ۱۱۱ میں ہے۔ خَنَسُوعَةُ کے معنی بکافہ و خراب و تر و نازق ہیں اس لئے
 خَنَسُوعَةُ کے معنی افسردہ و برآمدہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے بعد
 خَنَسُوعَةُ خَنَسُوعَةُ (۱۱۲) کہہ کر اس کی وضاحت فرمادی۔ یعنی تھکے ہوئے۔
 رونق۔ خَنَسُوعَةُ۔ ان لوگوں کے لئے ہیں ایسا ہے جو قوائین خداوندی کے
 سامنے جھک جائیں۔ قرآن مجید میں اس کے معنی آئے ہیں خَنَسُوعَةُ
 اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۱۱۳) اور اَنْتُمْ رَاٰجِعُونَ (۱۱۴)۔ یعنی وہ لوگ
 جو اس کا گمان رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کا سامنا کرنا ہے۔ یعنی وہ
 اپنے اعمال کے بارے میں خدائے تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں اس لئے
 وہ ہر معاملہ میں کسی کے قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ خَنَسُوعَةُ
 ہے۔ جب سب سے قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ یہ سورہ ہود
 آیت ۱۱۱۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ خَنَسُوعَةُ کے معنی ہیں سر ٹو جھکا دینا۔

خ ش ی

۱۔ خَشْيَۃُ - خشک ہوئے ہوئے زمین سے جس سے التَّخَشُّعُ - خشک
 ہو جانے پر زمین جہاں یہ سدا نہ ہو - سروں کے نزدیک ہونے کے - میرے ک وجہ
 سے سبزی کا خشک ہو جانا سخت خطرہ کہ ہو جب ثمرہ تیار - اس لئے حَسْبُكَ
 کا لفظ کسی امتداد کے احوال سے خوف زدہ ہو جانے کے لئے استعمال شروع
 لگا - صاحب محیط نے (کتاب کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ حَسْبُكَ - خَوْفٌ
 سے زیادہ ترمیم شروع ہے - اس لئے کہ وہ اس شروع کے قول سے حَسْبُكَ
 حَسْبُكَ سے ساخوڑ ہے ، یعنی ہر خشک درخت جس میں زندگی کی کوئی
 رہی باقی نہیں رہے - اس کے برعکس خَوْفٌ کہ خدا صرف امتداد کے لئے
 ہے کہونکہ وہ لَوْ لَمْ يَكُنْ خَوْفٌ سے ساخوڑ ہے یعنی ہمارے کوئی حرد و نرمی میں
 ہر کہہ سر کی زندگی کی کس ہے - نیز حَسْبُكَ میں احوال ، امور و ترس کے
 معنی بھی ہائے جہان میں جو سے خَشْيَۃُ نَسْكَوْنَ كَذِبًا حَسْبُكَ
 نَسْكَوْنَ - مجھے امید ہے کہ یہ ہم زبانی سے اسادہ سے لے کر
 طرح اس میں غیبی (جائز) کے معنی میں ہے کہ خَوْفٌ
 تاج - ** محیط -

کا لفظ بھی جانتے کے معنوں میں آتا ہے دیکھئے عنوان ح - و - ف - ۱ - جب اس کے معنی خوف کے ہوں تو اس سے مراد سورہ ۱۰۱ میں ہے کہ خوف جو کسی کی عیب سے دل پر طاری ہو جائے - حَسْبُنَا اللَّهُ کے معنی ہوتے ہیں کسی کام سے بچہ یا غم ہونے کی وجہ سے اس سے اسیسہ کرنا - ۱۰۱ - یا اسے ناپسند کرنا - ۱۰۱ - یہی ہے عدم طور پر مراد ہوتی ہے خدا کا ڈر - لیکن اس ڈر کا صحیح مفہوم خشیت کے بنیادی معنوں سے سمجھنا چاہئے ہے - قرآن مترجم کے بنیاد پر ۱۰۱ - قوانین خداوندی کے نجات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی دوشمنوں کی دھمکی سے بچے اور (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کے معنی میں جہنم کی زمیں میں مسیحیوں کے شر سے اور مشرکوں کی مہماتوں میں بھی محفوظ رہے - اور وہ ہر موسم میں مسلمانوں کو دیتا رہتا ہے (۱۰۱) - یہ نتیجہ ہے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا - اس کے برعکس اگر انسان خداوندی کے خلاف زندگی بسر کر جائے تو انسان کی دوشمنوں کی کشتیاں جس جہنم میں - اور اس کی دوشمنوں کے ہونے خشک ہو جائیں گی - اس امر کا احساس نہ کرنا کہ خداوندی قوانین کے مطابق نہ چلے تو ہماری دوشمنی جہنم کی طرف جانی - حَسْبُنَا اللَّهُ (خدا کا ڈر) - یہی قوانین خداوندی سے سرشاری کے اسباب و عوامل ہیں - ہمیں وجہ ہے کہ اس میں احساس و توجہ - اس سے اور ہم کو مسخر ہو جائے - اور ان قوانین کے خیر مقصد اور مادی طور پر نتیجہ - خیر ہونے کے لئے ان سے سمجھنا اور قبول کرنا چاہئے - یہ ہے اس مفہوم حَسْبُنَا اللَّهُ خدا کے بارگاہ - (۱۰۱) میں کے لئے دیکھئے ح - و - ف کا عنوان -

سورہ نبرہ میں ہے اَلْخَاسِرُونَ یَوْمَئِذٍ هُمْ هَٰؤُلَاءِ الّٰتِیْ نَسُوا نِعْمَ اللّٰهِ الّٰتِیْ کَانَتْ لَہُمْ اَنْیَاسًا - اس سے تو ذرا شو کہ ان لوگوں کی بد قسمت کی بولیں تو انہوں نے ان کے لئے خدا کا ذکر کیا کہ ہمیں اس کا خیال نہ تھا - اگر انہوں نے خداوندی کی نعمت کی کوئی شے کی تو اس کا نتیجہ - خداوندی کے لئے نجات کا سبب ہے - یہ ہے حَسْبُنَا اللَّهُ کے مفہوم - اسی صورت میں خداوندی کے لئے نجات کا سبب ہے - اور خداوندی کے لئے نجات کا سبب ہے - وہ نجات جس کے لئے خداوندی کے لئے نجات کا سبب ہے -

خ ح ص

خ ح ص کے بنیادی معنی ہیں خیر یا نیک جو دو چیزوں کے درمیان فرق ہو جائے اور اس میں خیر ہے ایک طرف اور ایک طرف - جیونیکہ نیک - خیر - اور - راجع - نیک - خیر -

خطا ہو جائے۔ گناہ وہ ہے جو تمہارے دل کے ارادے سے ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ خَطَاٌ اس غلطی کو کہتے ہیں جو سہواً ہو جائے اور اس میں دل کا ارادہ شامل نہ ہو۔ اسی قسم کی بلا عمد خطائیں (سہواً) نہیں جن کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ خدا انہیں ان کے مضر ثمرات سے محفوظ رکھیگا۔ وَ الَّذِیْ اٰطَاعَ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ السَّرْبِیْنِ (۲۸) ”وہ ذات جس سے مجھے نفع ہے کہ وہ ظہور نتائج کے وقت میری خطاؤں کے اثرات سے مجھے محفوظ رکھیگا۔“

سورة الحاقة میں خَاطِئُوْنَ کا لفظ اہل جہنم کے لئے آیا ہے (۱۲۰) اور خَاطِئَةٌ کا لفظ ضم و سرکشی کے لئے بھی (۱۶۰)۔ سورہ عین میں ہے نَسَاصِیَّةٌ کَذِبَةٌ خَاطِئَةٌ (۱۶)۔ ”جھوٹی، خُص، کارِ بیشنی“۔ ان مقامات میں خَطَاٌ کے معنی جرم ہیں جس میں قصد و ارادہ شامل ہے۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں نسلِ اولاد کے سلسلہ میں ہے اِنَّ فِتْنَتَهُمْ اِنَّ خِصْمًا کَبِیْرًا (۱۸)۔ ”ان کا قتل یقیناً ایک بہت بڑی غلطی ہے۔“

تصريحات بسا سے ظاہر ہے کہ خَطَاٌ اس غلطی کے لئے بھی آتا ہے جو سہواً ہو، اور اس کے لئے بھی جو بسا ارادہ ہو۔ جو بسا ارادہ ہو، وہ جرم ہوگی اور قابل مؤاخذہ۔ بعض اہل لغت نے خَطِیٌ کے معنی عمدہ غلطی کرنا اور اَخْطَاٌ کے بغیر قصد غلطی کرنا بتائے ہیں۔

خ ط ب

الْخِطْبُ۔ بات، مسئلہ، حالت، معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ جَنَ الْخِطْبُ۔ بات بڑی ہو گئی۔ معاملہ بڑا ہو گیا۔ سورة یوسف میں ہے قَالَ مَا خِطْبُکُمْ (۱۲) ”بادشاہ نے پوچھا کہ تمہارا معاملہ کیا تھا“۔ سورہ حجر میں ہے قَالَ مَا خِطْبُکُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُونَ (۱۲) ”س نے کہا کہ اے پیغامبرو! تمہارا معاملہ کیا ہے“۔ اس میں معاملہ کے اہم ہونے کا تصور ضرور ہوتا ہے۔ خِطْبُ الْمَرْأَةِ خِطْبٌ وَ خِصْبَةٌ۔ عورت کی نکاح کا بیغام دینا۔ (۲۴) نکاح کا بیغام۔ خِصْبَةٌ۔ منگوتر عورت۔ الْخِطَابُ۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرنا نیز جن الفاظ سے کسی کو مخاطب کیا جائے وہ خطاب کہلاتے ہیں۔ فَصَّلْ الْخِطَابِ۔ دو ٹوک بات یا معاملہ کو دو ٹوک فیصلہ کر دینا (دیکھئے عنوان ف۔ ص۔ ل)۔ خَاطِبَةٌ۔

اس سے بات کی*۔ اِذَا خَاطَبْتَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (۲۵)۔
جب ان سے نہ واقف اور جاہل لوگ (بھی) ہم کلام ہوتے (یا معاملہ کرتے)
تو وہ "سلام" کہتے ہیں یعنی ایسی بات کہتے ہیں جس سے وہ غلطی سے
محفوظ اور سلامت رہیں۔ مخاطب میں بات کرنا یا معاملہ کرنا۔ دونوں مفہوم
ہو سکتے ہیں۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں (۱) دو
آدموں کے درمیان باتیں ہونا۔ اور (۲) دو مختلف رنگوں کا ہونا۔

خ ط ط

اِخْتَدَّ۔ کسی چیز میں لسی دھاری یا لکیر۔ نرم زمین میں خفیف اور
بتلا سا راستہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اس نشان کے
ہیں جو لبادو۔ نرم ہر راستہ۔ اِخِطُّ۔ وہ زمین جس کے ارد گرد بارش ہوئی
ہو لیکن اس میں نہ ہوئی ہو۔ وہ زمین جہاں تمہارے اترنے سے پہلے کوئی
نہ اسرا ہو۔ اِخِشَّةٌ۔ زمین کا وہ حصہ جسے آدمی نشان لگا کر اپنے لئے
برئے تعمیروں مخصوص کر لے۔ خَطَّاشٌ۔ بِخِطُّ۔ خَطَّاشٌ۔ لکھنا، کتابت کرنا۔
کِتَابٌ مَّخْطُوءٌ۔ لکھی ہوئی کتاب*۔

سورہ عنکبوت میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ
قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخِطُّهُ بِيَمِينِكَ۔۔۔ (۹۶)۔ "تو اس سے پہلے
نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ
سکتا تھا" اس میں "س (قرآن کریم) سے پہلے" کی تخصیص صاف بتا
رہی ہے کہ نزول قرآن کریم سے پہلے تو حضورؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے
تھے لیکن اس کے بعد یہ صورت نہیں رہی تھی۔ پھر آپؐ نے لکھنا پڑھنا
سہل کر لیا تھا۔ اس لئے یہ غلط فہمی کہ حضورؐ ساری عمر اُمّی (آن پڑھ) رہے
قرآن کریم کی رو سے صحیح نہیں۔

خ ط ف

خِشَّةٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو تیزی سے اچھک لینا۔ خَطَّاشٌ
مذہب۔ ایک سرزمین کا نام ہے جو بانی میں اپنے مایہ کو دیکھ کر اُسے
بکڑنے کے لئے جوستا ہے*۔ خِطَّاشٌ۔ ایک سیاہ پرند جو پرواز کرنے میں
جہت ہے*۔ اِخْتَدَّ طِفُّ۔ اس تیر کو کہتے ہیں جو زمین پر لگ کر گھومتے

ہوئے نشہ سر جائے۔ گونا وہ کوئی چیز زمین سے اچک رہا ہو اسی سے آج کی
 الْخَمِیْطَةُ۔ اس لڑکی کو کہتے ہیں جسے ٹوٹی شخص بننا شروع جائے۔
 قرآن کریم میں ہے: بِكَادُ الْجَبَرُوتِ يَخْتَصِمُ ابْتِصَارُكُمْ (۲۱)۔
 "نرب ہے کہ بچی کی چمک ان کی نمازیوں کو اچک کر لے جائے"۔ سورہ حج
 میں ہے: فَتَخْتَصِمَنَّ الْأُخْتُ (۲۲)۔ "اُسے روندے اچک کر لے لے"۔
 دوسرے مقام پر ہے: وَلَا مَنُ خَصِیْفَتِ الْخَمِیْطَةِ (۲۳)۔ "بچہ اس کے کہ
 ٹوٹی (بونہی ذرا سی) است اچک کر لے جائے"۔ سورہ مائدہ میں ہے
 جَعَلْنَا حَرَماً آمِنًا وَبَيْنَ خَصِیْفَتِ لَدُنَّ مِیْنِ مَقَاصِلِہِمْ (۲۴)۔
 "حرم امن کی جگہ بنا دیا اور اہل مکہ ان کے گرد و نواح سے ٹوٹ اچک
 لے جاتے ہیں"۔

خَاتَمِ نَفْسِ الْخَفِيَّةِ (۱۰۳) - اور اسٹورف اسٹورف (۱۰۴) - "یونہی
 اہم ہی ہوئی بات سے ارنا اور جسوری چھوڑے" - "یونہی غنوں
 س - ر - ی) (بہ ان رائیوں انجوروں) کے مہینے میں جو مہینہ غیب کی باتیں
 معلوم کرنے کے لغت کے لئے ہے - (اور اب بھی غیبی خبر کے لئے جہاں
 غنوں غم کی روشنی نہیں رہتی) - قرآن میں یہ ہے کہ یہ شخص جس
 دوزخ میں رہے ہیں - انوں بات یونہی نہیں کہی کہ ان کے لئے غنوں
 جو غنوں بہت ہوئی، اس کی تاویل غنوں - ورنہ غیب کے غم پر ان کی غنوں
 دسترس نہیں - لَا يَسْمَعُونَ (۱۰۵) - "یونہی غنوں کے لئے غنوں
 (۱۰۶) - انوں قرآن میں یہ ہے بعد - غم و بصیرت کا دور - اس کے لئے
 برستیوں کی غنوں نہج میں نہیں - اب ایسے غنوں کے لئے کہ ان سے کہیں
 کوڑے ہڑتے ہیں - (مؤلفہ تفصیل مہینہ غنوں کے لئے یہ ہے)

خدا و

اَلْخَمْسُوۡۤهٗ وَ اَلْاِثْنَيْنِۙ اَجْمَعِ خُمُسًا مِّنْهُنَّ مَوَاقِیْتُ - وہ تین، چار
دو برسوں کے درمیان ہوں۔ پھر اس کا استعمال یہ ہے کہ تین برسوں کے درمیان
وہ تین برس - خُمُسُوۡۤا تِیْسَ اَلْاِثْنَيْنِ - یعنی "دو برسوں کے درمیان
برسی کے جنابت کے راستے"۔ یعنی "تو جیسے" اَلْاِثْنَيْنِ اِس مَعْنٰی سے
کے لئے وہ بڑھایا۔ اَلْاِثْنَيْنِ اِس مَعْنٰی سے کہ اس سے کہہ دیا کہ
ابن فارس نے کہا ہے کہ خُمُسُوۡۤا اِس مَعْنٰی میں کسی چیز کے
بڑھ جانا۔ اور چلے جانا۔

* تاج - ** راغب - *** محیط -

خ ف ت

خَفَّتِ الصَّوْتُ - بھوک کی شدت سے آواز میں نستی آ جانا یا آواز کا نہ نکلنا، خَفَّتِ فُلَانٌ - فلان آدمی مر گیا، کیونکہ اس کی آواز منقطع ہو گئی اور وہ خاموش اور ساکت ہو گیا۔ اَلْخَفَّتُ - چوبہا کر بات کرنا۔ ہوشیہ نگار کرنا۔ (جہمیر کی ضد ہے) دیکھئے (۱۱۰)۔ سورہ اطرہ میں ہے سَخَفَتُوْا بَهْمَنِيْہُمْ (۱۲۰)۔ ”ہم جبکہ حکمے باتیں کرتے ہیں،،۔ ابن عرب نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوشیہ رکھنے اور جاننے کے ہوتے ہیں۔

خ ف ض

خَفَّضَ - رَفَعَ (رسم کرنا) کی ضد ہے۔ یعنی نیچے کرنا۔ خَفَّضَ رَأْسَہٗ سَبَّحَہٗ - اس نے اونٹ کی گردن نیچے کی طرف جھکا دی۔ نہ اس پر سور ہو۔ اَلْخَفَّضَہُ - بہت ٹہہ کڑا کہتے ہیں۔ اَلْخَفَّضُ - نرم رنہ ری۔ خَفَّضَتِ الْمَرْبِلُ - اونٹ نے اپنی رفتار نرم کر دی۔ اسی سے اس کے معنی نرمی۔ فروتنی۔ اطمینان۔ مکوں کے آتے ہیں۔

عَمَّسَ خَفَّضَ - سرسکون و بفراشت زندگی۔ خَفَّضَ الْعَمَّسَ - وسعت اور نازع الہی کی زندگی *۔ بغیر کسی دقت اور مشقت۔ پسائی اور رکوب کے رزق فراہم ہوا۔ اس مادہ میں بنیادی سور ہر یہ مفہوم ہوتا ہے۔

قَدْرَکَ مَعْرِیہ میں ہے وَ خَفَّضَ جَنَاحَہٗ کَیْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰۱)۔ ”تو جد، عتر مہمنین کے لئے اپنا بازو جھکا دے،،۔ اسے نرم کر دے۔ ان سب کو سے بازو کے نیچے لئے لے۔ اپنے پروں کے نیچے سمیٹ لے۔ خَفَّضَ الْقَدَّیْرُ حَتَّاحَہُ - اس وقت ہی انہیں ہے جب سرزد اپنی پرواز کو روکنے کے لئے بازو سے لے لے۔ ان معنی کی رو سے مندرجہ بالا آیت کا مفہوم ”بھی ہو سکتا ہے کہ تو اپنی تیز رفتاری میں کمی کر دے تاکہ دیگر افراد کا روادار ہو جائے تیز کر رہے ہیں، تمہارے ساتھ چل سکیں۔ ایک قبائل کو اپنے پروگرام کی ترتیب میں اپنے رفقاء کی استطاعت اور استعداد کو مدحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ سورۃ واقعہ میں ہے خَفَّضَہٗ رَفِیْعَہٗ (۱۰۱) وہ انقلاب سر نشوں اور ہنردوں کو بہت کر دیکر اور صحیح نظام خداوندی پر چہنچے والوں کو نرم کر دیکر۔ ہم ان خَفَّضَہٗ رَفِیْعَہٗ کی۔ یعنی جو اوپر ہیں انہیں نیچے کر دے گا۔ جو نیچے ہیں انہیں اوپر کر دے گا۔ تہ وہ لا کر دیکر (۱۰۱)۔

جو طالب علم سو میں سے سائنٹیفک نمبر حاصل کر لیتا ہے اس کے متعلق سمجھنا جاتا ہے کہ اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ اس کی چالیس فیصد غلطیوں سے درگزر کر دیا جاتا ہے اور اسے اگلی جماعت میں ترقی دیدی جاتی ہے۔ یعنی اس کی صلاحیتوں کا پٹرا جھکا ہوا ہوتا ہے اور غلطیوں کا پٹرا ہلکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو طالب علم چالیس فیصد نمبر حاصل کرتا ہے اسے فیل کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا جو ترقی کے لئے مقرر ہے۔ کائنات میں قانون ارتقاء کا اصول بھی یہی ہے۔ جس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس کی تھوڑی بہت کمزوریاں اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتیں۔ جس میں انہی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اس کی تھوڑی بہت صلاحیت اس کے کسی کم نہیں آتی۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہی اصول انسانی ارتقاء کا بھی ہے۔ جس کی صلاحیتوں کا پٹرا جھک جائیگا اسے زندگی کی اسی منزل میں ترقی مل جائیگی۔ جس کا پٹرا کمزور رہیگا، وہ ترقی نہیں پا سکیگا۔ "ترقی پانے والوں، کو اہل جنت کہا گیا ہے اور آگے نہ بڑھنے والوں کو اہل جہنم۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ "الْحَسَنَاتِ يَنْتَظِرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۱۱) "یُنْتِظِرُ حَسَنَاتٍ" (اچھے اعمال) (مستطاع) کو دور کر دیتے ہیں،۔ اگر حسنات (تقویت بخش) اعمال حیات کے سر بھاری ہو تو کمزوریوں کے مضرت رسد اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسانی اعمال کا ایک ایک ذرہ سامنے لایا جاتا ہے (۱۲)۔ لیکن مقصد اسی سے ہوتا ہے کہ حسنات کا پٹرا بھاری ہے یا سیلت کا۔ انسانی ذات کی نشوونما اور ضعف و اضمحلال کے لئے یہی اصول کار فرما ہے۔ جو اعمال اس کی تقویت اور استحکام کا موجب بنتے ہیں، اگر ان کا وزن زیادہ ہے تو وہ اعمال جو اس کی کمزوری کا باعث تھے، نبحے دب جاتے ہیں۔ یعنی ان کے اثرات اسکی نشوونما کو روکتے نہیں۔ لیکن اگر مقاصد اس کے برعکس ہے تو تقویت بخش اعمال، اس کے ارتقاء کا موجب نہیں بنتے۔ (مزید تشریح کے لئے "ن۔ج۔و"، کا عنوان دیکھیے)۔

شیخی

[illegible]

اَلْبَيْتُ ع (غر مغیر و غدا) کے لکھنے میں - اَلْخَوَالِدُ - بہاؤوں چٹانوں اور
 مسرووں کو کہتے ہیں کہونکہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتے ہیں - خزانہ
 دوس ، حیرانہ میں کہنا کہنے پر تیرا جز کر کے چولہا بنا لیا کر کے
 اس جز کے کتب کے بعد وہیں رہ جائے تھے ، وہ نہیں سنا کہ نہیں نے جانے
 کیا - انہیں بھی خوالید کہتے تھے - خَلْدٌ وَ اَخْلَدٌ یہ ممکن
 و ن اَلْمَسْكَن کے معنی میں وہ کسی جگہ مقیم ہو گیا اور کافی عرصہ تک
 اس میں رہا - اَخْلَدَ اَلْجُلُ بَيْتَ حَبِيبِہ کے معنی میں وہ بیٹن اس کے
 مکان کے ساتھ رہا اور اس پر بیٹن نہیں چھوڑا - اَخْلَدَ اَلنَّيْمَہ کے معنی
 میں وہ اسی طرف میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی چمب کر رہ لیا - سورہ اعراف
 میں ہے وَ اَتَوْا بِمَنْ اَمَرَ اَلْمَلِكُ بِمَنْ اَمَرَ اَلْمَلِكُ بِمَنْ اَمَرَ اَلْمَلِكُ بِمَنْ اَمَرَ اَلْمَلِكُ -
 اگر ہم چاہتے ہیں اس کے ذریعے ایسے بدامنی سے نبردہ رہیں لیکن وہ زمین کے
 ساتھ چمب لیا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے سنائی معنی بہت دور
 مسکن سے لگے رہنے کے ہیں - یعنی غر مغیر ہونا اور کسی نے ساتھ چمکے رہنا -

[illegible]

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

رہتا ہے بِحَسَبِ اَنِّ مَلَائِہٖ اَخْلَدَہٗ (۱۱۱) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال زمانہ دراز تک اسے تب عموں سے محفوظ رہے گا۔ یہ اس کا خیال خالص ہے۔ بقا اس کے لئے نہیں جو مال جمع کر کے دوسروں کو اس کے فائدے سے محروم رکھنا ہے۔ بقا اس کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے نفع رسان ہو۔ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَاَیَمُّکُم مِّنْ اِلٰہٍ اِلَّا رُضُّ (۱۱۲)۔

آخری زندگی کی حیات الخلد (زندگی جاوید) کے متعلق یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی ہمشکی، خدا کی ابدیت کی طرح ہے۔ بلکہ نہیں۔ خدا کی ابدیت کے مانند کوئی ابدیت نہیں۔ انسان کی حیات دوام، خدا کے عوالم کے مطابق ہوگی۔ اس کا انجام کیا عورت؟ ذہن انسانی کی موجودہ سطح اس کے متعلق نہ کچھ سمجھ سکتی ہے نہ بتا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن دوسرے نے جنت اور جہنم کے مفہوم کے ساتھ مَدَامَتِ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ (۱۱۳) کہہ کر، خدائی ابدیت (Infinity) کی طرف سے خیال کا رخ کیا ہے۔ (ان آیات میں اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّکَ کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ن۔ ص۔ ی)۔

خ ل ص

خَصَصَ کے معنی ہیں کھوٹ اور میل سے الگ ہو کر صاف اور خاص ہو جانا۔ خَصَصَ مِّنَ الْقَوْمِ۔ وہ قوم سے الگ اور کنارہ کش ہو گیا۔ اَخْصَصَ الشَّیْءُ: کسی چیز کو خالص کیا، جتن سا۔ *** اس لئے اَخْصَصَ اُسے کہتے ہیں جسے دوسروں سے الگ کر کے کسی کام کیلئے خاص اور مختص کر لیا جائے۔ * اِنَّہٗ مِّنْ عِبَادِنَا اِلٰہٌ خَصَّصَ (۱۱۴)۔ وہ (یوسف) عام لوگوں کی راہ نہ چمنے والا نہیں تھا۔ اسے عام لوگوں سے الگ کر لیا گیا تھا۔ وہ ہماری روش خاص پر چلے والا تھا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے ہوتے یسوں کے متعلق ہے خَصَّصُوا النَّجْمَ (۱۱۵) وہ ہمارے مشورہ کرنے کے لئے لوگوں سے الگ ہٹ گئے۔ اسی اعتبار سے خَصَّصَ مِّنْ دُوْنِہٖ (۱۱۶) کے معنی ہیں دوسرے لوگوں کو الگ کر، خاص (Exclusive) ان کے لئے۔ اَللّٰہُ خَصَّصَہٗ۔ اسے لئے خاص کر لیا گیا۔

خَالِصٌ۔ جس چیز سے آمیزش کو الگ کر دیا جائے۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلْخَالِصُ اور اَلْقَصْدُ فی۔ دونوں مرادف بمعنی ہیں۔ لیکن اَلْقَصْدُ کبھی اسی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو ہم سے کسی سے

صاف ہو۔ اور خالِ جس^۲ وہ ہوتا ہے جس سے آمیزش دور کر کے اسے صاف کر لیا گیا ہو۔**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو صاف کرنا اور اس کے زُئد اور فالتو حصوں کو چھانت دینا ہیں۔

اَلْخَالِصُ۔ وہ مکھن یا سونا چاندی جسے بنا کر خالص کیا جائے۔ خَمَضَ اللّٰہُ فُلَانًا۔ خدا نے فلاں کو اس مشاک اور الجھن سے نیکال دیا جس میں وہ بڑ گیا تھا۔ جَسْرَحَ الْجَنَّاہُ دُہَاگَہ سبھایا جاتا ہے*۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَنَجِّنْ لّٰہُ الْمُخْلَصُوْنَ (۱۳۹)۔ ہم سرطرف سے لگ بٹ کر صرف نیکوں خداوندی کی راہ پر چلنے کیلئے مختص ہو چکے ہیں۔ سبکی وضاحت لے، مُسْلِمُوْنَ اور لے، عِبْدُوْنَ نے کر دی ہے جو پہلی دو آیتوں میں آئے ہیں (۱۳۷-۱۳۸)۔ یعنی صرف اس کے توفیق کی اطاعت کرنے والے۔ اس سے مُخْلِصِیْن لّٰہُ التَّائِبِیْنَ (۱۴۰) کے معنی بھی واضح ہو جائے ہیں۔ یعنی اور سب قوتوں سے منہ موڑ کر، اطاعت کو صرف خدا کے لئے مختص کر دینا۔ سورۃ ص میں حضرات انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد فرمایا: اَخْلَصْنٰہُمْ بِلِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الشَّارِحِ (۲۶)۔ ہم نے انہیں عدم لوگوں سے الگ ہٹا کر (ایک خاص گروہ بنا دیا) اس خصوصیت کی بنا پر کہ وہ ہمیشہ زندگی کے انجام و مآل کو اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ حقیقی زندگی کے گہر کو پیش نظر رکھتے تھے (۲۶)۔ لہذا کہ جمہل اس کا نہ وہ طبعی زندگی سے ہو (ان دونوں میں Tie)۔ (ڑے) حقیقی زندگی کو طبعی زندگی کے تقاضوں پر ترجیح دی جائے۔

خ ل ط

خَمَضَ اور خَمَضَ۔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا۔ خواہ وہ اس طرح ملے کہ پھر جدا بھی کرنا جا سکے (جیسے اونٹوں کو پیروں کے ساتھ ملا دینا) اور خواہ اس طرح کہ وہ جدا نہ ہو سکے*۔ صاحبِ معجم کے نزدیک اَلْخَمَزُ جُ صرف سبیل چیزوں کے اس میں ملانے کو کہتا ہے۔ اور اَلْخَمَزُ س سے عام ہے۔*** جو شخص کاروبار میں شریک ہو جائے حَمِیْطٌ کہتے ہیں۔ لہکن جوہری نے کہا ہے کہ اس کے لئے کاروبار میں شرکت ضروری نہیں۔ جو لوگ ویسے ہی آپس میں ہیں جو مل رہے ہیں۔ مل کر رہیں اور اس طرح ان میں دلی تعمین پیدا ہو جائے وہ بھی خَمِیْطٌ کہلاتے ہیں*۔ اس کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہیں۔ اسکی جمع خَمَلَطَاءُ آتی ہے۔ (ابن فارس)۔

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

اِخْتِلَاطٌ کے معنی میں نہرت کے بھی ہوتے ہیں۔ رَجُلٌ خَبِطٌ
مِدْطٌ۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو مختلف اندسب ہو۔ اور اِخْتِطٌ
ولد الزنا کو*۔

خَالَطَهُ۔ اس کے ساتھ مل کر رہا، گڈ مڈ ہو گیا۔ سورۃ بقرہ میں یتیموں
کے متعلق ہے وَ اِنْ تَخَالَطَوْهُمْ فَارْخُوا اَنْفُسَكُمْ (۲۰)۔ اگر تم ان سے
میل جول رکھو یا ان کے کاروبار میں شریک ہو جاؤ تو ہر وقت اسکا خیال
رکھو کہ وہ تمہارے اپنے بیٹائی ہیں۔ سورۃ صٰ ۴۱ خُصَّصَ لَكَ مِنْ خُصَصَاءِ كَا لَفْظِ كَرْوَبَارِ
شُرکاء کہئے آیا ہے (۴۱)۔ سورۃ توبہ میں خَلَصُوا عَمَلًا صَالِحًا.....
(۱۰۲) کے معنی میں، جنہوں نے اچھے کام کو برے کام کے ساتھ ملا دیا۔
سورۃ انعام میں ہے مَا خُتِّمَتْ بِعِظْمٍ (۱۰۲) جو (حربی) ہڈی کے ساتھ ملی
(لگی) ہو۔ سورۃ کہف میں ہے فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتٌ اَلَا رُبَّ (۱۱۱)۔
اس (بارش) کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل جاتی ہے۔

خ ل ع

خَلَعَ۔ کسی چیز کو اتار دینا۔ (نَزَعَ) کے معنی میں آنا ہے اس
طرف کے ساتھ کہ خَلَعَ میں مہبت اور آہستگی ہوتی ہے۔ یعنی بد عمل فوراً
نہیں ہوتا۔ اور نَزَعَ میں جبری اور تیزی پائی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے
خَلَعَ اور نَزَعَ کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ اَلْخَلْعُ۔ گرا ہوا، ٹوٹ ہوا
درخت۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اُس
جیز سے الگ ہو جانا جس کے ساتھ وہ پہلے شامل تھی۔ اَلْخَلْعُ۔ وہ طلاق
جو عورت اپنے خاوند سے حاصل کرے**۔ (یہ فقہی اصطلاح ہے قرآنی نہیں)۔
سورۃ طہ میں ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا فَاخْلَعْ
نَعَمَتَيْكَ (۲۰)۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”تو اپنے جوئے اتار دے“۔ لیکن
صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ تم اسی جگہ
قیام کرو۔ یہیں ٹھہرو۔ جسے تم اس شخص کو جسے تم چاہو کہ تمہارے پاس
کیجو وقت نہ رہ جائے کہتے ہو کہ ذرا اپنے جوئے سوزے اتار کر اطمینان
میں بیٹھو**۔ لہذا آیت کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ
سے کہا کہ تم جبری نہ کرو۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات سنو۔ اب تمہارا سفر
(جو تم تلاش حقیقت میں کر رہے تھے) ختم ہو گیا ہے۔ اب تمہاری مسافتیں
سمٹ گئی ہیں۔ (دیکھئے طوی)۔ اب تمہیں وحی کے ذریعے منزل مقصود

* تاج۔ ** تاج و راغب۔

کا ہتھ ہلا کر دوس و تردد میں جائیگا۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اِخْتِصَاعٌ نَعْمَتِکَ کے معنی یہ ہیں کہ تو اپنے اعلیٰ و اعلیٰ کے مشاغل سے فارغ ہو جا یعنی ذہن سے ن کے خیال کو بدل دے۔ اس نے کہا ہے کہ عرسوں کے دن نَعْمٌ سے مراد اعلیٰ و علیل بھی بنے جاتے ہیں۔

خ ل ف

خَلْفٌ کے معنی ہیں پیچھے۔ نیز یہ بعد کے بنے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً خَلْفُکَ۔ تیرے بعد۔ اَلْخَلْفُ۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن (ایک نسل کے بعد دوسری نسل) نیز ان انسانوں کو کہتے ہیں جو پہلے لوگوں کے جانشین ہوں اور ان سے زیادہ ہوں۔ اَلْخَلْفُ۔ بات کے بعد اس کی جانشین ہونے والی نیک اولاد، اور اولاد ہر اموار ہے تو وہ خَلْفٌ نہ ہلائیگی۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نسل ایک دوسرے کی جگہ بولتے جاتے ہیں۔ ابن بتری نے لکھا ہے کہ خَلْفٌ آدمی کے بعد اس کے پسہ نہہ جانشینوں کے لئے، نیز بسل و عروش کے معنوں میں آتا ہے اور اِخْلَافٌ اس کے لئے جو پہلے کے بعد آئے، جسے ترن کے بعد ترن۔ یا لوگوں کے جانشین خواہ وہ لوگ مر چکے ہوں یا زندہ ہوں۔ عملاک ہو جانے و ترن کے بعد باقی رہ جانے والے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ خَلْفٌ ہر یا خَلْفٌ، دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی گزرے ہوئے کے بعد آئے و سے، البتہ فوری ہے کہ خَلْفٌ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور خَلْفٌ بقر میں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مسدہ کے تین بنیادی معنی ہیں (۱) ایک چیز کا دوسری چیز کے بعد آنا اور اس کے جگہ لے لینا۔ (۲) آگے کی ضد۔ یعنی پیچھے۔ اور (۳) دوسرے و تبدل۔ خَلْفٌ ن بقر میں کہتے ہیں جو ن جھڑے بعد درخت پر نہیں۔ ایک دوسرے کے بعد آنے اور اس کی جانشینی کرنے کے لئے بھی خَلْفٌ بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَا هُوَ بِكُمْ وَهے جس نے رات و دن کو اس طرح بنایا کہ ایک کے بعد دوسرے آتے ہیں۔ اَلْخَلْفُ ن بقر میں کہتے ہیں جو نسی کے بعد اس کی جگہ پر آتے ہیں۔ جوشیح نے کہ ہے۔ اَلْخَلْفُ ن بقر میں کہ خَلْفٌ بقر کے معنی ہیں وہ جسے بقر جانشین ہوا۔ اَلْخَلْفُ ن دوسرے جانشین، نیز وہ فرما کر جو پہلے سے تھے۔ اَلْخَلْفُ ن بقر میں کہ جمع خَلْفٌ اور خَلْفٌ ن بقر میں کہ جب حضرت موسیٰ صویر بنائے تھے اس نے انہوں نے اپنے ہاتھ سے کئے

اُخْلُفْنِي رَفِي قَوْمِي (۱۶۲)۔ تم (میری غیبت میں) قوم میں میرے جانشین بنو۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں ان کی جانشینی کرتا۔ اس میں حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی کا تصور خاص طور سے ذہن نشین کرنے کے قابل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی کسی کی موجودگی میں اس کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اُس کی عدم موجودگی ہی میں ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ زندہ ہو لیکن اُس جگہ موجود نہ ہو۔ اور خواہ مر چکا ہو۔ جنانچہ سورۃ یونس میں ہے تَمَّ جَعَلْنَاكَ كَمْ خَلِيفَتَ فِي الْأَرْضِ مِمَّنْ بَعْدَهِمْ (۱۰)۔ ”میں نے تمہیں اُن کے بعد ملک میں ان کے جانشین بنایا“۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم نے قیوانین خداوندی سے روگردانی کی تو یَسْتَخْلِفُ رَئِیْسُ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (۱۱)۔ ”میرا رب تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لئے آئیگا“۔ تم مٹ جاؤ گے اور تمہاری جانشین ایک اور قوم ہو جائیگی۔ قوم عاد کے متعلق ہے جَعَلْنَاكُمْ خُلَفَاءَ مِمَّنْ بَعْدَ قَوْمِ نُوحٍ (۱۶)۔ ”تمہیں قوم نوح کے بعد ان کے جانشین بنایا“۔ اور ثمود کے متعلق ہے کہ انہیں قوم عاد کے بعد ان کے جانشین بنایا (۱۷)۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آدم (انسان) کے متعلق ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَتَکَ (۱۸)۔ اس کے معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں خَلِیْفَتَکَ اَللّٰہِ فِی الْاَرْضِ۔ یعنی زمین پر خدا کا نائب یا قائم مقام۔ یہ معنی بوجہ غلط ہیں۔ سب سے پہلے تو اس لئے کہ قرآن کریم میں آدم کو انہیں بنی خَلِیْفَتَکَ اَللّٰہِ (اللہ کا خلیفہ) نہیں کہا گیا۔ خَلِیْفَتَکَ فِی الْاَرْضِ کہا گیا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خَلِیْفَتَکَ کے معنی ہیں کسی کے بعد یا کسی کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ لینے والا۔ (انگریزی میں اسے Successor کہتے ہیں)۔ خدا ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے خدا کے بعد یا خدا کی عدم موجودگی میں اس کی جانشینی کا تصور ہی باطل ہے۔ جو خود موجود ہو اس کا جانشین (Successor) کیسا؟ حضرت ابوبکرؓ خَلِیْفَتَکَ الرَّسُوْلُ تھے۔ یعنی رسول اللہؐ کی وفات کے بعد ان کے جانشین۔ وہ خَلِیْفَتَکَ اَللّٰہِ نہیں تھے۔ بیعت خلافت کے بعد ایک شخص نے آپ کو ”یا خلیفۃ اللہ“ کہہ کر پکارا۔ آپ نے اسے فوراً ٹوکا اور کہا کہ میں ”خلیفۃ الرسول“ ہوں، ہوں۔ ”خلیفۃ اللہ“ نہیں ہوں۔ انسان دنیا میں خدا کی جانشینی کرنے کیسے نہیں آیا۔ خدا کے قیام کے مطابق زندگی بسر کرنے

اور اس کے قانون کو نافذ کرنے کیلئے آیا ہے۔ آدم (انسان) کو جو خَلِيفَتَہٗ فِی الْاَرْضِ کہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے سے پہلی مسخوق کا جانشین (Successor) ہے۔ (دیکھئے عنوان ا۔ د۔ م اور ج۔ ن۔ ن)۔ چونکہ جانشینی میں غلبہ و تسلط اور اختیار و اقتدار شامل ہوتا ہے اسلئے اِسْتِخْلَافٌ فِی الْاَرْضِ سے مراد ہے ملک کی حکومت۔ کسی دوسری حاکم قوم کی جانشینی۔ (تفصیل ان امور کی میری تصنیف ”ابیس و آدم“ میں مسیگی جہاں آدم کے متعلق شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے)۔

یہ نظریہ بھی کہ انسان خدا کی نیابت کرتا ہے، قرآن کریم کی رو سے صحیح نہیں۔ نیابت کے معنی ہوتے ہیں کسی کو اپنے اختیارات تفویض کر دینا۔ (Powers Delegate) خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا۔ دنیا میں کسی کو خدائی اختیارات (Divine Rights) حاصل نہیں۔ نہ کسی بادشاہ کو۔ نہ مذہبی پیشوا کو۔ حتیٰ کہ نبی کو بھی نہیں۔ خدا نے اپنے مطلق اختیارات سے قوانین مرتب کئے ہیں۔ خدا کے بنائے ان قوانین کو ہم نے اپنے آپ سر نافذ کرتے ہیں اور پھر باقی دنیا پر۔ انسان کا فریضہ، قوانین خداوندی کی تنفیذ ہے۔ قوانین سازی کے اختیارات اسے تفویض نہیں کئے گئے۔ خدا کا رسول بھی، خدا کا دین (قانون) دنیا تک پہنچاتا ہے اور اسے نافذ کرتا ہے۔ دین پھلتا نہیں۔ اس لئے ان معنوں میں انسان خدا کا نائب نہیں۔ البتہ اس سے اگر مفہوم ”خدا کے قوانین کو نافذ کرنے والا“ لیا جائے تو اور بات ہے۔ لیکن اس کے لئے ”نائب“ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے تفویض اختیارات کا باطل مفہوم ذہن میں آجاتا ہے۔

اِخْتِلَافٌ کے معنی ہیں وعدہ خلافی کرنا۔ اَخْذَفَ وَعْدَہٗ کے معنی ہیں اس نے وعدہ کیا اور بعد میں اسے پورا نہ کیا۔ فَمَنْ يَخْلِفُ مَا عٰمَدَہٗ (۱۰۸)۔ ”اللہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کریگا۔“

اِخْتِلَافٌ۔ اتفق ہونے کی ضد ہے۔ اس کے معنی یکے بعد دیگرے آنے کے بھی ہوتے ہیں*۔ (جیسے اِخْتِلَافُ الْقَمَلِ وَالْقَمَرِ ۱۰۹) رات اور دن کے یکے بعد دیگرے بدل کر آنا۔ اور اختلاف یا مخالفت کرنے کے بھی*۔ (جیسے فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۱۱۰)۔ ”پھر ان کے درمیان فرقوں نے اختلاف کیا“۔

بعض کا خیال ہے کہ خدمتِ اولاد صالح اور کلمتے میں اور خدمتِ
 غیر صالح اور بعض نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا۔ قرآن حکیم میں
 فَخِمْتُ مِنْ بَعْدِهِمْ هَمْدًا ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ كَافِرًا ۚ
 تَخِيفًا ۚ پھر وہ جانب اولیٰ - مَخِيفَتَانِ ۚ - پھر وہ جانے والے (۱) -
 نَزَّ كَفَّةً ۚ اسکی مخالفت کی - مَخِيفًا ۚ وہ دو قسمہ خلافی کلمے اولیٰ -
 مَخِيفَتَانِ ۚ انکی الکی اولیٰ - مَخِيفَتَانِ ۚ ج شمن (۲) - مَخِيفَتَانِ ۚ
 وارث (۳)۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کا نتیجہ استیخلاف فی الارض بتا دیا
 ہے (۱)۔ لہذا جس ایمان اور جن اعمال کا نتیجہ میں دنیا میں غلبہ و اقتدار
 اور حکومت و شوکت نہیں قرآن حکیم کی رو سے نہ وہ ایمان ایمان ہے نہ
 وہ اعمال اعمال صالحہ۔ ایمان و اعمال صالحہ کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ ان کا نتیجہ
 صرف آخرت میں (مرنے کے بعد) برآمد ہوگا، اس دنیا سے ان کا راجعہ واسطہ نہیں۔
 یہ ان سے مقصود ایک فرد کی اپنی "روحانی برقی" سے جسے معاشرہ کی اجتماعی
 زندگی سے تعین نہیں۔ قرآن حکیم کی تعبیر کے خلاف ہے۔

سورہ ہود میں ہے کہ حضرت شعبؑ نے اپنی قوم کو غنیمت و خوش
 زندگی سے باز رہنے کی تلقین کی اور فرمایا وَمَا رُبُّهُمُ أَنْ أُولَئِكَ كُفِرُ لَہُمْ
 مَا نَزَّلْنَاهُمْ مِنْ عَنَّا ۚ تَوَجَّعَ لَکَہُمْ ۚ کہ خدا نے انکی قوم پر جو نعمتیں
 معنی میں انکی قوم سے منع کرنے کے بعد اس کا قصد کرنا۔ لہذا کلمت کے
 معنی یہ نہیں کہ جس بات سے تمہیں رونما ہونے والی چیزیں ارادہ نہیں
 کہ میں خود اس کا قصد کروں۔

قرآن حکیم کی رو سے کسی قوم میں باہمی اختلاف حرام کا مذہب ہے
 (۱)۔ اور اختلافات کا منہ جانا اللہ کی رحمت (۱)۔ قرآن حکیم، لوگوں کے
 باہمی اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے (۲)۔ اور اسی لئے یہ نبی خدا کی طرف
 سے رحمت ہے۔ جتنی زندگی کے مستحق وہ ہیں جن میں اختلافات نہ ہوں
 (۳)۔ باہمی اختلافات اور دین میں تفرقہ شرک ہے (۴)۔ مسلمانوں
 کے باہمی اختلافات مٹانے کا طریق یہ ہے کہ ان کے درمیان فیہ معصیت
 فیصدہ قرآن حکیم کے مطابق کیا جائے (۵)۔ لیکن یہ فریضہ امت کا
 اجتماعی نظام (حکومت فرائی) میں انجام دینا ہے (۶)۔ ان امور کی
 مزید تفصیل فرائق کے غنوں میں ہوگی۔ نیز دیکھئے معرزی کتاب
 سلیم کے نام خطوط - جلد دوم)۔

[illegible]

(۱) اگرچہ میں نے اس کے بارے میں سوچا ہے۔ لیکن میں نے
 اسے نہ مانا ہے۔ اس کے خلاف اس کے معنی میں اس کے
 معنی میں اس کے خلاف اس کے معنی میں اس کے خلاف
 کے بھی **۔

[illegible]

ہر کہ او را قوت تخلیق نیست نزد ما جز کا فرو زندگی نیست

[illegible]

البرج و این دریا در نزدیکی شهر است

قدرون کرمہ میں نمی انڈرم کی معنی ہے و کائنات کے عمل میں
عظیمیہ ہے اور یہی تو خفی عظمہ کی حامل ہے۔ جس کا کہ ہمیں لکھا
جاتا ہے، خفی کے معنی ہیں اعظم، تبارک و تعالیٰ۔ یہ حق
صرف انسانیت کی ذات ہے۔ نمی انڈرم کی ذات کار میں ہیں سہ شریف انہی
پر ساری صلیح ہے۔ شہر کے محل میں حیر ہو "خفا" ہے، یہ تعریف ہے، جدا
ہے وہ شہر کے دور میں کی تصانیف انسانی کا کلمہ ہیں۔ قدرون کرمہ کے
جس میں صفت دیہی کی صفت کی ہیں، وہی صلیح انہی میں ہیں۔ اور ان صفت کی
وہ تو ہیں شہر نمی انڈرم کی ذات اور ان کے جو نوع انسانی کے لئے ہیں تو ہیں
نہیں ہے۔ خصوصاً کی سیرت کا یہ نہ ہونہ قدرون کرمہ کے لئے ہونہ

خ ل ل

[illegible]

خُصْمَتٌ - دہشتی - اہل اہل اس اعتبار سے کہ دوست ایک دوسرے
کے دشمن کے نام سے کہتے ہیں۔ یہ ہمیں ایک دوسرے کی احتیاج
ہوتی ہے۔ خُصْمَتٌ جمع خُصْمٌ - دوست (دشمن) - خُصْمٌ - دشمنی
- دوستی (دشمن)۔

1940

خ ل و

خداوند تعالیٰ کے ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں کسی جہاد سے کسی جہاد سے
نہیں ہے۔ نہ کسی جہاد سے کسی جہاد سے اور جہاد جہاد۔ نہ کسی جہاد سے
نہیں ہے۔ نہ کسی جہاد سے کسی جہاد سے۔ نہ کسی جہاد سے کسی جہاد سے۔

* تاج -

ہے کہ خُمُوۃ کے استعمال زبان اور مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔ چونکہ زمانے میں مرور (زمن) باب جاتا ہے اس لئے اہل لغت نے خَلَا الزَّمَانُ کے معنی زمانہ گزر گیا کر لئے *۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے ہمدادی معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز سے الگ ہو جانا۔

قرآن میں خَمَوُا بِمَقَابِلِهِمْ شَوَّاءَ کے آسا ہے (۱۰۰) وہاں جہنم اس کے معنی غمیجی اور لٹھیاؤں میں منہ کے شمس - خَمَوُا مِنْ قَبْلِكُمْ (۱۰۱) کے معنی میں وہ لوگ جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں - تَبِيبُكَ اَمْتًا (۱۰۲) خَمَتِ (۱۰۳) یہ سب جہنم تھی جو (۱۰۴) چکی، (۱۰۵) دَاۤیْمًا رُخَّاءَ (۱۰۶) کے معنی ایسا گندہ، (۱۰۷) سورۃ یوسف میں یَخْنُکَ (۱۰۸) وَاَجْمُکَ (۱۰۹) کے معنی میں نم، رت باب کی - رَی نُوْجِبُہُ خَلَصًا تَمْرًا لِّیْ ہُوَ جَدُّکَ (۱۱۰) - دھوئی دوسرا شخص - رِبَکَ نہیں ہوگا - خَلَا فِیْہِمْ نَارٌ (۱۱۱) جس میں دھوئی وہ نرنے والا - کُزِرَ ہُوَ - سَمَتَ (۱۱۲) اس کی اور صاف ہو جائے - یَخْنُکَ (۱۱۳) سَبْرًا مِّنْہُمْ (۱۱۴) ان کا راستہ چھوڑ دو - ان سے تعرض مت کرو - سَمِیْجٌ (۱۱۵) سَیْجَرٌ کے معنی میں قیسوی سو راد کر دیا ***۔

خ م د

خَمَدَاتِ النَّارِ - آگ کے شعلوں کا ساکن ہو جانا اگرچہ اس کے انکار نہ ہجھے ہوں - گر نگارے بنی بچہ جہنم تو سے خَمَدَاتِ النَّارِ کہہ سکتے۔ ابن فارس نے اس کے ہمدادی معنی حرکت کا ساکن ہو جانا، نیز گرجنا سے ہے۔ اس - اَخْمَدَ (۱۱۶) - میں نے آگ کے شعلوں کو ساکن کر دیا - اَخْمَدُوْا (۱۱۷) وہ جگہ جہاں آگ نہ رہے رہا ہے - خَمَدَ سُرَّیْضٌ - مریشیں سریش ہو گئیں مر گیا - مَوُودٌ خَمِدٌ (۱۱۸) - وہ لوگ جن کی نہ کوئی آگ نہ سنو ***۔ سے حس و حرکت لوگ - اَخْمَدَ کَتَابًا (۱۱۹) - خدا نے اسے ذلیل کیا یا موت دی ***۔ سورۃ انہم میں ہے جَعَلْنَا فِیْہِمْ حَصِیْرًا خَمِیْرًا (۱۲۰) - ہم نے انہیں نشوونما کی صورت سے عاری کر کے بسے حس و حرکت کنی ہوئی کھنسی کی طرح کر دیا - دوسری جگہ ہے فَارِذًا ہُمُ خَمِیْدٌ (۱۲۱) - سو دیکھو! وہ بچے ہوئے انکاروں کی طرح ہو گئے - زحاح نے بھی اس آیت کے معنی سے موت لکھا ہے کہ یہاں سے لے معنی ہلاکت اور مرنا ہے ***۔ تب ہ ہو جانے والی قوموں کے خون سے حرارت سب ہو جاتی ہے در

*راغب - **تاج و راغب ***محیط - ****تاج۔

ان کے ہیکر دیکھ کر دھیر نہ جاؤ گے۔ یہی ان کا حوالہ ہے۔ بیچنے والے
 ان کے لئے ان کی حالت میں کی سی چیز و کتاب کچھ ہاں کھڑی ہیں اور
 ان کے صرف نشانات باقی رہ جاتے ہیں۔

خ م و

[illegible][illegible]

کمزور ہو جاتے ہیں کہ ان میں جسم و جہرہ اور سعی و عمل کی شہت باقی نہیں رہتی۔ اسی لئے انہیں رجس میں عمل کرنے پر قرار دیا گیا ہے۔ ان سے بڑا رشتہ کی تاکید کر دی گئی (۱۰۹) اور بت دیا کہ ان سے تمہارے اندر باقی عدوت پیدا ہو جائیگی اور تم نظام صحت کو قائم کرنے کے قابل ہی نہیں رہو گے۔ (۱۱۰) خمر (سراب) کے طبی اثرات کے متعلق داکٹروں کی تحقیق یہی ہے کہ اس کا پہلا اثر دورانِ خون کو تیز کرتا ہے۔ اور یہ چیز بہتر حالتوں (بیماریوں) میں اچھے نتائج مرتب کرتی ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کا اثر دورانِ خون کو بہت سست کر دیتا ہے۔ اور یہ نہایت گم ہوتا ہے۔ لہذا اس کے اپنا فائدہ رکھنے کے مقابلہ میں اس کا شہری نقصان کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

خمر (۱) اور مسر (۲) سے صرف انسانی جسم ہی میں اضمحلال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے نباتی ذائقہ کی توانائیاں بھی افسردہ ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

خ م س

خَمْسَةَ - پنج - د - وَ يَتَوَلَّوْنَ خَمْسَةَ (۱۱۱) - یَوْمَ
الْخَمِيسِ - پنجواں دن (جمعرات) - خَمْسُونَ - پچاس - ۵۰ - لَا
خَمْسِينَ عَمَّا (۱۱۲) - خَمْسِ - اور خَمْسِ - پنجواں حصہ - فَإِنَّ رَبَّ
خَمْسَةَ (۱۱۳) - خَمْسِ - پنجواں - اس کا موزن آخِ مِائَةِ ہے (۱۱۴)
مَنْ خَمْسَتِ الْخَمْسِ - پنجوں حصہ (۱۱۵) اللہ اور رسول کے لئے (۱۱۶)
یعنی میں کو نظام خداوندی کے لئے - امر میں میں کو اہل کی اجتناب
ضروریات پر صرف آریگا، سی شور فی سبیل اللہ کہا جانے لے۔

خ م ص

خَمْسَةَ - بیس - خَمْسِ الْبَتْنِ - سب کپڑے سے تین سو
گیا اور نہ - نو - حک - ۱۱۷ - خَمْسِ - پانچ کے تین سو تیس
جسکا معر (۱۱۸) نہر کی طرف ہوتا ہے - چونکہ پنج بیس میں سب
میں طرح سے لگائے گئے ہیں اس لئے اس طرح کے بیس کے تین سو
خَمْسِ - نہیں ہیں - اور مسجد زمرین خَمْسِ - پنجوں کے لئے کہیں
قرآن میں خَمْسَةَ - سخت بیس کے لئے بتا دیا ہے۔

خ م ط

خَمَطٌ الشَّجَرُ بِخَمِطِهِ - اسنے گھونٹ کر بنیوں لیا۔ اگر اسے
نی میں ابل لیا جائے تو سَمَطٌ کہیں گے۔ اَلْخَمَطُ - کھنڈا - ہر کٹوڑی
حیز۔ ہر پودا جس میں کسبلا بن اور کڑواہٹ ہو۔ ایک قسم کا زہر قتل
پر زہر دلا مہمک درخت۔ ہر نرے کانٹوں والا درخت، سمو کے درخت کا پھل*۔
راغب نے اس کے معنی سمو کا درخت کئے ہیں۔ قرآن کریم میں اہل سبا
سردناب کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ ان کے عمامہ یا انصاف کی جگہ ایسے
بافتے پیدا ہو گئے جو ذَوَاتِی "کٹل" خَمَطٌ تھے (۱۰۰)۔ یعنی کٹوڑے
بنیوں والے۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی زندگی کی
خوشگوار یوں کو بدمزگیوں سے بدل دیا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) نڈکا اور نڈا
وز سیاہ ہونا۔ اور (۲) تسمیٰ و شبہ۔ اس اعتبار سے (معنوی انداز میں) اس
کا مفہوم ہونا کسی کو جور و اکراہ اور ظلم و استبداد کی پاداش میں متاع
میت سے محروم کر دینا۔ یہی اہل سبا کے ساتھ ہوا تھا۔

خ ن ز ر

اَلْخَنَزِرُ رَكَّةٌ - مون ہونا۔ بڑا سوٹا ہتموڑا جس سے متور توڑے جاتے
ہیں۔ اَلْخَنَزِرُ يَرُّ - سورا (جمع خَنَزِرٌ يَرُّ)۔ خَنَزِرٌ - اس نے خنزیر کے
سے کام لئے۔ کسی کو کنکھنیوں سے دیکھنے کیلئے بھی یہ لفظ آتا ہے**۔
قرآن کریم میں لحم خنزیر کا شمار حرام اشیاء کی فہرست میں ہوا ہے (۲۱)۔
بہر ان لوگوں کیلئے بنی یہ لفظ (خنزیر) ہے جن کی سہرتیں مسخ شو کر
سہ تہرین حیوانوں جیسی ہو جائیں۔ (۱۰۰)۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کا
استعمال مسخ صورت اور مسخ سہرت دونوں کیلئے ہو سکتا ہے***۔ (نیز
دیکھئے عنوان ف۔ ر۔ دا صاحب غریب القرآن نے اسے خَنَزِرٌ - نَزَرٌ سے
مرتب کیا ہے جسکے معنی ہیں سری گئی اور نہ میں حیز***۔

خنزیر اس طور کے معنی یہ ہے سبب چیز ہے کہ اسے ذنب میں ہر جگہ
میں نفرت سمجھو، جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یورپ کی جو قومیں اس کا گوشت کھاتی
ہیں وہ بھی اس کے نام کو بطور نفرت استعمال کرتی ہیں۔ خود بائبل میں
اس کا ذکر اسی انداز سے آیا ہے۔

و شواہد سے کسی فائدہ کی توقع کرنا۔ اسی لئے قرآن کے-ریہ میں خَوْفًا و صَمَعًا اکٹھا آیا ہے (۱۵۶)۔ اس کے برعکس حُزُنٌ بالعموم اس غم کو کہتے ہیں جو حادثہ کے گزر جانے کے بعد اس کے نقصان کی وجہ سے ہو۔ یعنی خَوْفٌ کا تعقیق مستقبل (حادثہ واقع ہونے سے پہلے) کے اندیشہ سے ہے۔ اور حُزُنٌ بالعموم گزرے ہوئے واقعہ کے غم کو کہتے ہیں*۔ چنانچہ سورہ النساء میں ہے وَنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْدِیْمٍ: نَشْوَ زَا (۱۲۸) جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو۔ لہذا خوف خداوندی کے معنی یہ ہیں کہ اس احساس سے کہ قوانین خداوندی کو چھوڑ دینے سے میرا کس قدر نقصان ہوگا، ان قوانین کا تبع کرنا۔ سطر روش کے تباہ کن نتائج کے احساس اور اندیشہ سے اس روش سے بچنا رہنا۔ چنانچہ سورۃ نحل میں اشیائے کائنات، اور ملائکہ کے متعلق ہے یَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (۱۵۱)۔ یہ اپنے نشو و نما دینے والے کے غلبہ و قدار سے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں،، یعنی وہ قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کا نتیجہ فساد ہوگا۔ لہذا خدا کا خوف کسی مستبد حاکم کے خوف کے مرادف نہیں۔ اس خوف سے مفہوم ایسا ہی ہے جیسے ہم جنس کے اندیشہ سے آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ چنانچہ اَلْخَافَةُ اس چرمی جہ کو کہتے ہیں جسے چھتے سے تسمہ نکالنے والا اوڑھ لیتا ہے (تاکہ شہد تو مل جائے لیکن وہ مکھیوں کے دنگ سے محفوظ رہے۔ نیز نوبہ جس میں (تلف ہونے کے خوف سے) کسی چیز کو محفوظ کیا جاتا ہے**۔

خَوَافٌ۔ شورو غل کو کہتے ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ کے بنیادی معنی پریشانی اور گھبراہٹ کے ہیں۔ خَوْفٌ کے معنی قتل اور جنگ کے بھی ہیں***۔ چنانچہ (۱۵۰) میں خَوْفٌ کے معنی قتل و قتل کے کئے گئے ہیں۔ تَخَوَّفَ اَلْاَشْیَاءُ کے معنی ہیں کسی چیز کو کم کر دینا***۔ تَخَوَّفَهُ حَقُّہ اس کے حق کو کم کر دیا۔ اَوْیَا خُذَّہُمْ سَمِی تَخَوَّفَ (۱۵۱) کے معنی ہیں انہیں بتدریج کم کرتا ہوا تباہ کر دے، دفعۃً نہیں۔ نیز تَخَوَّفَ کے معنی خوف کرنا، ڈرتے رہنا ہیں۔ اس طرح یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہوا وجود ان کے خوف کرنے اور شوشہ مار رہنے کے کی گرفت کر لے۔ لیکن اول ان کو معنی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں۔

اَلْخِیْفَةُ۔ حالت خوف کو کہتے ہیں***۔

*راغب۔ **تاج۔ ***محیط۔

اتباعِ ہدایت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کو خوف اور
حزن نہیں رہتا (۱)۔ لہذا اگر کسی قوم پر خوف چھایا رہے تو اسے سمجھ
لینا چاہئے کہ وہ ہدایتِ خداوندی کا اتباع نہیں کر رہی۔ مومن اور خوف
میں دو متضاد باتیں ہیں۔ لفظ مومن کا تو مادہ ہی امن ہے۔ پھر اسے بطل
سے خوف کیوں؟

خ و ل

لَا تَخْشَوْنَ - میں نہ ڈرو، یعنی ساموں - اجمع اخشوا - (۱)۔ تَخْشَوْنَ لَکُمْ -
خُشَوْوْا - (۲)۔ تَخْشَوْنَ لَکُمْ - میں کی بہن بنا خدا۔ اس کی جمع خَشَاکَ ت ہے۔
اسی - اخشوا (۱) میں آیا ہے۔ التَّخَالُف - بتلاشی کا نشان جو کسی کسی
میں نظر آئے۔ نس - کہ حینئذا - سہاہ اونٹ - خُشَوْوْا - (۲)۔ وہ اونٹوں پر
میں - (۳)۔ بن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی خوف
نری اور نکلنا۔ اشت کرنے کے ہوئے ہیں۔ خُشَوْوْا - تَخْشَوْنَ لَکُمْ کسی کو
میں خشم و خمد سے کر دینا۔ یا ایسی چیزیں دینا جن کی نگرانی اور دیکھ
نوں کی ضرورت پڑے۔ * ذَا خَوْفٍ لَّکُمْ، نِعْمَتٌ لَّکُمْ (۸)۔ "جب اللہ اسے سامن
کے دشمنوں کو کر دے۔"

خ و ن

تَخْشَوْنَ کے بنیادی معنی میں کسی چیز کو خشم کر دینا۔ خُشَوْوْا -
سے نسو نہ کر دینا۔ رَفِیْ تَخْشَوْنَ - سر کی کمر میں ضروری ہے۔
خو کی چھٹا، ہٹ کر بھی خُشَوْنَ کہتے ہیں۔ *

خَان - یَخْشَوْنَ - خَوْفًا سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو
نہ اسے سبھا جائے وہ اپنی امانت اور عہد کا پاس نہ کرے۔ اس کا نام
خِیَافَت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خِیَافَت دراصل اعتماد اور غروہ کو
ضائع کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں خَان لَکُمْ تَخْشَوْنَ لَکُمْ - (۱)
سے خوں سے خونہ کی وردنمان سے خوف گئی جس کے سبب سے خوں کنوین
میں نہ رہے۔ ہم رستی کی مضبوطی کے پوروسہ پر خوں سے خوں سے
میں۔ اگر رستی نہ مان میں پہنچ کر ٹوٹ جائے تو یہ اس کی خِیَافَت کہہ سکتے
ہے۔ نہ لَکُمْ تَخْشَوْنَ تو یہ ہے کہ انسان کسی کی طرف سے مطمئن رہے
جائے اور اسے اعتماد نہ ہو۔ لیکن خِیَافَت میں یہ اعتماد اور غروہ
ح - نہ سب -

نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے قوانین خداوندی کے منعفی
کے ساتھ کہ وہ ایسی مضبوط کڑی ہے کہ لا اَنْفِصَّامَ لَهَا (۱۰۲)۔
جو نبی ٹوٹ نہیں سکتی۔ ان پر پورا پورا بیروسہ کہ جا سکتا ہے۔ یہ
ذمہی راستہ میں دشمن نہیں دیتے۔ یہ درمیان میں پہنچ کر ٹوٹ نہیں جاتے۔
صرف ٹوٹ کر نقصان پہنچتا ہی نہیں بلکہ ہر تغیر، کمی اور تبدیلی کرنے
نَوَّاصِرًا (۱۰۳) کہتے ہیں۔ خَاتَمُ الدِّعْوَةِ۔ زمانہ کے ساتھ وہ نہ
کی، یعنی اس کی حالت بگاڑ دی*۔

قرآن میں ہے اِنَّ اِلٰهًا لَا يَخِيْبُ مَكَّةَ خَوَاتِنٍ كَذٰلِكَ (۱۰۴)۔
خَوَاتِنُ ہر ایسے شخص کو کہہ سکتے ہیں جس پر اعتماد اور بیروسہ نہ کیا
جاسکے، اور وہ دشمن بھی جو ہماری حالت میں خرابی دے۔ اگر دینے کی کوشش
کرتے۔ نَزَّ بَرًّا خَائِنًا۔ قرآن حکیم نے نذات کی خیانت تک سے منع کرتا ہے (۱۰۵)۔
سُورَةُ بَرَّةٍ میں ہے اَنْتُمْ كُنْتُمْ نَخِيْتًا تُنُوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۱۰۶)۔
راغب نے لکھا ہے کہ خَائِنًا سے مراد خیانت کا ارادہ یا تیاری کرنا ہے۔
لہذا دوسروں سے تو ایسک طرف، خود اپنی ذات سے بنی خیانت نہیں کرنی
چاہئے۔ بلکہ خیانت کا خیال تک بھی دل میں نہیں لانا چاہئے۔ سب سے بڑا
جرم خود اپنے آپ سے خیانت کرنا ہے۔ یعنی جن امور کو تم صحیح و درست
سمجھتے ہو ان کے خلاف عمل کرنے (خواہ اس کا قسم کسی دوسرے کو ہو یا
نہ ہو)۔ یہ انسانی خودی کی کمزوری کی دلیل، بلکہ (Dil Power) کی
علامت ہے۔ یعنی اُن باتوں کو ماننے و نہ کوئی اور ہوتا ہے اور ان کے خلاف
کام کرنے والا کوئی اور۔ قرآن حکیم اس سے بڑھتا ہے۔

سُورَةُ نَسَا میں ہے الَّذِيْنَ نَخِيْتَنَّهُمْ اَنْفُسَهُمْ (۱۰۷) جو لوگ
اس میں ایک دوسرے کو دشوار دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ سورہ انفال میں
ہے کہ تم نہ تو خداوندی کے خلاف سازش کرو۔ (لَا تَخْذُوا نُوًا)۔
اور نہ ہی ان امور میں کسی قسم کی خیانت کرو جو تمہارے بہرہ کثیر
جائیں (۱۰۸)۔

خ و ی

خَوَاتِنِ اَسَاْرٍ۔ پھر ویران ہو کر گر بڑا۔ ابن فرس نے اس کے بنوادی
معموں میں خانی ہونا اور گستاخ لکھتے ہیں۔ اَرْضٌ خَاوِيَةٌ۔ ویران زمین*۔
اَلْخَوَاتِنُ کے معنی خالی ہونے کے ہیں* اَلْخَوَاتِنُ۔ جگہ خالی ہوئی۔

* تاج - ** راغب - *** محیط -

سورہ بقرہ میں ایک بستی کے متعلق ہے و اَشْيٰى خَوْرِيَّةً عَسٰى
شُرَّ وَ اَشْيٰى اٰمًا۔ برباد اور ویران جسکے مکانات گر پڑے ہوں۔ یہ اس کے
مکان، بنا وجود چھتوں کے قسائم شونے کے خدائے تھے۔ سورۃ بقرہ میں ہے
مَجِئَ رَفِخٌ خَوْرِيَّةً اٰمًا اندر سے کہو نہیں شو کر گر پڑنے والے
بھجور کے تھے۔ تباہ و برباد۔

مشی پ

خُتَابٌ - بِخَيْرٍ مُبَشِّرٌ - مُسْتَهَبَةٌ - مَحْرُومٌ رَهْ جَانًا - نَسَبٌ نِيَهَانٌ - مَدِيُونٌ
 دُو جَانًا - نَامِرَانٌ رَهْ جَانًا - نَوَقَعَتُ كَا مَنَامُ شَو جَانًا - مَحْمُودٌ كُو حَاصِلُ نَدَا
 شَرَسَا - مَحْتَاَجٌ وَ قَفِيْرٌ شَو جَانًا - اُخْتَابٌ اس حَقِيقِ كُو كَمِيَّتِي عَمِي
 جَمِي سِي آك نِيَه نَكَايِي - (اِيْن فَارِسِي قِرَانِ مِي سِي فَتَنَتُمُودِيُو اَخْتَابِي مِي
 - ۱۳) - "وَهْ خَامِرُونِ مَرْدُو اس شَو جَانِي" - قِرَانِ كَرِيْمِي مِي خُتَابِ كَا لُغَتِي
 مُتَمَحِّجِ كِي مَهْ بِيَه مِي آيَا هِي - مُتَمَحِّجِ كِي مَعْنِي مِي نَسَبِيُو كَا رُو نِ چَرَهِي
 مَر بِيَارِ شَو نَا - نَهِيَا خُتَابِ كِي مَعْنِي شَو نَكِي دِي سِي مَر رَهْ جَانًا - فَتَنُ مُتَمَحِّجِ
 مَنُ رَحْمَتِي - وَ قَتَنُ خُتَابِ مَنُ دَسْتَهَبَتِي ۱۰۱ - جَمِي نَسَبِي ذَاتِ اَنَفَسِ -
 كِي نَشَرُو نَمَا كِي اسِي زَنَگِي كِي كَمِي نِي رُو نِ چَرَهِي كِي - جَمِي اِي سِي دِي
 زَا دِيَا اُو رَا بِيَارِي نِي دِيَا اسِي كَشَفِ حَقِيقَتِي شَو نَكِي - اس كَا نَعْمِي زَنَگِي
 فَا سَرْدِي شَو نِي - اِي سِي جَنَافِ كِي مَانَدِي شَو نَا جَمِي سِي چَمَا رِي نِيَه نَكَايِي - مِي
 اِي سِي سَرْدِي اِي رِ بِيَارِي مِي خُتَابِ كِي نَسَبِي هَمَا كِي هِي رُ دِي كِي هِي - تَبَا شِي
 اُو رَا بِيَارِي اُو رَا - مَمِي مِي زَنَگِي كِي بَرِيَادِي بِي شِي هِي اِي كِه يِه تَمُو
 سَب سِي نَهِي سَامَنِي آ جَمَانِي هِي - اِي سِي اَنَسَانِي ذَاتِ (۱۰۲) كِي نَشَرُو نَمَا كِي
 مَر مِي نَمِي جِي مِي دِيَا كِي خُشْكَوَارِيُو كَا حَاصِلُ شَو جَانِي هِي - تَرَكِ دِيَا
 سِي "رُو جَانِي تَرَقِي" كَا خَبَلِ مَر فَا رَانِي هِي - اَنَسَانِي تَرَقِي نَسَبِيُو كَا نَدِي
 مَوْتِي هِي - وَ زَنَگِي جَمِي مِي نَعْمِي نِيَه شَو نَا كِيَا كَا مَر هِي -

رشی ر

۱۔ خبیثہٴ شر - ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو سب کو مر غوب ہو۔ نیز مفسد چیز۔
یہ نیکو کی ضد ہے۔ "خبیثہٴ شر" ہر قسم کے مال کو کہتے ہیں۔ عرب لفظوں
کو بھی ان کی فوجیت کے اعتبار سے خبیثہٴ شر کہتے تھے (۳)۔ خبیثہٴ شر -
مرحور و خیر المذائق عورتوں کو کہتے ہیں۔ (۲) یا جن میں بہت سی

سوئی*۔ رفی سَیْمَرِ الْخِیمَةِ: سوئی کے لڑکھ میں (بنا)۔ خَیْمَتُ السَّوْرِ: کھڑے کے ایک حصے اور دوسرے حصے کے ساتھ سی ڈھل۔ خِیْمَتُ*۔ درزی*۔

قرآن کریم میں دونوں کے احکام کے ساتھ میں خِیْمَتُ السَّوْرِ اور خِیْمَتُ الْاِسْوَدُ آئے ہیں۔ یعنی مندرجہ ذیل اور۔ اور۔ کہ۔ سے مراد ہے صبح کی پہلی دن روشنی اور رات کی تاریکی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن حکریب میں سورج اور جگہ لغتی معنی نہیں لئے جس سے ہم کہہ منہوم کے اعتبار سے مشابہت پیدا ہے۔ امی۔ ہر صائف۔ حقہ میں خِیْمَتُ السَّوْرِ اور خِیْمَتُ الْاِسْوَدُ کے معنی (روشنی) کئے گئے ہیں۔

اِسْخَمَتْ*۔ رنگی ہو بھی کہتے ہیں۔ اور جھانک ہو بھی۔

خ ی ل

خَال*۔ بے خیال*۔ کھان کرنا۔ خال کرنا۔ خَشَق*۔ نازہ سے معہوم کرنا اور تازہ۔ خَشَقِ السَّيْرِ: سارے کے وہم میں کھو کر ایسی معہوم ہوئی۔ یعنی کوئی جز جو در حقیقت ایسی نہ ہو لیکن عوامی معہوم میں ایسی دیکھائی دے۔ چنانچہ السَّيْرِ: السَّيْرِ: اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے تم دیکھنے پر برستا ہوا خیال کرو۔ خِیْمَتُ السَّوْرِ: اس کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دو مکانات کے اوپر سیاہ رنگ کا کھڑا دل تراشے کی شکل دیتے ہیں اور ٹیپت میں کپڑ کر دیتے ہیں تاکہ جس نور سے انہیں سمجھ کر کیفیت کے فریب نہ کس۔ انہی معنی کے لفظ سے سورہ ہود میں سدسین دربار فرعون کے متعلق ہے کہ انہوں نے رسول کو سبک دیا۔ خِیْمَتُ السَّوْرِ: مِیْحَرُ رَیْحِ السَّيْرِ: سارے کی نازہ بندی کی وجہ سے حضرت موسیٰ کے ذہن میں ایسا خیال پیدا ہوا کہ وہ دور رہی ہیں۔ یعنی وہ در حقیقت دور نہیں رہی تھیں لیکن سب معہوم شدت سے گھوڑا وہ متحرک تھیں۔ اب سورہ کہف کے سورہ (۱۸) کے متعلق کئی بڑی حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ سورہ کے لفظ کی مسابقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ صرف دیباچہ میں سورہ کے لفظ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جس سے اسے وہ لفظ ایسی نظر آئے کہ جو اس کے معنی اس کا اثر محض نفسیاتی ہوتا ہے۔

نہیں کہ وہ منہ ہڈی اسی صورت میں نما جائے جب در و درعوں کے منہ ہڈیوں کی "رسموں اور لایمیں" کو حقیقی معنوں میں لہ جائے۔ اگر ان کے مجازی معنی لئے جائیں تو منہ ہڈی اور ہڈی۔ لہذا ان امور کی اسے اسے منہ ہڈی پر ملیگی۔ (نیز دیکھئے عنوان م۔ ح۔ ر)

اسی سے خُتَمَ لَاحِدٌ کے معنی ہیں ایسا غرور جو انسان اسے اندر ہونے والی کسی ذہنی بڑائی کی بناء پر پیدا کرتے۔ یعنی وہ بڑائی در حقیقت اس میں موجود نہ ہو لیکن وہ خود فریبی سے اسے سمجھتا ہے کہ اس میں وہ بڑائی ہے اور دھڑلے میں یہ غرور بڑے بڑے گئے۔ ایسا کرنے والے کو مُخْتَلِعٌ کہتے ہیں۔**

(۱) یعنی خود فریبی میں مبتلا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس بناء کے بنیادی معنی ایسی حرکت کے ہیں جس میں انسان اپنی شامل ہو۔ خُتَمَ لَاحِدٌ سی ہے۔ خُتَمَ لَاحِدٌ در حقیقت اس حد تک کہ انسان خواب میں دیکھتا ہے۔ ایک سو خواب میں شر شے منہ ہڈی ہوتی ہے۔ انہی کی بناء پر کہتے ہیں۔ دومبرے انسان سمجھتا ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ دیکھتا ہے وہ فی الواقع ایسا ہے۔ حالانکہ اسکی حسیات نہیں ہوتی۔ اس سے اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ساحرین کی سحر بازی کا ذکر ہے اور جو اور روح کی جاہ کی ہے۔ یعنی

...

و غیب نے کہا ہے کہ اس سے لفظ خُتَمَ لَاحِدٌ (۱) کے (یعنی ٹیڑھے یا منہ ہڈی کا بناء) بنا، حالانکہ گہور میں اسکی بناء میں ٹیڑھا ہوا چلتا ہے۔ اور سورہ کے دل میں بھی ایک عجیب قسم کا بکیر سا ہوتا ہے۔*

خ ی م

تَخْيِيمٌ کے معنی ہوتے ہیں غمے نصب کر کے قیام کرنا۔ عرب کے یہ نام تھے جو غمے میں گہر بہ گہر تھے اسے خُتَمَ لَاحِدٌ کہتے تھے۔ اسکی بناء کا معنی بہت سے اہل علم میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ہر بکری کی پہلی نالی ہر درختوں (جہاں وغیرہ) کے لئے دل دئے جاتی ہے۔ اسے خُتَمَ لَاحِدٌ کہتے تھے۔ جو خُتَمَ لَاحِدٌ سے بنا یا جاتا تھا اسے میسر کہتے تھے۔ خُتَمَ لَاحِدٌ اسکی بناء کے معنی ہیں غمے کی جیسے کسی دومبرے چیز سے غمے یا غمے کی بناء۔ خُتَمَ لَاحِدٌ کی جمع خُتَمٌ ہے۔ یہ لفظ (۲) میں آیا ہے۔ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِی الْخِيَامِ۔

* تاج۔ ** لین۔ *** تاج و محیط۔

د

د ا ب

دَرَابُہُ - دَرَابُہُ - اُکسی کام میں اسیس کرنے دینا۔ اُنہی کے
 دوسری کرتے دینا۔ اسیس اور مدافعت کی وجہ سے اُنہی کے معنی غائب مستور
 ہوتے، مستور، طور طور کے طور اُنہی - دَرَابُہُ - اُنہی کے معنی اُنہی کے
 کا تیار کرنے کی تمیز اور تصرف میں رہتا ہے۔ اُنہی کے معنی اُنہی کے
 اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی
 اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی اُنہی کے معنی
 سورۃ آل عمران میں ہے: اَلَّذِیْنَ یُؤْتُونَ زَکٰتَہُمْ - اُنہی کے معنی
 کی روئے کے معنی ہیں۔ سورۃ یوسف میں ہے: اَلَّذِیْنَ یُؤْتُونَ زَکٰتَہُمْ
 معنی اور اُنہی کے معنی ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں ہے: اَلَّذِیْنَ یُؤْتُونَ زَکٰتَہُمْ
 اَلَّذِیْنَ یُؤْتُونَ زَکٰتَہُمْ - سورۃ اور چاند میں اُنہی کے معنی ہیں
 دیتے ہیں۔ وہ اُنہی کے معنی ہیں اور اُنہی کے معنی ہیں۔

داود علیہ السلام

دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔
 دَاوُدُ - دَاوُدُ - اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔ اُنہی کے معنی ہیں۔

*راغب - **تاج و محیط و اقرب الموارد -

[illegible]

د ب ب

دَبَّ سَقَرٌ دَبَّ دَبَّاءُ - خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ جسام
اس سے دَبَّ اس سَقَرٌ ذی الجسام - کہتے ہیں - یعنی شراب کا جسم میں
ہستہ آہستہ سرایت کر جاتا - اَلْأَبْهَتُ ہر س چیز کو کہتے ہیں جو زمین
پر ہے - ہر دہکے اور چمے و لا جزاء - الدَّارَةُ آہستہ رفتار - ان فارس
نے کہہ دیا کہ اس رفتار کو کہتے ہیں جو مَشْشٰی سے مختلف ہوتی ہے -
دَبَّ سَقَرٌ - انہوں نے اور نکاریوں سے ہنسائی ہوئی ایک بہت بڑی سی
مشتعل مری جس میں بیٹھ کر وہی تلعہ کی دیوار تک پہنچ جائے تھے نہ کہ
تے - اور ماکوں - اچک ٹینک کو دَبَّ سَقَرٌ کہتے ہیں - وہ آہستہ آہستہ
جس میں اور اس میں بیٹھنے والا دشمن کی زد سے محفوظ رہتا تھا - دَبَّ سَقَرٌ -
مشت زمین پر چمے سے قسموں کی آواز - نیز شور - زحول بجا اور زحول کی
آواز کو بھی کہتے ہیں -

اس لئے اس کتاب کے نام میں "مختصر" لکھا گیا ہے اور قرآن میں یہ لفظ نہیں آیا۔

[illegible]

میرزا محمد علی خان قزوینی - ترجمان التبرکات ابوالکلام آزاد - جلد دوم صفحہ ۱۰۷

(۱۳۰)۔ "اَللّٰہُ لَوْگُوں کے ذمہ کی وجہ سے، ان کی (فوری) گرفت کرتا تو زمین پر کوئی دابتہ نہ چھوڑتا،"۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں "دابتہ"، کہ لفظ خود انسانوں کے لئے آیا ہے کیونکہ انسانوں کے غلط اعمال کی وجہ سے انسانوں کو ہلاک ہونا چاہئے، نہ کہ دیگر مخلوقات کو بھی۔ لیکن اگر اس کے منہسوم کی وسعت کو دیکھا جائے تو اس سے مراد، انسان اور دیگر ذی حیات بھی ہو سکتے ہیں۔ سورۃ انفال میں، عتق و خرد سے کام نہ لینے والے انسانوں کو شترۃ یتموآبر (۱۳۱) کہا گیا ہے۔ یعنی چسنے والے جانوروں (یا ذی حیات) میں سب سے زیادہ بدتر۔ یعنی حیوانات سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ (۱۳۱)۔

سورۃ النمل میں ہے "وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ" (۱۳۲)۔ (الحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ تحریر لوگ ہیں جو جہنم میں جانوروں کی طرح ہیں۔ اس طرح یہ لفظ جمع ہو جائیگا۔ لیکن جب قرآن نے دابتہ کا لفظ انسانوں کے لئے استعمال کیا ہے تو پھر ان سربراہ انسانوں کی جانوروں کے ساتھ مصافحت کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس سے مراد جنگجو قومیں ہونی چاہی۔ اسکی وضاحت تکلّمٰیہم نے بھی ضروری ہے جسکے معنی زخمی کرنے کے ہیں۔ لیکن اگر تکلّمٰیہم کے معنی بات کرنے کے بھی لئے جائیں تو بھی دابتہ کے مندرجہ بالا منہسوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (دیکھئے عنون ک۔ ل۔ م۔ سورۃ مہم۔ میں حضرت سلیمانؑ کے لئے لائق (جاننشین بیٹے) کیلئے یہ لفظ آیا ہے (۱۳۳)۔ یعنی وہ انسان نہیں تھا، محض حرکت کرنے والا ہو کر تھا۔ (تفصیل سلیمانؑ کے عنوان میں میگی)۔ سورۃ ہود میں ہے "وَمَّا مِّنَ دَابَّةٍ فِی الْأَرْضِ إِلَّا عِندَی اللّٰہِ رِزْقُہَا" (۱۳۴)۔ "میں زمین میں کوئی دابتہ ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو،"۔ دابتہ سے مراد خواہ تمام حیوانات (انسان سمیت) ہوں یا صرف انسان، ان سب کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے تو پھر دنیا میں لوگ بڑوک سے کیوں مرتے ہیں؟ ایک قحط میں مرنے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تمام حالات میں بھی کروڑوں انسان ایسے ہیں جنہیں بیٹ بھڑ کس کھانے نہ ہو نہیں سکتا۔ اگر انکے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے تو وہ ذمہ داری پوری کیوں نہیں ہوتی؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور نہایت غور طلب۔ (جیسا کہ میں

نے اپنی کتاب ”نظام ربوبیت“ میں تفصیل سے لکھا ہے) ایسے مقامات میں اللہ کی ذمہ داری اس نظام کی وساطت سے سوری ہوتی ہے جو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوتا ہے۔ یعنی یہ نظام ان تمام ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لے لیتا ہے جنکی نسبت (قرآن میں) اللہ کی طرف کی گئی ہے اور اسی طرح وہ حقوق و واجبات بھی اسکی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جنہیں خدا کے حقوق کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں خدا کی اطاعت اس نظام کی رو سے کی جاتی ہے جو خدا کے احکام کو نافذ کرتا ہے۔ اور عَمَّی اللہ رَزَقْنِہَا کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ ان تمام انسانوں کے رزق کی ذمہ داری اس نظام کے سر پر عائد ہو جاتی ہے۔ یہاں نظام خداوندی میں تمام افراد کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا اس نظام کے ذمہ ہوتا ہے۔ رزق کے سرچشمے اصلاً اس نظام کی تحویل میں بطور امانت رکھتے ہیں اور وہ نظام خدا کے دئے ہوئے رزق کی تقسیم اس طرح کرتا ہے کہ کوئی محتسب اس سے محروم نہیں رہے۔ اس طرح خدا کی ذمہ داریوں خود بخود پوری ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن جب وہ نظام قائم نہ ہو تو مستبد قوتیں رزق کے سرچشموں پر قبضہ ہو جاتی ہیں اور کمزور انسان ان کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں رزق دیتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ آسمانی انقلاب، رزق کے سرچشموں کو ان کے شانہ سے جہنم کر، انسانیت کی پرورش کے لئے نظام خداوندی کی تحویل میں دیتا ہے۔

سُوْرَةُ سُورَةُ مِیْنُ وَ مِیْنُ اِیْتِیْہِ خَمْسُ السَّمَوَاتِ وَ اَلْاَرْضِ
وَمَسَابَتْ فِیْہِیْمَا مِیْنُ دَابَّتْ - وَ هُوَ عَلٰی جَمْعِہِیْمَا اِذَا یَسْنَعُ
قَسْرِیْرُ (۲۹) - اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سموات، زمین اور فضائی کروں، کو پیدا کیا اور (جو) ان کے اندر اس نے ذی حیات (دابت) پھیلانے دئے ہیں۔ اور وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔ اس آیت سے آسمانی کروں میں ذی حیات آبادی کا سراغ ملتا ہے۔ نیز، اب غائب وہ زمانہ قریب آ رہا ہے جب زمین کی آبادی، آسمانی کروں کی آبادی کے ساتھ مل جائے (دونوں جمع ہو جائیں)۔ قرآن نے انسان کے معنی واضح کر دیے ہیں کہ رکھتا ہے کہ ارض و سموات میں جو کچھ ہے وہ اس کے لئے تابع تسخیر کر دینا کیا ہے۔ اس لئے اسکی یہ کوشش کہ آسمانی کروں تک جانا پہنچے، قرآنی تعبیر کے مطابق ہے۔ ان کروں میں سے جن میں آبادی ہوگی وہ اس طرح زمین کی آبادی کے ساتھ مل جائیگی۔ دیکھا اب ہے کہ انیس و آفاق کی نشانیاں کس طرح قرآنی حقائق کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانے چلی جا رہی ہیں؟ (۱۰)

ق میں آد بَر آیا ہے جو دُ بَر کی جمع ہے۔ دوسرا لفظ سُبُجُوْد ہے جو مصدر ہے اور اس کے معنی جھکنے یا سائل ہونے کے ہیں۔ اس سُبُجُوْد کے آد بَر کب ہیں، یہ چیز غورِ صلب ہے۔ عذابِ نفاَس اور کتبِ لغت میں اس کے معنی ”نماز کے بعد،“ لکھے ہیں۔ لیکن یہ معنی جتنے نہیں۔ بلکہ مخصوص اس لئے کہ یہ لفظ آد بَر آیا ہے آد بَر نہیں۔ نہ دُ بَر کسی شے کے آخری اور پسینے حصہ کو کہتے ہیں جو اس میں شامل ہوتا ہے۔ اور ”بعد،“ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ یا چیز ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور واقعہ یا چیز شروع ہو۔ ہم یہی اس وقت تک کی تحقیق کے مطابق متعین طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مقصود کیا ہے۔

د ث ر

الدُّثْرُ - مالِ کثیر یا ہر شے کے لئے مال - مالِ دُثْر - بہت زیادہ مال - الدُّثْرُ - وہ مال جس میں آدمی بس جائے۔ تَمَّ الدُّثْرُ بِمَنْتَوْبٍ وہ دُثْرے میں بس گیا۔ دُثْرُ الدُّثْرِ دُثْرًا - دوخت نے نئے سے نئے نکال لئے اور سکی مہر مٹا دی۔ دُثْرُ دُثْرٍ مال - وہ اونٹوں کی اسی خبر لہری کھرنے والا ہے۔ تَمَّ الدُّثْرُ ابْتِغَاءً لِّرَبٍّ - دنیا کا اپنے گھونٹنے کو درست کر۔ تَمَّ الدُّثْرُ سَبَبَ رَفْعِهِ بوجہی - اور زیادہ ہونے والے آدمی کو شے سے نئے سے - اور دُثْرُوں میں اس لئے - اور دُثْرُ آد بَر دُثْرُوں کے بس جانے کو نہ ہے جس لئے - ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں دُثْرُوں کا اور تَمَّ - تہ بہ تہ جب جاتا۔ یا اور جرہ جاتا۔ ان معانی کے وہ سے رجب نیز ابنِ فارس نے اس مادہ کے مختلف املاءات بتائے ہیں جن میں سے مضموم کسی کے ویرہ جاتا ہے۔ مَنَزَلٌ دُثْرٌ - وہ منزل جس کے آثارِ امانت لئے ہوں یا تہ بہ تہ میں جڑا جائے سے حب لئے ہوں۔

قرآن حکیم میں بھی نرم اور بے لطف تَمَّ الدُّثْرُ (۱۳) نہ کرنا ہے۔ تَمَّ الدُّثْرُ کے اعتبار سے اس کے عدمِ تصور سے معنی لئے جاتے ہیں۔ اس لئے دُثْرُوں سے وہ - لیکن تَمَّ الدُّثْرُ تَمَّ الدُّثْرُ کے مضموم کی رو سے اس کے معنی ہوئے، تَمَّ الدُّثْرُ تَمَّ الدُّثْرُ - اور دُثْرُ مال کے مضموم کے لئے - تَمَّ الدُّثْرُ - تفسیرِ ابنِ عبد البر - (وہابی) - تفسیرِ روح - ہانی - تَمَّ الدُّثْرُ - محیط - راغب -

نظر اس کے معنی ہوئے، احمیٰ خبر شریعت و لا۔ لہذا اس کا یہی مفہوم زیادہ مناسب نظر آتا ہے کہ اے وہ جس کے ذمہ انسانیت کے منوارے کا فریضہ ہے۔ یا اے وہ جو نوع انسانی کے معاملات کو۔ بین تیرے سے سجدہ کے لئے کہنے آیا ہے۔ یا داکٹر اسماعیل کے اشارے سے معنی ہونگے، اے وہ جس کی آمد سے ایک نئی دنیا وجود میں آئے والی ہے۔ یا جس کی آمد سے چمن بہار پر بہار آئے والی ہے۔ اس خطاب کے بعد آیت ہے کہنا لَمَّا قَامَ فَكَانَتْ رُوحًا (پھر وہ دوبارہ کھڑا ہو کر کے عوالم سے آ رہ کر دئے، اس کے بعد اس دعوت انقلاب کے مختلف اجزاء کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ائمہ کبار میں نہایت فریضی اور نوع انسان کی خیر مگلی کا۔ یہو نمایاں ہے۔ یہی ایک آسمانی داعی انقلاب کی خصوصیت اور ذمہ داری ہوتی ہے۔ راغب نے جو مفہوم بیان کیا ہے اس کے معنی بانس کے شہر تصور اور نظریہ پر چڑھ جانے والا۔ (غالب آج کے و لا بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ تفسیر عتقی۔ یہ تفسیر کشمیری (پہلا) کہ اے اہل بیت پر خطاب کرتا ہے۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتا ہے۔ ان فارس نے اس مادہ کے استعمال کی مثالیں دینے شروع کیا ہے کہ نہ کہ "فَرَجُلٌ" فَرَجٌ کے معنی ہیں آدمی سے لپوڑے یا اچھل کر سراز ہو کر۔ اس میں "اچھل کر" ایک کر، کی خصوصیت قابل غور ہے۔ بلکہ جز تہ ریح نہیں ہوتی بلکہ ایک سخت ہوتی ہے۔ جو انقلاب بھی "لوم" کے ہاتھوں سے رونما ہو رہا ہے۔ اس کا ترقی (Revolving) تھا۔ معنی انقلاب کا دفعہ رونما ہو جانا۔ اس کے بعد اب قرآنی تصورات حیات کا شعبہ بتدریج ہوتا رہا ہے۔ اسے (پہلا) طریق کہتے ہیں۔ زمانہ ایک چیز کو لیتا ہے۔ اس کا تجربہ کرتا ہے اور نئے زکام انجارت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صحیح نظریہ وہی ہے جسے قرآن نے پیش کیا تھا۔ ورنہ "لوم" نے عملاً کر کے ثابت کیا تھا۔ لہذا قرآنی تصورات کا بحال کے تصورات پر شعبہ تدریجاً شور مچا ہے۔ لیکن اگر انسانوں کی کوئی جماعت میں نہ ہو تو مگر انہی یا کوئی ممکن ہے اسے ہاں نافذ کر کے اس کے اندر اب ماز تعمیری نتائج دنیا کے سامنے سے آئے تو یہ نہ ہو پھر ایک اور دوسرے نظام میں حیات برپا ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ سنت رسول اللہ کے اتباع میں نہایت کامیاب قوم کے ساتھ ہونے سے انجام پاتا ہے وہی قوم اس دور میں نہایت سب سے بڑی تھیں ہوتی، اسی کے ساتھ ہی انہی کے رسول نے ان کے لئے اور چمن کاٹتے ہوئے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اَلْمُسَدَّشِیرُ کے معنی ہیں انسانی کمالات اور شرف نبوت سے آراستہ و پراستہ ہونے والا۔ نیز اس نے کہا ہے کہ اَلْمُسَدَّشِیرُ کے معنی کنا بدہ ایسے شخص کے ہیں جس کے پاس کوئی پروگرام نہ ہو اور وہ فارغ بیٹھا ہو۔ اس مفہوم کے اعتبار سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قِمِّہٖ فَا تَنْذِرُ کہا کر حضورؐ کو عظیم الشان انقلابی پروگرام عطا کر دیا۔ تفسیر فصیح التفسیر (شُرکائی) نے اس کے معنی لکھے ہیں، نبوت اور اسکی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والا۔

عام خیال یہ ہے کہ اَلْمُسَدَّشِیرُ دراصل اَلْمُسَدَّشِیرُ تہا۔ (یعنی سَفَعَسُ کے خاندان سے)۔ تاہم یہ غلط ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح اَلْمُسَدَّشِیرُ بن گیا۔

د ح ر

الرَّحِیرُ۔ کسی کو نکل دینا۔ دور کر دینا۔ دھکا دینا۔ ذلت کے ساتھ جبراً نکل دینے کو کہتے ہیں*۔ سورہ صافات میں ہے وَیُنْزِلُنَّ قُوْنٌ مِّنْ کَیْلِ جَبَانِیْبٍ دُحُوْرٍ اَوْیْلِ) اور ہر طرف سے ملامت ملنے جاتے ہیں، دھتکارے ہوئے، دور اور دفع کرنے کے معنوں میں، سورہ اعراف میں اَبِیْسَ کے متعلق ہے مَزْعُوْرٌ مَّامَرٌ حُوْرٌ اَوْیْلِ)۔ ذلیل۔ دھتکارا ہوا۔ دور کیا ہوا،۔

د ح ض

دَحِضٌ۔ اس کے اصل معنی بھسنے کے ہوتے ہیں۔ بعد اسکا استعمال کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹانے، مٹانے یا باطل کر دینے، کھٹے ہونے لگا۔ نیز کہ دَحِضٌ بَیْرٌ جَمِیْہٌ۔ اسوٹ بھوننے میں جب کوئی ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح اپنے پٹن زمین پر مارتا اور رزتا ہے۔ مَحَاَنٌ دَحِضٌ۔ بھسنی جگہ کو کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے اس مادے کے بنیادی معنی ہٹ جانے اور بھسنے کے لکھے ہیں۔

سورہ اعراف میں ہے لَیْسَ حَیْضُوْنِیْمُ الْحَیْیٰۃُ (۱۰۱)۔ تاکہ وہ (باطل کے ذریعہ) حیات سے محروم نہ رہیں اور مکار کر دیں۔ سورہ شوریٰ میں ہے حَیْضُوْنِیْمُ دَحِیْضَتٌ (۱۰۱) انکی دلیں اور دعوتیں خدا کے نزدیک باطل رہیں اور یہ بات ہے۔ سورہ صافات میں ہے فَکَانَ مِیْنِ اَلْمُسَدَّحِیْیْنِ (۱۰۱)۔ اس میں دَحِیْیٰۃٌ ہے۔ یہی صفت نہ رہی۔ وہ کمزور و ناتوان ہو گیا۔

*تاج و محیط و راغب۔

د ح و (ی)

دَحٰی - یوہا دینا - بھنا دینا - وسیع کر دینا - دَحٰی اَلْجَنَّةِ مَحَصَّةٌ -
 بازوئے نیکوکاریوں کو بھنا دیا - دَحٰی اَلْذَّرِیْلَ - مں نے اوسوں کو مٹا دیا -
 مَرَّ السُّفَرَسُ یَمَّ حَمُو دَحُو دَحُو ا - لہوور اُسے سب زمیں پر لگا دیا مٹی
 ارنہا دھوا دوڑا - - دَحُو یَمَّ حَمُو یَمَّ حَمُو - مں نے مٹی پر لگا دیا -
 نوح نے اس معنی میں یَمَّ حَمُو یَمَّ حَمُو یَمَّ حَمُو لکھا ہے -

دَحَا کے ان معانی سے دُعا کی تفسیر ہوتی ہے اور پھر قرآن کی اس آیت پر
 خور نہ چٹے جس میں اجرام سماوی کی تخلیق کے سلسلہ میں کہا گیا ہے
 وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ ذَرْبًا (۱۷) - "اور زمین کو اس کے بعد
 ڈھونڈنا۔" اور عسوار کہہ۔ سورہ نبا میں ہے کہ "أَنَّهُ لَاسْتَغْوِبُ
 وَالْأَرْضَ كَانَتْ رَوَاتٍ نَفْسًا تَهْتَهِئُهَا" (۲۰) - "اور زمین کی راتوں میں
 تیار کی گئی تھی۔" اس حقیقت سے دُعا کے معنی یہ ہیں کہ "اے اللہ! اس
 (زمین) کو اس عہد سے ہوں ایک کبھی جس طرح گویا ہے ہر سال ہر سال
 یا جسے ہر سال کھانڈ کر دیا گیا ہے۔ اور اس طرح ہی ہے۔" یا جسے "سورہ
 نبا" میں کہا گیا ہے۔ "ذَرْبًا" سے مراد ہے کہ آج سے قریب دہڑے ہزار سال سے
 اجرام فلکی کی تخیل سے متعلق ہر سال وحی کے علاوہ اور کون سے سال
 نیز بَعْدَ ذَٰلِكَ ذَرْبًا اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ارض زمین کی تخیل
 اس شیز کے بعد ہوئی۔ یعنی یہ وہ پہلی اس طرح تھی۔ وہ شیز وجود
 میں آیا جو باوجود گر ہوئی ہو۔ پھر اس میں سے مختلف کونے (منجملہ) رُش
 تیزی سے ایک شے اور اسے اسے "نمک" میں سونے کے لیے لیا گیا۔

۷۸۱

دُخَر - ۱۔ "خَيْرٌ وَدُخَيْرٌ" - بِسْمِ "خَيْرٌ" - چاروں شیعہ - مصلح شیعہ اور جہاک
جائے - ۲۔ "خَيْرٌ" - جہاک کے والد - دُخْوَر - دُف اور شہری کو کہتے ہیں -
۳۔ "خَيْرٌ" - جہاک کے والد - دُخْوَر - دُف اور شہری کو کہتے ہیں -
۴۔ "خَيْرٌ" - اس نے اپنے نہیں کر دیا - عاجز رہا -

(۱)۔ یعنی قرآن میں - وراثتی کے معنی مستحکم ہیں۔ یہ دعائیہ اس سے مستحکم ہے۔

آیت نے واضح کر دئے ہیں جس میں ہے کہ اَللّٰهُ بِسْمِ جَدِّكَ مَكْفِي السَّمَوَاتِ
وَالْاَرْضِ (۱)۔ "کائنات کی بسموں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے
اللہ کے (ذاتی) کے سامنے سجدہ ریز ہے۔" (تذکرہ کے لئے دیکھئے عنون
س۔ ج۔ د)۔

انسانوں کے خود ساختہ مذہب نے، مثلاً حجرِ فطرت (شبائے کرئٹات) کو معبود قرار دیکر، انسانوں کے منہ جنہ کتا، سکھایا ہے۔ قرآن کریم نے یہ بات کر کے تمام شبائے کرئٹات، قوانینِ خداوندی کے منہ جنہ کی شرعی حد تک سمجھانے کی کوشش کی ہے، دنیا کے انسانیت میں کتنا عظیم انقلاب برپا کر دیا؟

دخ ل

[illegible]

۱۔ جس کے معنی عورت سے بہ نسبت کی۔ سورۃ
 النہل میں شاعرین "نہیستہ لکھتے" "نہی" "ذخائیم" "بیخین" (۱۳۳)۔ اس میں اس کے
 معنی بہ نسبت کے ہیں۔ یعنی ان عورتوں کے ہونے سے جن سے بہ نسبت شاعری کے
 تعلقات قائم کر چکے ہو۔

مذہب توحید میں وہ لوگوں کی ذہانت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ
 یہ لوگ جو کہ توحید کے بارے میں عقیدہ میں ہیں تو ان کے لیے لیکن
 ان کے لیے یہ ہے کہ وہ جو پیغمبروں کی پیروی اور مشورت اور مشائخ
 کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ رہیں
 کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے
 ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے

ان اعمال سے جس کے خوس میں کسی کام کو پورا زور لگا کر بہ مستمت کرنا داخل ہے۔ اس باب کے انتخاب سے قرآن حکریم نے ان کی بسحواسی اور میدان سے بیکار لانے کی سہلات آرزو کا نشانہ کر دیا ہے۔ یعنی اگر ان کے سامنے کوئی چھوٹی سی چیز ہے تو اس کی جگہ بھی آجائے تو یہ اس میں ٹھہرنے کی کوشش کرینگے خواہ اس میں اتنا ہی زور کموں نہ لگائے۔

د خ ن

الدُّخَانُ - دھواں - دُخِّنَ الدُّخَانُ دُخُونًا - خبر بند ہو گیا۔
 دُخِّنَ شَيْئٌ تَنْقِرًا - خبر بند کرنا اور سرانجام دینا۔ دُخِّنَ دُخَانٌ -
 خراب اخلاق۔ الدُّخَانُ - فحشہ، خشک سار، اور بھوک کو بھی کہتے ہیں
 کمونہ، جو کے آدمی کو غول کی سب کی وجہ سے اسے اور آسمان کے درمیان
 دھواں سا نظر آتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ غول کو دُخَانُ اسمیٰ کہہ
 ہیں کہ جس سے زمین سے سباز رُکڑ آسمان میں دھواں سا بن جاتا ہے
 ہے۔ الدُّخَانُ - سر، خسر، اور ابتری کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یَوْمَ
 الدُّخَانِ - سخت گرمی اور مصیبت کا دن۔

قرآن مجید میں ہے کہ رُفِیْ الدُّوْدِ مَرَّاحِلُ مِمَّا كَذِبَ سُمُّهُ
 اسْتَوَىٰ السَّمَاءُ وَرِیِّ الدُّخَانِ (۱۱۱)۔ پھر وہ دیکر اجرام فلکی کی
 صرف منوجہ ہو جبکہ وہ بالکل دھواں کی حالت میں تھے۔ سائنس
 کے انکشاف اس حدیث کی تائید دے رہے ہیں جسے قرآن مجید نے ما
 عرصہ پہلے بیان کیا تھا۔ اجرام سماوی کے اولین دھواں (۱۱۱) کو
 ایسا ہی بتایا جاتا ہے۔

سورۃ دخان میں ہے۔ یَوْمَ قَا نِی السَّمَاءُ بِالدُّخَانِ وَبِیْنِ
 (۱۱۰)۔ جب ساری فضا میں گرد و سباز دھواں اٹھ گیا۔ جب محاسب
 و کلام عام ہو جائیگا۔ ہر طرف فساد و فتنہ ہو جائیگا۔ یہ بھوک اور بھگ
 کی وجہ سے آسمان دھواں بنی دھواں نظر آئے گا۔ یہ عذاب الہی ہوگا
 (۱۱۱)۔

د ر ا

دَرَاةٌ - پلارؤہ - دَرٌّ - دفع کرنا - رَدُّ کرنا - سختی سے مارنا۔
 دَرَّاءٌ - دَرٌّ - پلارؤہ - پلارؤہ - کسی کے سامنے نمودار ہو جانا۔ جَعَلْ
 *تاج - محیط - راغب۔ **تاج ***محیط۔

السَّقِيلُ دَرُّاً - سائب ہمیں دور سے آیا، نہ معلوم کہاں سے یکایک آنا۔
 دَرَّانَتْهُ عَتَنِی - میں نے اسے اپنے پاس سے دھکیلا (۱۰۳)۔ مَدَّارٌ دَرٌّ -
 کے معنی مخالفت اور مدافعت کے ہوتے ہیں*۔

قرآن کریم میں ش وَ یَسَّ رُفُوْا عَنْنَہَا الْعَذَابَ (۱۰۳)۔ ”یہ بات
 عورت سے سزا کو دفع کر سکتی ہے“۔ اس سے اس کی سزا رک سکتی ہے۔ سورۃ
 فصل میں ہے وَ یَسَّ رُفُوْا بِهَا عَذَابَ السَّقِیۡتِ (۱۰۳)۔ حسنت کے
 ذریعہ حسنت کا ازالہ کرتے ہیں۔ یہ ایک غیبی حقیقت ہے جسے قرآن کریم
 نے متعدد مقامات پر، متنوع انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے رہے کہ
 تخریب کی روک تھام دوسری قسم کی تخریب سے نہیں ہوتی۔ اس کی مدافعت
 اس سے جتنی تر و مؤثر تر تعمیر سے ہوتی ہے۔ کمزور میں اس لئے ہر قسم
 کے بھریں جو۔ ہم آپ پر شاب آجاتے ہیں اور آپ سدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا
 سراج یہ ہے کہ آپ اپنی صوبہ مدافعت بڑھائیں۔ اس طرح آپ کی تخریب
 رک جائیگی اور تعمیر کا سلسلہ آگے چلے گا۔ زندگی کے شر گونے میں، تخریب کی
 مدافعت کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ اسی لئے ”نہ کیوں کا ہڈیا جھکنا“ کہتے ہیں۔
 نَدَّارٌ وَ اَرَفِیْ نَخْصُوْہُ مَدَّارٌ - کے معنی ہوتے ہیں جنگڑے میں ایک
 دوسرے کو دھکا دینا یا ہٹا دینا اور دوسرے پر دھکا اور اس طرح باہم اختلاف
 کرنا۔ یعنی ایک کا کہنا ہے کہ یہ اس نے کیا ہے اور دوسرے کا کہنا کہ
 نہیں اس نے کیا ہے۔ ان معنوں میں یہ خنہ (۱۰۴) میں ہے۔ یعنی فَاَنۡ رَّعٰیہُمْ
 فِیۡہِمْ۔ اعلیٰ لغت کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں سَرَّارٌ ”نہ“ تھا۔ لیکن ہمارا
 خیال ہے کہ یہ ایک الگ باب ہے جسے قرآن کریم نے تسلسلہ حاصل کیا ہے
 لیکن صرفیوں نے اسے الگ شمار نہیں کیا۔

درج

درج - حبس۔ ہمب آئینہ آئینہ، آئینہ آئینہ کی طرح حسن و ہر
 حُرمت کے لئے کی طرح چمکا۔ مَدَّارٌ جَمَّةٌ - راستے کا وضع اور
 لہذا حصہ۔ دَرَجٌ اَشْوَمٌ - (آئینہ آئینہ قوم خیم ہو لئی اور اس کی
 میں ہوتی نہ وہی) قرآن کریم میں ہے مَدَّارٌ جَمَّةٌ مِّنۡ حَبِیۡبٍ
 اَشْوَمٌ (۱۰۴)۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم انہیں یوں اس طرح
 آئینہ آئینہ آئینہ اور خیم اور خیم کے لئے انہیں معلوم نہیں نہ ہونا کہ یہ
 تباہی کہاں سے آگئی۔

* تاج - ** راغب -

دَرَجٌ اسْتَبْقٰ - اس نے چیز کو تہ نہ اور لپیٹ لیا - اَلْاَسْرَجُ - وہ چیز جس پر کچھ لکھا ہو ہو - دَرَجٌ اسْتَبْقٰ - کتاب کی تہ -

اسْتَرَجَتْ - مسوئی کا ایک دن (Stage) (دَرَجَاتٌ اور کی صرف نے حدت والے دن کے) اور دَرَجَاتٌ نسج کی طرف لانے والے (*) - راغب نے لکھا ہے کہ مَنَزِلَتٌ اور دَرَجَتٌ تقریباً ایک ہی چیز ہے - لیکن مَنَزِلَتٌ (اگرے کی جگہ) اور دَرَجَتٌ اس وقت کہتے ہیں جب اس پر چڑھا جا رہا ہو - نیز دَرَجَتٌ سے مَنَزِلَتٌ بھی مراد لی جاتی ہے - اسی انداز سے دَرَجَتٌ کے معنی مراتب ہیں - ایک دوسرے کے اور مَنَزِلَتٌ - اَلْاَسْرَجُ - سورتی رسموں کی نسبت - شوقی نے لکھا ہے کہ اس دور دور کے ہر راسخ اور مہر ہو جائے - ن مردوں کو اَلْاَسْرَجُ کہتے ہیں - مچا عین کے معنی فہم نہ انہیں نہ غیر یقین (بہتے و تون) پر نہ دَرَجَتٌ - جس سے اہل - سورۃ توبہ میں ہے - مچا عین اور مچا عین اَلْاَسْرَجُ دَرَجَتٌ غینہ الیہم اہل کے شان بہت بڑا درجہ - کہتے ہیں - قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کے معنی ہے کہ و اَلْاَسْرَجُ مِثْلُ اَلْاَسْرَجِ عَنِ عَمَلِہُمْ - یہ معروف و اہل (۲۲۸) - عورتوں کے لئے ازاروں معروف - ان ذمہ داروں کے مصداق حنفی میں جو ان پر سائر شوقی میں - معنی جن درج مردوں کے حقوق عورتوں پر جس اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر جس - یہ حد حنفی و اہل ان میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں - دونوں مساوی ہیں - لیکن اس کے بعد بھی و اَلْاَسْرَجِ عَنِ عَمَلِہُمْ دَرَجَتٌ (۲۲۸) - مردوں کو ایک باب میں ن پر غور ہے - وہ ایک باب ہے اس کا ذکر خود اسی آیت میں موجود ہے - خلاف کے بعد - عورت کے لئے حد کی ميعاد مقرر ہے جس میں وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتی لیکن مرد کے لئے حد کی حدی مبد نہیں - نیز اگر خلاف مرد کی صرف سے شوہر سے اپنی غاسی کا احساس ہو جائے تو وہ حد کے دوران میں بھی وہ شوہر کو سر سے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے - و اَلْاَسْرَجِ عَنِ عَمَلِہُمْ اَلْاَسْرَجِ عَنِ عَمَلِہُمْ ن اَرَادُوا الصَّلٰحَ اَلَا یَسْمَعُوْا - یہ ہے وہ حد جس میں مرد سو عورت کے مقابلہ میں رعایت سے دَرَجَتٌ ایک فضیلت حاصل ہے - یہ نہیں کہ مرد (Men) عورتوں (Women) کے مقابلہ میں نفس (۲۲۸) میں ہے - آپ تاریخ انس نیت پر شور فرماتے - عورتوں اور مردوں کے تعین کے مسئلہ میں ہر جگہ

"عَمَّالِيْنَ" نمایاں طور پر دکھائی دے گا۔ یعنی مردوں کے حقوق ہی حقوق
ہونگے اور عورت کی ذمہ داریاں ہی ذمہ داریاں۔ عورت کے کوئی حق نہیں کیا
جائیں۔ یعنی عورت کسی بہت کم مرد سے بطور امتیاز (As of Right) ملے گی
نہیں۔ یہ انقلاب آفریں آواز آگے کو قرآنِ شریف کی عزت سے بلند عورتی
سندھ دے گی کہ عورت کے بھی اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مرد کے۔ اور
اس بات میں دونوں برابر ہیں۔ جس قسم کے مردوں کے حقوق عورتوں پر
عَمَّالِيْنَ اسی قسم کے عورتوں کے حقوق مردوں پر اَمَّالِيْنَ کی
صورتی اور معاشرتی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب ہے جو ان جبریتوں کی رو سے
مستحکم ہے۔ اور امتیاز جامع میں یہ حد نہ ہو کہ "مِثْلُ اَرَضٰی
عَمَّالِيْنَ" اس کے بعد یہ "مِثْلُ اَرَضٰی" نہ ہو کہ یہی مراحتِ شریعی ہے
یہ بہت کسی فرد یا معاشرہ کی مرضی سے نہیں چمکے گی۔ بلکہ اس کی
پہچان (It) خود خدائے ہی میں کر دی گئی ہے۔ اسی قانونِ اَرَضٰی
کے یہ بھی ہیں کہ وہ ایک بہت کم ہے جس میں مرد کو عورت کے مقابلہ
میں ایک نریت دے جائے گا۔

حقوق اور ذمہ داریوں کی مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ قدرت کی طرف
میں حق فرائض مرد اور عورت پر عائد ہوتے ہیں وہ ہیں یکساں ہیں۔ تعجب
میں کے لیے یہ ہے کہ قدرت نے مرد اور عورت کی بنیاد میں فرق رکھا ہے۔ اس
لیے حق فرائض عورت کے ذمہ عائد ہوتے ہیں جن میں انہیں عورت کو سزا دینا
نہیں ہوتا اور جو مرد کے ذمہ ہیں انہیں مرد کو سزا دینا ہوتا ہے۔
مرد ان میں سے کسی ایک کی پاداش اور سزا ہے۔ اور جو کہ اس میں
شک ہے۔ بہت سے وقت صرف مرد کو دے دیے گئے ہیں کہ ان مردوں
کے ذمہ عائد ہے۔ اور جو کہ ان میں سے کسی ایک کی پاداش اور سزا
کے لیے ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی پاداش اور سزا ہے۔

三

[illegible]

جسمیں سے نور کی ندیاں روان ہوں (د۱۲)۔ یہ لفظ دُرَّةٌ (ایک موتی) میں
 یائے نسبتی لگا کر بنایا گیا ہے۔ یعنی موتی جیسا۔ صاحب محیط نے کہا
 ہے الْقَدَرُ کے بنیادی معنی کسی چیز کے کسی دوسری چیز سے پیدا ہونے کے
 ہیں*۔ جیسے، جانور سے دودھ۔ چراغ سے روشنی۔ تارے سے جمک۔ ابن
 فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے
 پیدا ہونا ہیں۔ نیز حرکت و اضطراب۔ اس سے دودھ کی دھار اور ستارے کی
 جھلکاتی روشنی کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ تہ نے اپنے نور ہدایت (قرآن
 کریم) کو، کَوُ کَبٌ دُرِّیَّ (د۱۳) سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایسا ستارہ
 جس سے علم و بصیرت کی کرنیں، اس ندی کی طرح رواں ہوں جس میں
 جمود نہ ہو بلکہ پیہم حرکت ہو۔ یہ نور عم خداوندی سے بہا ہوا اور دنیا
 میں روشنی پیدا کرتا چلا جائے۔

درس

دَرَسَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں کوئی چیز پرانی ہوئی اور اس کا نشان مٹ گیا۔
 ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مخفی ہونا، پست ہونا اور مٹنا ہیں۔
 دَرَسَهُ اَنْتَوُمُ۔ لوگوں نے اس کے نشان کو مٹا دیا۔ طَرِيقٌ مَدْرُوسٌ
 اس راستے کو کہتے ہیں جو لوگوں کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے ہٹ کر
 دب گیا ہو۔ اسی طرح دَرَسَ اَنْحِنُطَةُ کے معنی ہیں گیموں کو گہ دینا۔
 گیموں (یا دوسرے اناج) کی بالوں کو زمین پر بچھا کر اس پر بیلوں کو
 مسلسل اور متواتر چلاتے رہتے ہیں جس سے بھوسہ اور اناج الگ الگ ہو
 جاتے ہیں۔ اسے گھنا کہتے ہیں۔ لہذا دَرَسَ کے معنی ہیں کسی چیز کو
 اس کثرت سے گھسنا یا مٹنا کہ اس کا نشان مٹ جائے۔ اسی سے دَرَسَ اَلْقَدَقَةُ
 ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اونٹنی کو اس کثرت سے چلایا جائے کہ وہ مطیع
 و منقاد ہو جائے۔ اَلْمُدَارَسَةُ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کی پیہم
 مشقت کرنا یا اس کی خبر گیری کرنا**۔ اور دَرَسَ اَلْكِتَابَ يَدْرُسُهُ، کے
 معنی ہیں کتاب کو اس کثرت سے بار بار پڑھنا کہ وہ ازبر ہو جائے***۔

سورة آل عمران میں ہے بَعَثْنَا مَوْلًى تَدْرُسُوْنَ (۱۰۱) کتاب کو
 اس طرح گھنا کہ اس کے معانی نکھر اور ابھر کر (الگ ہو کر) سامنے آجائیں۔
 اس پر مسلسل غور و فکر کرنا تا کہ حقائق کے پردوں میں جو حقائق مسطور
 ہیں وہ نکھر کر سامنے آجائیں۔ یا جو حقائق انسانی تخیلات کے پردوں میں
 چھپ گئے ہیں وہ بے نقاب ہو جائیں۔

* محیط۔ ** تاج۔ *** تاج و لسان۔

سورة انعام میں درِ اسۃ کا لفظ آیا ہے (۱۵۰)۔ یعنی نہایت غور کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ (۱۵۱)۔ ہم ان کے مطالعہ کرنے سے یقیناً بے خبر تھے۔

د ر ک

آلِیْدَرُکُٹ۔ کسی کا پہنچھا کر کے اس سے جا ملنا۔ اس تک پہنچ جانا۔ اسے جا پکڑنا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ سورة طہ میں ہے لَا تَبْخَافُ دُرُکًا (۲۰۰)۔ ”تجھے اسکا ڈر نہیں ہوگا کہ فرعون تجھے پہنچے سے آکر پکڑ لیگا۔۔۔ سورة شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا اِنَّ لَکُمْ دُرُکُوْنَ (۲۱۶)۔ ”اس ہمہ پکڑے گئے،۔ فرعون کے لشکر نے ہمارا پہنچھا کر کے ہمیں پکڑ لیا۔ تَدَارُکُٹ۔ کسی سے جا کر مل جانا۔ اسے ملنا۔ اس تک پہنچ جانا۔ اس میں یکے بعد دیگرے پہنچتے رہنے کا تصور ہے۔ مثلاً۔ سورة قدم میں ہے لَوْ لَا اَنْ تَدَارُکَہُ نِعْمَۃٌ (۲۱۶)۔ اگر (اسکے رب کی) نعمت اس تک نہ پہنچ جاتی۔ یعنی اس (حضرت یونسؑ) پر مختلف واقعات گزرتے رہے لیکن خدا کی نعمت مسلسل اور متواتر اس کے شامل حال رہی۔ آلِیْدَرُکُٹ۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے پہنچنے سے پہلے آنا۔ آلِیْدَرُکُٹ مِیْنِ الْمَطَلَرِ۔ بارش کا یکے بعد دیگرے مسلسل گرنے*۔ التَّدَارُکُٹ وَالِیْدَرُکُٹ۔ کسی چیز کی گہرائی کا آخری حصہ۔ تہ۔ آلِیْدَرُکُٹ۔ دَرُج کے مقابل میں آتا ہے۔ سیڑھی کے ذنبوں کو اوپر چڑھنے کے بعد سے دَرُجنت کہتے ہیں اور نیچے اترنے کے بعد سے دَرُکَات*۔ یہی وحہ ہے کہ قرآن کریم نے جنت کے مراتب و منازل کو دَرُجَمَات* کہا ہے۔ اس کے برخلاف جہنم کے منزل کو دَرُکَات*۔ فِی الْاِدْرَکِ الْاَسْفَلِ مِیْنِ النَّارِ (۱۳۱) جہنم کی سب سے نیچی تہ۔ غور کیجئے۔ سیڑھی وہی ہوتی ہے اور اس کے ذنب سے بنی وہی۔ جو شخص اوپر چڑھنا چاہتا ہے سیڑھی اسے بنیادی تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جو نیچے اتارنا چاہتا ہے وہی سیڑھی اسے کسی کنارے سے جانے کا موجب بن جاتی ہے۔ زندگی یک ہی ہے۔ جو اسے جس انداز سے بسر کرنا چاہے وہی اسے اسی انداز کی منزل تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

دَرُکَہ* : اسے جا ملنا، ملنا۔ دَرُکَہُ بَبَصَرِی*۔ میں نے اسے نگاہ سے پا لیا۔ دیکھ لیا*۔ اسی اعتبار سے دَرُکُک* اس غم کو کہتے ہیں

جو محسوسات (حواس) کے ذریعہ حاصل ہو۔ سورۃ یونس میں ہے حَتَّٰی اِذَا
اَدْرَاكَهُ الْغَرَقُ (۱۰:۱) ”جب اسے غرق ہونے لگا،“۔ یعنی جب اسنے
اپنے غرق ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ جب اسنے محسوس کر لیا
کہ وہ غرق ہو چلا ہے۔

اَدْرَاكَ الْغَرَقُ ”چیز اپنے وقت کو پہنچ گئی اور مکمل ہو گئی۔
انتہا کو پہنچی“۔ قرآن کریم میں ہے بَلْ اَدْرَاكَ عِيْنُهُمْ فِی
الْاٰخِرَةِ (۲۶:۱)۔ اہل لغت نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ ان لوگوں کا
آخرت کے متعلق غم ختم ہو گیا۔ یہ اسکی حقیقت کو نہ بنا سکے۔ اس سے بے
خبر رہے*۔ راغب نے ان معانی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے
اس کے معنی یوں بھی کئے ہیں کہ انہیں آخرت میں جا کر اس بات کا غم
ہو جائیگا**۔ لیکن ہمارے نزدیک ان معانی کی رو سے آیت کا مطلب واضح
نہیں ہوتا۔ اس سے کچھ بات بنتی نہیں۔ اَدْرَاكَ کے معنی میں کسی چیز
کا مسلسل اور پیہم اسطرح آگے چمتے آنا کہ اس کا آخری حصہ پہمے حصے
سے ملا ہوا ہو۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ان لوگوں
کو مسلسل اور پیہم غم پہنچتا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اس کے
بارے میں شک و شبہ میں نہیں بلکہ اندھوں کی طرح تاریکی میں۔ بَلْ اَدْرَاكَ
فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا۔ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمَوْنَ (۲۶:۱)۔

درہم

اَلِدَّرْہِمُ ”ایک چاندی کے مکہ کا نام ہے۔ اسکی جمع دَرَاہِمُ ہے۔
یہ عربی لفظ نہیں۔ بعض نے اسکی اصل فارسی قرار دی ہے اور بعض نے
یونانی*۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رومی لفظ (Drahms) کا معرب ہے۔
اسطرح دینار (Dinarins) کا، اور فلس (Fails) کا۔
سورۃ یوسف میں ہے دَرَاہِمَ مَعْدُودَةٍ (۱۲:۱)۔ ”نہوں نے حضرت
یوسفؑ کو) چند درہموں کے عوض (بیچ دیا)۔

دری

دَرِیْتُمْ ”میں نے اسے جان لیا۔ (۱۰:۱)۔ اَدْرَاكَ ”اس نے اس
کے متعلق بتلایا“۔ دَرِیْتُمْ کے معنی ہیں کسی قسم کی کوشش یا تدبیر سے
معلوم کرنا یا اسی چیز کو معلوم کرنا جس میں پہمے شک ہو۔ یہی وجہ ہے
*تاج۔ **راغب۔

کہ اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا قصد کرنا اور اسے طلب کرنا ہیں۔ نیز کسی چیز میں تمیزی۔ جنابجہ مید ری کنگھی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذہانوں میں نکملا پن اور تمیزی ہوتی ہے۔ (اس سے در رائستہ میں طلب و قصد کے ساتھ، تمیزی فہم کا تصور بھی ہو سکتا ہے)

ر سب نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں مَا اَدْرَاکْتَ (تجھے کیا خبر ہے یا تجھے کس نے آگاہ کیا) آیا ہے اس کے بعد اس چیز کی بابت بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً (۹۶)۔ لیکن جہاں جہاں مَا یُرِیْکَ (تجھے کیا چیز بتاتی ہے آگاہی) وہاں اس چیز کے بعد اس کے متعلق بیان نہیں کیا گیا**۔ یہ کہ اس کے بعد لَعَلَّ (شاید) کہہ کر، پس قدر بات کہی گئی ہے (دیکھئے ۳۲ و ۳۳ و ۳۴)۔ یعنی مَا اَدْرَاکْتَ کے بعد بات کا علم یقینی طور پر دے دیا گیا ہے لیکن مَا یُرِیْکَ کے بعد کہا ہے کہ شاید (یا ہو سکتا ہے) کہ یہ اس طرح ہو جائے۔ مثال کے طور پر سورۃ النذر میں پہلے کہا گیا ہے کہ وَمَا اَدْرَاکْتَ مَا لَیْلَةُ النِّدْرِ (۹۶)۔ ”تجھے کیا خبر کہ لیلتہ النذر آگاہی ہے“ اس کے بعد باقی آیات میں لیلتہ النذر کے متعلق مزید صراحت ہے۔ اس کے برعکس سورۃ شوریٰ میں ہے۔ وَمَا یُرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ (۱۰۲) ”تجھے کیا خبر؟ ہو سکتا ہے کہ انقلاب کی ٹوڑی قریب ہی ہو“۔

ان مثالوں سے مَا اَدْرَاکْتَ اور مَا یُرِیْکَ کے استعمال کا فرق سامنے آ جاتا ہے۔

د س ر

دُسْرُ - دَسَارُ کی جمع ہے۔ دَسَارُ کے معنی کھل یا رخ کے ہیں۔ دَسْرُ کے اصلی معنی سختی اور زور سے دھکا دینے کے ہیں**۔ دَسْرُ الدَّسَارُ۔ دشمنوں کو زور سے ٹھونکا۔ ویسے الدَّسَارُ لیجور کے ریشے کی رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے کشتی کے تختوں کو آس میں بانٹا جاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ الدَّسَارُ کے یہ معنی خلافِ قیاس ہیں۔ دَسْرُ اَعُوذُ کشتی کو بھی کہتے ہیں* اس لئے کہ وہ کو دھکبستی ہوئی کے بڑھتی ہے۔ قرآن کریم میں کشتی حضرت نوحؑ کو ذاتِ اَنُوحِ وَاَدُسْرُ کہا گیا ہے۔ یعنی تختوں اور میخوں سے بنی ہوئی کشتی۔ اگر دَسْرُ

سے مراد میخس ہی ہیں (رہنویں کی رسی نہیں) تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ
حضرت نوحؑ کا زمانہ وہ تھا جس میں دھماکے کا استعمال ہونے لگ گیا تھا
اور کشتیاں محض درختوں کے تنوں اور کھوکھلا کرلہنے سے نہیں بنائیتے تھے
بلکہ تختوں اور میخوں سے بنائی جاتی تھیں۔ لیکن ہستی حضرت نوحؑ کے
متعلق قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ اسے خدا کی زیر نگرانی، اس کی وحی کے
مطابق بنایا گیا تھا، (۱۱۱)۔ ممکن ہے اس زمانہ میں اس قسم کی صنعتی مادہ
کاری کا عدم بھی (بہت پہلے) وحی کے ذریعے دیا جاتا ہو اور پھر اس کا استعمال
عام ہو جاتا ہو۔

تاریخ انسانیت سے بڑے اُسے جانے سے نہ معمول کیا گیا حدائق سامنے
کھینکے ، اور انہی یسی چیزیں ، جن کے معنی آج بھی سمجھنا چاہئے نہ ان
کی ابتدا عشقِ انسانی نے کی تھی ، وحی کی رہنمائی منت متحقق ہوئی؟

د س س (د س و)

انرشوۃ - کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے تحت جھکا دینا یا دبا دینا۔
 دفن کر دینا۔ * راغب نے اس کے معنوں میں مجبور کرنے کا اضافہ کیا ہے۔
 یعنی کسی چیز کو بیوقوف کسی چیز کے اندر داخل کر دینا۔ * دَسَسْتُ
 الشَّيْءَ فِي الثَّرَابِ - میں نے اس چیز کو مٹی میں چھپا دیا۔ * سورہ نحل
 میں ہے کہ جب اجداس عرب میں انہیں لڑکی دے دیا ہونے کی اطلاع مٹی
 تو وہ سوچتے کہ "بَتَرُسُّهُ" (ثَرَابِ) - "یا وہ اسے زمین میں دفن
 کر دے"۔ سورۃ سحر میں نفس انسانہ کی کے متعلق ہے "فَتَسْحَبُ مِنْ
 زَحَاهِهَا" (۱۰)۔ "جس نے اس کی نشوونما خراب کر دی اور سران ہو گیا"
 اس کی مہمتی سروں چڑھ گئی۔ "وَتَرَىٰ خَيْبَ مَنِّ دَسَسِيهَا" (۱۱)۔ "جس
 نے اسے دبا دیا وہ دھوکا کھاتا"۔ "فَتَسْحَبُ" اس کی نسبت سے روح کی
 منزل کو سامنے لائے۔ اس کی بروہندی کے لئے اسے مٹی میں ملا کر پڑا ہے۔
 انر - فی - مٹی - شہر - حرارت - روشنی کا تمام صحیح صحیح ہونا روح کی
 صلاحیتیں نشوونما - مٹی میں - وہ ملا کر بن کر پڑا ہے۔ "تَوَسَّسَ بِنَارِ
 شَہ" اور تندور درخت کی سکل میں فضا میں جھومتا ہے۔ لیکن اس اسی ہی
 مٹی زیادہ ہٹا رہی ہے تو اس کی تمام صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ انسان
 ذات میں بڑھتی ہوئی اور بڑھتی ہوئی صلاحیتیں مضمحل کر دی گئی ہیں۔
 لیکن ان صلاحیتوں کی نشوونما محدودہ سطح پر آ کر مٹی کے اندر چھپ جاتی ہے۔

* تاج - ** راغب -

اگر مادی قوتوں سے مناسب کام لیا جائے تو انسانی ذات کی مضر صلاحیتیں برومند ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ مفاد پرستوں کے بوجھ کے نہجے دب جائے تو اس کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

دَسَّی اصل میں دَسَّس تھا۔ جو نیکہ تین سبن کا یکجا جمع ہونا گراں گزرتا ہے اس لئے اسے دسٹی بنا دینا۔ فراء اور زجاج نے کہا ہے کہ اس سے مراد بخل ہے۔ دیونکہ بخل آدمی اپنے آپ کو چھپاتا ہے اور سخی اپنے آپ کو نمایاں اور کھلا ہوا رکھتا ہے۔ یہ معنی اس اعتبار سے (ایک گونہ) صحیح ہیں کہ قرآن کریم نے خود نفسِ انسانی کی نشو و نما کا راز اَعْمٰی (دوسروں کو دینے) میں بتایا ہے اور بخل کو اس کی تباہی کا موجب قرار دیا ہے۔ فَامَنَّ مِنْ اَعْمٰی وَاَنْتَقٰی . . . فَسَنَسْیِرُهُ الْیُسْرٰی۔ وَامَنَّ مِنْ بَخْلِی وَاَسْنَخْنٰی . . . فَسَنَسْیِرُهُ الْیُسْرٰی (۱۰-۱۱)۔ اسی کو روایت کہتے ہیں۔ معنی دوسروں کی پرورش سے اپنی ذات کی نشو و نما کرنا۔ اور یہی قرآنی تعلیم کا مقصود و منتہی ہے۔

چھپانے کے اعتبار سے الدَّسِیْسَةُ اس مکر و فریب کو کہتے ہیں جو چھپا ہوا ہو۔ مخفی طور پر داخل ہونے والی چیز۔

اہل لغت نے دَسَّیہ میں دَسَّی کا مادہ د۔ س۔ و بنا د۔ س۔ ی بھی بتایا ہے۔ ان مادوں کے بنیادی معنوں میں یکسانیت کی وجہ سے ہم نے دَسَّیہ اور دَسَّاہ کو ایک ہی عنوان کے تحت دیدیا ہے۔

د ع ع

دَسَّعَ۔ مسختی کے ساتھ دھکا دینا۔ دَاعِ دَاعِ۔ بکریوں کو ڈنٹنے کی کوز۔ دَسَّعَ۔ آدمی کے چبوتے ہل جانے۔ احن کی وجہ سے اسے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے فَذٰلَکَ یَقْرٰی یَدْعُ الْاِنْسِیْمَ الْاَوَّلَ۔ "پس وہی ہے جو تم کو دھکے دیتا ہے، سورۃ طور میں ہے۔ یَوْمَ یُدْعٰی اِلٰی نَارِ حَقْوَمَہِمْ دَعَتْ اِلَیْہِا۔ "جس دن یہ آتش جہنم کی طرف ہماری دعوت میں دھکے جائیں گے،" ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دھکیلنے اور اضطراب کے ہیں۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

سورۃ الساعون کی مذکورہ بالا آیت (۱۴) پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے
 سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اَرَاَیْتُ الْقَارِیَ یُکَذِّبُ بِالْاٰیٰتِ
 (۱۵) ”کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا ہے جو دین کو جھٹلاتا
 ہے؟“ کون ہے جو یہ معلوم کرنا نہ چاہیگا کہ دین کی تکذیب کون
 کرتا ہے؟ اس کا جواب اگلی دو آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ فَذٰلِکَ الْقَارِیُ
 یَسْمِعُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ عَنِ الْمَسٰکِیْنِ (۱۶)۔ ”یہ
 وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب
 نہیں دیتا،“ آپ نے غور کیا کہ دین اور معاشیات میں کتنا گہرا تعلق
 ہے؟ بدکہ صلوة اور معاش میں بھی؟ اس لئے کہ اگلی آیات میں یہ کہا گیا
 ہے کہ ان مصلحین کے لئے تمنا بھی ہے جو صلوة کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ وہ
 نماز کے محسوس و سرئی ارکان کی تو پابندی کرتے ہیں لیکن رزق کے ان
 سرچشموں کو جنہیں بہتے پانی کی طرح، رواں دواں ہر ایک ضرورت مند تک
 پہنچنا چاہئے، بند لگا کر روک لیتے ہیں۔ (مزید تشریح متعلقہ عنوانات میں ملے گی)۔

د ع و

دَعَا کے معنی کسی کو پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ چنانچہ الدَّاعِیۃُ
 اس اندلی (سبابہ) کو کہتے ہیں جس سے اشارہ کر کے کسی کو بلایا جائے۔
 الدَّاعِیۃُ - جنگ میں گھوڑوں کی جھنجھکاہ کہتے ہیں۔ عَوَّیَ
 دَعَوَہُ لَیْرَجُلٍ کے معنی ہیں وہ مجھ سے اتنی دور ہے کہ وہاں تک آدمی
 کی آواز پہنچ جاتی ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں
 کسی کو اپنی آواز یا بات سے اپنی طرف مائل کرنا۔

دَعَاہُ اَسٰی الْاَمِیْر کے معنی ہیں وہ اسے امیر کی طرف لے گیا۔
 اس اعتبار سے دَاعٍ صرف بلانے والے ہی نہ ہوں گے بلکہ اسے بھی
 کہتے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے کی طرف لے جائے*۔ دَعَاہُ -
 (یَدْعُوْنَ) کے معنی تمنا کرنے کے ہیں*۔ یہ کسی چیز کو پکار کر
 بلانے کے (۶۸)۔

تَدْعُوْا عَلَیْہِ کے معنی ہیں وہ اس کے خلاف جمع ہو گئے۔ اور
 تَدْعُوْا عَلَیْہِ اَعْدَاؤُہٗ مِیْنُ کُلِّ جَانِبٍ کے معنی ہیں دشمن نے
 ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ تَدْعُوْا عَلَیْہِ الْحَبِیْثَانِ کے معنی ہیں
 دیواریں یکے بعد دیگرے گر پڑیں*۔

دَعَوُتْہُ زَبَدًا - میں نے اسکا نام زید رکھ دیا - اَلِدَعْوِیُّ - وہ بزرگا جسے متبنی بنا لیا جائے* - (اسکی جمع اَدْعِیَّاءُ ہے (۳۳)۔

اَلدَّاعِیَّةُ - اس دودھ کو کہتے ہیں جسے تھنوں میں اسٹے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اسکے سہارے باقی ماندہ دودھ نکالا جاسکے* - نیز سبب یا باعث - اَشْوَاعِیُّ - ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں اور سکے اندر ہیجان پیدا کر دیں** - (ان معنی کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ ان سے دُعَاءُ کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے)۔

وَاَدْعُوْا شُهَدَاءَ کُمۡ (۲۳) کے معنی ہیں تم اپنے مددگاروں کو بلاؤ - سورۃ کہف میں نَادَیْ اور دَعَا دونوں مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (۱۲) - سورۃ اعراف میں دَعَا کے مقابل میں صَمَمَتَ کا لفظ آیا ہے (۱۱) جسکے معنی چپ رہنے کے ہیں - لہذا دَعَا کے معنی بکارنے یا بلانے کے ہوتے۔

سورۃ بقرہ میں ہے فَاذْعُ لَنَا رَبَّکَ (۲۱) - جسکے معنی ہیں ہمارے لئے اسنے پروردگار کو بکار - اَلدَّاعِیُّ - بکار - مضامہ - تقاضا - (۱۰)۔

اب ہمارے سامنے دُعَا کا وہ گوشہ آتا ہے جو مذہب اور فسطحہ کی دنیا میں سب سے مشکل مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے طرح طرح کے شکوک اور خدشات لاحق ہو جاتے ہیں - یہ گوشہ ہے "خدا سے دعا مانگنے" کا - ان شکوک و خدشات کو سمجھنے کے لئے جن کی طرف اور اشارہ کیا گیا ہے ایک مثال پر غور کیجئے - کسی مقدمہ میں زید مدعی ہے اور بکر مدعا علیہ - زید خدا سے دعا کرتا ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے - اس سے حسب ذیل سوالات سامنے آتے ہیں -

(الف) ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے تمام معاملات کے فیصلے خدا کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں - اگر یہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز پہلے سے طے شدہ ہوئی کہ اس مقدمہ میں زید کو شکست ہوگی یا فتح - اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ زید شکست ہوگی تو کیا زید کے دعا کرنے سے خدا اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیں اور زید مقدمہ ہارنے کے بجائے جنت جانیگا؟ اگر ایسا ہو تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا اپنے فیصلوں کو انسانوں کی مرضی کے مطابق بدلتا

رہتا ہے۔ یعنی خدا انسانوں کی مرضی کے تابع چمٹا ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

(ب) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کے دعا کرنے سے، خدا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیگا؟ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا اور سچے کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔

(ج) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں سچ ہے۔ اگر زید خدا سے دعا نہ کرے تو کیا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگا یا نہیں؟ اگر دعا کے بغیر فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہو سکتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا از خود سچے کے حق میں فیصلہ نہیں دیتا۔ سچے کو اپنے حق میں فیصلہ اپنے کے لئے خدا سے منت خیر شامہ کرنی پڑتی ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔ اور اگر خدا سچے کے حق میں فیصلہ کرتا ہے خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے، تو زید کے دعا کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ خدا کو بھر حال اس کے حق میں فیصلہ کرنا تھا۔ اس صورت میں دعا ایک بیکار عمل ہوتا۔

(د) یہ ظاہر ہے کہ مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ناجائز نہ سمجھی جائے ہی سمجھی۔ کوشش تو ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر زید صرف دعا کرے لیکن کوشش نہ کرے تو کیا وہ مقدمہ جیت جائیگا؟ اگر وہ صرف دعا سے مقدمہ جیت جائے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جس (کوشش کرنے) پر جو ستم زور دیا ہے تو وہ سب بیکار ہوگا۔

اور اگر کوشش کے بغیر مقدمہ نہیں جیتا، تو پھر دعا کا فائدہ کیا ہوا؟

(س) اگر زید اپنی جگہ خدا سے دعا کرے اور بکر اپنی جگہ۔ تو پھر مقدمہ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ خدا کس کی دعا قبول کریگا اور کس کی رد کریگا؟

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے سوچوک و خیالات ہیں جو دعا کے اس مشہور سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کے حل کرنے کے لئے مذہب* اور فلسفہ* مذہب سے مراد انسانوں کا خود ساختہ مسلک ہے۔ دین خدا کی طرف سے ملتا ہے۔

مہینوں سے (ناکام) کوششوں میں مصروف ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ دعا کا یہ تصور غلط ہے اور اس دور کا یہ تصور کچھ نہیں ہے۔ جب ذہن انسانی اپنے عہد صفویات میں تھا اور کائنات میں قانون اسباب (Law of Causality) کے تصور سے نا آشنا تھا۔ اس نے بتایا کہ۔

(۱) کائنات میں ہر شے خدا کے لگے ہوئے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ اور خدا اپنے قانون میں کبھی تباہی نہیں کرتا۔ وَلَئِنْ نَّجِدْ لِسُبُّكَ رَبِّ تَجْدِرُ يَدَايَ (۳۳)۔ "تو قانون خداوندی میں کوئی تباہی نہیں پائیگا۔"

(۲) انسانی دنیا میں بھی خدا ہی کا قانون کا فرمان ہے۔ جو شخص اس قانون کے مطابق جتنی کوشش کرے اسی قدر کامیاب ہوگا۔ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْإِسْلَامَ (۳۴)۔ "اگر تم اس کے پیروں ہو تو کوشش کرو۔" اور اسکی کوشش کا نتیجہ بالآخر سامنے آ جائیگا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو شخص خدا کے قانون کے مطابق کوشش میں لگے اور محض دعا مانگے سے سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہو جائیگا، اس کا یہ تو خدا کے متعلق تصور صحیح ہے اور یہ بھی اسے کہنی کا ماحول ہو سکتی ہے۔ سَوْرَةٌ رَدِّ مَسْأَلَةٍ۔ "سوچو کہ انسان کی جو دعوت تعمیری نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ جزئی درمہنی قرار دیا جاسکتی ہے۔ وہ وہی دعوت ہے جو خدا کے لئے بھی اس کے قانون کے مطابق ہو۔ وَارْمِمْ كَتِفَ الْمُكْفِلِينَ (۳۵)۔ "دھکیو گھٹائیوں کی کتفیں۔" اور جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں سے اپنی حُجُب وایستہ کرتے ہیں۔ یعنی جہانے ہیں کہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر، اپنی توہم پرستیوں کے زور پر کامیاب ہو جائیں، سو وہ غلطی سر ہیں۔ ان کی یہ خود ساختہ قوتیں ان کی کوئی سانگ سوری نہیں کر سکیں گی۔ اِسْمِ الْغُیُوبِ (۳۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۳۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۳۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۳۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۴۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۵۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۶۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۷۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۸۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۱)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۲)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۳)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۴)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۵)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۶)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۷)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۸)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۹۹)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔" اِسْمِ الْغُیُوبِ (۱۰۰)۔ "غیبی ناموں کی کتاب۔"

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا... (۱۳۰)۔ کائنات کی ہر شے، طوعاً و کرہاً، خدا کے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ مسو جب ساری کائنات کا سلسلہ خدا کے قانون کے مطابق چل رہا ہے، تو انسان اس سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتا ہے؟

لہذا، قرآن حکریم کی رو سے ”خدا سے دعاء، کے معنی ہیں خدا کے قانون سے مدد چاہنا۔ یعنی اس کی اطاعت سے اپنی کوششوں میں صحیح نتائج مرتب کرانا۔ اس حقیقت کو قرآن حکریم نے متعدد مقامات پر واضح کر دیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمن میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تمہارا نشو و نما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا (اس کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان کیا جائیگا)۔ اس کے بعد ہے اِنَّ الشَّارِئِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَتَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (۱۳۱)۔ بظن جو لوگ میری محکومت اختیار کرنے سے سرکشی برتتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ کس کے دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ”خدا“ کو پکارنے، سے مراد اس کے احکام و قوانین کی محکومت اختیار کرنا ہے۔ اور خدا کی طرف سے اس پکار کا جواب منے سے مراد انسان کی سعی و کوشش کا ثمر ہا ہونا۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اِنْتُمْ يٰۤاٰمِنُ بِيْۤاٰتِيْنَا الشَّرِيْئِيْنَ اِذَا ذُكِّرْتُمْ وَ اٰيٰهٰنَا خَرَتُوْا اَسْجُدْ اَوْ سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ وَ اَقِيْمُوْا لَهَا وُجُوْهًا (۱۳۲)۔ تم اے ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے وہ احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ سر تسبیح خم کر دیتے ہیں اور اپنے نشو و نما دینے والے (کے پروگرام کو) درخور حمد و سنائش بنانے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور وہ ان احکام سے سر تباہی نہیں کمر لے۔ سَتَجِدُنِيْ جُنُوْبًا غَيْرَ مُتَحَذِّجٍ۔ يٰۤاَعْمُوْنَ رَبِّيْكُمْ خَوْفًا وَ صَمَعًا وَ مِيْثَاقًا رَّزَقْنٰكُمْ يٰۤاَعْمُوْنَ (۱۳۳)۔ وہ ان احکام کی تعمیل میں اس طرح سرگرم عمل رہتے ہیں کہ نیند تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ راتوں کو بھی جاگتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے رب کو دفعِ مضرت اور حسبِ منفعت کے لئے پکارتے ہیں۔ کسوں کا کہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل سے کیسے عمدہ نتائج مرتب ہوں گے اور ان کی خلاف ورزی سے کس قدر تباہی آئے گی، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہوتا ہے وہ اسے (نوعِ انسانی کی بہبود کے لئے) نیکار رکھتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں ہے فَاَدْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (۱۳۴)۔

خدا کو پکارو تو اس طرح کہ فرماں پذیری کے ہر گوشے کو خالصتہً اُسی کے لئے وقف اور مختص کر دو۔ سورۃ شوریٰ میں ہے: **وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (۳۲)**۔ ”وہ ان کی ہکار کا جواب دیتا ہے جو اس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتے ہیں“۔ یہاں سے بھی واضح ہے کہ ”ہکار اور اس کے جواب“ سے مفہوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے: **ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۲۰۶)**۔ ”تم اپنے نشوونما دینے والے کو دل کے پورے جنبوں اور سکون سے پکارو۔ اس طرح کہ یہ پکار تمہارے دل کی لہرائوں سے نکلے۔ بےاد رکھو! جو لوگ اس کے قانون سے سرکشی برتتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، وہ انہیں کبھی پسند نہیں کرتا“۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ”خدا کو پکارنے“ سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اس سے انی آیت نے اسی مفہوم کی تشریح کر دی ہے جہاں کہا ہے: **وَلَا تَقْسِرُوا فِي الْأَرْضِ بِعَدْوٍ مِّثْلَ حَيْوَاتِهِ ۚ وَأَدْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّمَّنْ الْمُحْسِنِينَ (۲۱۵)**۔ یعنی تم معاشرہ میں ہمواری پیدا ہو جانے کے بعد نا ہمواریاں مت پیدا کرو۔ اور خدا کو دفع مضرت اور جنب منفعت کے لئے پکارو۔ بےاد رکھو! جو لوگ حسن کارانہ انداز سے معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں، خدا کی رحمت ان سے بہت قریب ہوتی ہے۔“

یہاں ”خدا کی رحمت“ کو قریب کہا ہے۔ سورۃ بقرہ میں خود خدا کے متعلق کہا ہے کہ وہ قریب ہے۔ **وَإِذْ أَسْكَنْتُكَ عِبَادِي عِيسَىٰ قَالَ نَسِي قَرِيبٌ ۚ دَعْوَةُ اسْتِغَاثَةٍ ۚ إِذْ أَدْعَاكَ ۚ**۔ ”اور جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو ان سے کہہ دو کہ میں (کہیں دور نہیں ہوں۔ ان سے بہت قریب ہوں۔ ان کی رگ رگوں سے بھی زیادہ قریب۔ ہاں) میں ہر نذرے والے کی ہکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے بکارتا ہے،“۔ اس کے بعد ہے: **فَسْتَجِيبُوا لِي وَلِيُؤْتِيَنَّهُمْ بَرَكَاتٍ ۚ وَلَنُخِصِّنَّهُمْ بِأَمْرٍ ۚ وَلَنُخِصِّنَّهُمْ بِأَمْرٍ ۚ** (۲۱۶)۔ ”میں انہیں چاہتا ہوں کہ میری فرمائندگی کریں اور میرے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں۔ تاکہ یہ انہی منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ پائیں،“۔

اس سے واضح ہے کہ خدا کو پکارنے (دعا) سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اور دعا کا جواب دینے سے مفہوم اُس اطاعت پذیری کے نتائج مرتب ہونا۔

ہوں اور اس میں کسی اور نہ اس کے ساتھ شریک نہیں رہتا۔ یعنی اس کے
حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا (۱۸)۔

”دعا“ کے اس قرآنی مفہوم کے تحت ان سکوک و خدشات کی کوئی
گنجائش ہی نہیں رہتی جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا تھا۔

ب ذر آئے پڑھئے۔ جن میں ہوں کسی قسم کی صلاح میں ”دعا“
نہ ہے جس میں نہ کوئی صلاح ہے نہ وہ بھی جس میں نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
وَأَمَّا نَسْتَأْذِنُكَ لِيْ أَمْرًا نَّهَىٰ عَنْهُ فَأَمَّا نَسْتَأْذِنُكَ لِيْ أَمْرًا نَّهَىٰ عَنْهُ
تَرْجُمَنَ ۝۱۱۔ ”اے اللہ! تو مجھے وہ چیز سے روک دے جو تو نے
اور میں نے اس میں حصہ لے لیا ہے جس کے منہ سے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
تو نے اس میں حصہ لے لیا ہے اور میں نے اس میں حصہ لے لیا ہے تو نے اس میں
حصہ لے لیا ہے۔ ”یعنی وہ دعائیں جن میں انسان اپنی کسی ضرورت پر کرنے کی
درخواست کرتا ہے۔ یہ دعائیں درحقیقت انسان کی ضرورت کی ایک قسم ہیں۔
یعنی جن میں نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
جس سے اس کی ختمہ تو ہے۔ ”ار شیم“ یعنی میں اور منہ سے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
آجانی میں۔ انکی دعا سے اس کا سزا میں اور نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
وہ دعا کہ وہ دعا ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ یعنی اے اللہ! تو نے اس میں حصہ لے لیا ہے
”وَرَبِّهِمْ“ اور ”وَرَبِّهِمْ“ کے جو معنی ”رُفِعَ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔
”وَرَبِّهِمْ“ یعنی اس سے پہلے میں نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
خداوندی کے ساتھ ہی ہے۔ اور میں نے اس میں حصہ لے لیا ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
پس اس کے لئے میں نے اس میں حصہ لے لیا ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
کے لئے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔
وہ دعا کہ وہ دعا ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔
”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی

مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

”نہ“ جب ممکن ہے نہ اگر انسان اپنے کسی مقصد کے حصول کے
لئے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے نہ کوئی صلاح ہے
”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔
”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔
”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔ ”وَرَبِّهِمْ“ میں ہے۔

صرف قوتوں کی بیداری نہیں۔ سب سے پہلی چیز خود مقصد کا تعین ہے۔
 یعنی وہ مقصد ہے کہ جس کے حصول کیلئے آرزو کی جا رہی ہے۔ اور وہ ہے
 کمال۔ پھر اس کے حصول کیلئے طریقے کیا کیا اختیار کئے جائیں گے۔ اور
 اس تمام سعی و کوشش کے ماحصل کو کس مقصد میں لایا جائیگا۔ ایک مرد
 مومن اقرانی انسان) ان تمام امور کا فیصلہ خدا کے احکام کی روشنی میں کرتا
 ہے اسلئے وہ ہمیشہ قدم سے آخری قدم تک، خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔
 اسکی ضرب و آرزو کی شدت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہوتی ہے۔ اسلئے وہ
 اس کے لئے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے۔ خدا کی طرف سے سب کچھ اس کے قانون
 کے مطابق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دعائے نتیجہ میں انسان کی خفیہ قوتوں کی
 بیداری بھی اس کے قانون ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ علاوہ بریں، ایک اور بنی
 نقطہ ہے جس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ خدا نے انسانی ذات میں ایسی صلاحیت
 دے رکھی ہے کہ وہ مناسب نشو و نما سے اپنے اندر (عسیٰ حید بشریت) ان
 صفات کو اجاگر کرتی جائے جنہیں (لا محدود طور پر) صفات خداوندی یا
 الاسماء الحسنی کہا جاتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے خدا کی ذات (یعنی ان
 صفات حسنی کی حامل ذات) انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے معیار (یار) بن
 بن جاتی ہے۔ انسان کا اپنی شدت آرزو میں خدا کو پکارنے سے مقصد یہ ہوتا
 ہے کہ وہ اپنے اندر ان صفات خداوندی کو اجاگر کرنا چاہتا ہے جن سے
 مقصد پیش نظر میں کامیابی ہو جائے۔ یہ ہے فرق ”خدا سے دعا مانگنے“ اور
 اپنے طور پر شدت آرزو پیدا کرنے میں۔

(دعا کی اجابت کے لئے عنوان ج و ب بھی دیکھئے)

اب رہیں حضرات انبیاء کرامؑ کی وہ ذاتی دعائیں جن کا ذکر قرآن
 میں ہے۔ سو نبوت کا معامدہ تمام انسانی معاملات سے پہلے اس کے
 متعلق ہم نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم ان کے لئے
 ہونے پر غام کو سمجھتے ہیں اور اسی کی اصاحت ہمارا فریضہ ہے۔ باقی رہا ان
 کی دعاؤں سے یہ نتیجہ نکلنا کہ جس طرح خدا ان کی دعا کے جواب میں ان سے
 ہم کلام ہوتا تھا، اسی طرح دیگر (غیر از انبیاء) انسانوں سے بھی ہم کلام
 ہو سکتا ہے۔ تو یہ چیز وحی اور نبوت کے قرآنی تصور کے یکسر خلاف ہے۔
 خدا، حضرات انبیاء کرامؑ کے علاوہ کسی انسان سے ممکنہ نہیں ہوتا۔ اور
 نبی اکرمؐ کے بعد ایسا سمجھنا ختم نبوت کی مہر کو توڑنا ہے۔

نہ ہی یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خدا ہماری دعا کو نہیں سنتا اس لئے
 ”خدا کے کسی مقرب“ سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے لئے خدا سے

دعا کرے۔ قرآن کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان کوئی قسوت حادث نہیں ہو سکتی۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ "خدا تک پہنچنے، یا اس تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے کسی ذریعے اور واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر انسان، اس کے قوانین کے اتباع سے "اس تک پہنچ سکتا ہے، اور اپنی آواز اس تک پہنچ سکتا ہے۔ (وسیلہ کے قرآنی مفہوم کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے) اور اس کے قوانین کا اتباع، قرآنی معاشرہ کے اندر رہ کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جو دعائیں مومنین کے لئے بتائی ہیں وہ عدم طور پر جتماعی ہیں۔ مثلاً ۱/۵ و ۲/۱ و ۲/۸۶ و ۳/۷ و ۳/۱۳۶ و ۳/۱۶۲۔

سورۃ بقرہ کی جو آیت اور درج کی گئی ہے۔ یعنی وَ ذَا اسَ کَکَ عِیْبَ دَرِیْ عَنَتِیْ فَاِذَا نَدِیْ فَرَرْتُ بِ"۔ (۱/۲۰)۔ "جب تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (ان سے کہہ دو کہ) میں فریب ہوں،۔۔۔ نَجِّنْ" فَرَّ بَ" اَلِیْمَہِ مِیْنُ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (۱/۲۱) "میں انسان سے اسکی رگ جان سے بھی فریب ہوں،۔۔۔ تو ان میں ضمناً خدا کے موجود فی کائنات (Innate) اور خارج از کائنات (Transcendence) کی طرف اپنی اشارہ موجود ہے۔ وہ ہر انسان سے، اسکی رگ جان سے بھی فریب ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اسطرح موجود نہیں جسطرح کوئی چیز کسی خاص مقام میں مقید ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے حواس کسی ایسی شے کا تصور نہیں کر سکتے جو فضا (Space) کے اندر مقید نہ ہو اس لئے ہم اسے سمجھ نہ سکتے کہ خدا، اس کائنات میں، بغیر جگہ سے (Free) سمجھے کسطرح موجود ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے کہہ دیا ہے کہ لَا تَدْرِیْ کَیْفَ "اَلْیَمَّارِ"۔ وَ شَؤْ یُّدْرِیْ کَیْفَ اَلْیَمَّارِ"۔ (۱/۲۲)۔ انسانی فہم اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ لیکن وہ انسانی فہموں کا ادراک و احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لیکن اس کے قانون کا ہم ادراک بھی کر سکتے ہیں اور نتائج سے اس کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے شمارا تعن خدا کے قانون سے بتایا ہے۔ خود خدا کی ذات سے نہیں۔ دُعَا (کارنے) کا تعن بھی خدا کے قانون سے ہے۔ ہم اس کے قانون کو آواز دیتے ہیں اور جب ہم اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ ان اعمال کے مشہود نتائج کو سامنے لا کر ہماری ہکار کا جواب دیتا ہے۔

یعنی رہنا خدا کا عہد، سو جس چیز کو ہم "ماضی"۔ حال۔ مستقبل، کہتے ہیں، عہد خدا وندی کی رو سے اسکی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل سب بیک وقت (Eternal Now) کی شکل میں موجود

ہوتے ہیں۔ یعنی اسے شے ہونے والی واقعات کا اسطرح علم ہوتا ہے جسے وہ سامنے سمجھتا ہو رہے ہوں۔ لیکن اس چیز کا ہم رے اس اختیار و ارادے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جو ہمیں خدا نے عطا کیا ہے۔ نہ ہی اس بات پر کوئی اثر پڑتا ہے کہ ہمارے شے جو کچھ ہونا ہے وہ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سب کچھ خدا کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے (اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے) لیکن وہ ہم رے اختیار و ارادہ کو سلب نہیں کرتا۔ ہم جو جانتے ہیں کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا نتیجہ پہنچتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے قانون کے مطابق کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ خوشگوار ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں۔ کسی میں اس کی طاقت نہیں کہ خدا کے قانون کے خلاف کرے اور اس کا نتیجہ خوشگوار مرتب کرے۔ خدا کے قانون کے مطابق قسم اٹھانا، خدا کو پکارنا یہ دعا کرنا ہے۔ اور اس کا خوشگوار نتیجہ مل جانا، دعا کا قبول ہو جانا۔

د ف ا

الشرف۔ حرارت اور گرمی۔ نیز وہ چیز جو گرمی پہنچائے۔ اذرفاء۔ اس نے اسے ایسا کھڑا پہنسا دیا جو اسے گرم کر دے۔ اذرفاء۔ ہر وہ چیز جو گرمی پہنچائے۔ مثلاً اون وعرہ۔ قرآن حکیم میں موشیوں کے متعلق ہے لَکُمۡ فِیۡہُمَا دِرْفٌ وَّ مَسْفِیۡعٌ (۱۰۱)۔ ان میں تمہارے لئے اون وعرہ سے گرمی۔ گرمی سہم پہنچائے و مسافیان اور دیگر فائدے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ درف۔ اونٹوں کے بچوں، ان کے دودھ ورن کی دیگر منفعت بخش اشیاء کے لئے بولا جاتا ہے۔

د ف ع

دفع۔ کسی چیز کو قوت سے دور کر دینا۔ دفعۃً۔ (۱۰۲) صاحب محیط نے کہا ہے کہ اندفع کے معنی ہیں کسی شے کو وارد شے سے پہلے ہی دور کر دے اور اذرفاء کے معنی ہیں شے وارد ہو جانے کے بعد دور کرنا۔ بصائر میں ہے کہ حب دفع کے بعد سے ان کے معنی مٹنے یا ادا کر دینے کے ہونگے۔ جسے دفعۃً و (۱۰۳) میں یعنی۔ ان کے مال انہیں موات ہو۔ اور جب اس کے بعد عین آئے تو اس کے معنی حمایت کرنے یا حفاظت کرنے کے ہوتے ہیں۔ جسے

*تاج و راغب۔ **تاج۔ ***محیط۔

دل کی

دَالِیْکَہٗ بِیَسَدِہٖم دَاوُکَہٗ - کسی چیز کو ہاتھ سے مٹنا اور رگڑنا۔
 دَاوُکَہٗ شَمْسُ دَاوُکَہٗ - آفتاب کا غروب ہونا، کیونکہ اسکی طرف دیکھنے
 والا اپنی آنکھوں کو مٹاتے ہوئے ہے*۔ (لیکن ہمارے نزدیک یہ تو جہہ منور
 میں ہے) دَاوُکَہٗ دَاوُکَہٗ - آفتاب کا زرد ہو جانا اور زوال یا غروب کی طرف
 مائل ہو جانا۔ آفتاب کا ظہر کے وقت وسط آسمان سے نیچے کی طرف ڈھل جانا**۔
 ازہری نے کہا ہے کہ اسکی یہی معنی صحیح ہیں کیونکہ کلام عرب میں
 دَاوُکَہٗ کے معنی زوال کے آتے ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی
 معنی کسی چیز یا دوسری چیز سے ہٹ جانا (زوال) بتائے ہیں۔ لیکن اس نے
 کہا ہے کہ دَاوُکَہٗ میں کسی چیز کا نرمی اور آسانی سے ہٹ جانا پایا جاتا
 ہے۔ اسے رگڑنے کے لئے بھی یہ لفظ اسی جہت سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ
 ایسی صورت میں ہاتھ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔

کوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی سک
 جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے ہیں۔ اس لئے زوال بھی دَاوُکَہٗ ہے اور
 غروب بھی دَاوُکَہٗ ہے۔ جب آفتاب نصف النہار میں زوال کر جاتا (دھل جاتا)
 ہے تو اسے دَالِیْکَہٗ کہتے ہیں۔ ایسے ہی جب وہ غروب ہو جائے تب بھی
 اسے دَالِیْکَہٗ کہتے ہیں،** کیونکہ دونوں حالتوں میں اسے زوال ہوتا ہے۔
 ابن نوادر الاعراب میں ہے کہ اسکی معنی آفتاب کے بندہ اور اونچا ہونے کے
 آتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ دل (دا) جہاں بھی نام ال کے ساتھ
 آئے ہو وہ حیرت کرنے والے ہیں، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ زوال
 پزیر ہونے، سردی، لڑائی۔ چنانچہ دَاوُکَہٗ غروب کے معنی میں ہرگز
 گھومنے نہیں پڑتا۔ دَاوُکَہٗ شَمْسُ دَاوُکَہٗ شَمْسُ - غروب کے
 گونہ ہوا۔ تَدَاوُکَہٗ الشَّمْسُ - کسی نے نہایت ہونے اسے بدل دیا۔
 تَدَاوُکَہٗ - خوب خوب دوا و شہ جیسے بدلے۔ تَدَاوُکَہٗ شَمْسُ - اس
 اور اب اس کہتے ہیں جسے مغربوں میں بربرکام میں لایا گیا ہو۔ تَدَاوُکَہٗ
 جیسے میں بلا۔ دُل جیسے نیازی سے چمکا*۔ ن تمام معانی سے واضح ہے کہ
 اصل معنی اس مادہ کے حرکت کرنے ہی کے ہیں۔ لہذا جب آفتاب صوبہ
 صبح سے دوپہر تک بند ہوتا جاتا ہے تو اسے بھی دَاوُکَہٗ کہہ سکتے ہیں۔ (جیسا
 کہ نوادر الاعراب کے حوالہ سے پھر لکھا گیا ہے) اور جب وہ نصف النہار
 صبح - صبح - رات -** اسکی بالکل برعکس درجہ اللہ میں کی ہے۔

تک پہنچ کر نیچے کی طرف حرکت کریگا (یعنی دعنا شروع ہوتا) تو اسے بھی دُلوک^۱ ہی کہہینگے (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ نیز راغب نے بھی اس کے معنی میں مثل بسہ غروب ہونے کے لکھے ہیں*)۔ ابن دریس نے جمهرة اللغة میں کہا ہے کہ دلوک کے معنی غروب اور غائب ہو جانا ہیں۔

قرآن کریم میں ہے اَنۡزَلۡنَا سُوۡرَۃَ الْاِنۡشَاقِ (۱۱۱)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہوگا "اصو وہ فائم کرو انشاق^۲ و قُرْ اَنۡ اَلۡفَجَرِ (۱۱۲)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہوگا "اصو وہ فائم کرو دلوک^۳ سے شفق^۴ تک۔ اور فجر کا قرآن،۔ یہاں اگر دُلوک^۵ کے معنی غم حرکت کے لئے جائیں تو اس میں طوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا سارا وقت آجاتا ہے۔ اور قُرْ اَنۡ اَلۡفَجَرِ۔ طوع آفتاب سے پہلے، اور غسق^۶ التَّيْلِ۔ غروب آفتاب کے بعد۔ یعنی اس طرح اس آیت میں سونے کا وقت نکل کر باقی دن رات کا سارا وقت آجاتا ہے۔ مفہوم ظاہر ہے کہ صلوة^۷ کہنے سے پہلے رات کا سارا وقت آجاتا ہے۔ اور اگر دُلوک^۸ کو زوال آفتاب سے غروب تک مقبوض کر دیا جائے تو پھر (اوپر کے مفہوم کی رو سے) طوع آفتاب سے نیکر اس کے نصف النہار تک پہنچنے کا وقت خارج ہو جائیگا۔ دوسری جگہ صَمُوۡۃٌ کَیۡنُۡیَ طَرَفَیۡ النَّہَارِ وَ زُلُمًا مِّنَ الْتَّيْلِ (۱۱۳) کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی دن کے دونوں کناروں اور رات کے (ابتدائی) حصوں میں۔ دن کے دونوں کنارے فجر اور مغرب میں اور رات کے (ابتدائی) حصے غسق^۹ التَّيْلِ۔ سورۃ نور میں صَمُوۡۃٌ اَلۡفَجَرِ اور صَمُوۡۃٌ اَلۡعِشَآءِ (۱۱۴) کا خصوصیت سے نام لیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دن دونوں اوقات میں اجتہاد سے شروع ہوتے تھے۔ یہ قُرْ اَنۡ اَلۡفَجَرِ اور غسق^{۱۰} التَّيْلِ کے اوقات تھے۔ باقی وقت دُلوک^{۱۱} التَّيْلِ سے غسق^{۱۲} التَّيْلِ تک کا ہے۔ اسے صبح سے سام کہہ لیتے ہیں۔ سورج نہ مٹنے سے سام تک کا وقت۔ دُلوک^{۱۳} کے سام مفہوم کے اعتبار سے سام^{۱۴} معنی صبح سے سام تک کا وقت لغوی اعتبار سے زیادہ معنوں میں آئے ہیں۔

غ - س - ق)۔

صلوة سے متعلق عنوان اس - ل - و میں اب دیکھیں گے کہ صَمُوۡۃ سے مراد صرف وقتی اجتماع نہ ہو بلکہ اس سے مراد فرنی نظام سے قرآن کریم کے مذہب متعین کردہ فرائض زندگی بھی ہے۔ اس اعتبار سے اگر اس آیت میں صَمُوۡۃ کے معنی فرائض زندگی کی سر انجام دہی

* تاج - محیط - راغب -

۱۔ قرآنی نظام کے قدم کے لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہہ آواز کار سے پہلے ہر روز، صبح و شام یہ دیکھو کہ زیرِ نظر پروگرام کے لئے قرآن کریم کی طرف سے کیا راہ نمائی ملتی ہے (یہ فقرہ "اِنَّ سَفَیْرَہٗمَ ہُوَ") اور پھر صبح سے شام تک اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف کار رہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ دل کو شمس سے غسق لیل تک ہوگا۔

دل

دَلَّ الْخَمْرُ کَفْرَہٗ وَ دَلَّ الْکُفْرُ عَمَّی زَوْجِہٖ - بیوی کے اہلے شوہر سے زنا کر کے کفر - امکا فرما کر میں کسی حرکت کرنا جن سے ہنساہر نسر کے وہ وہ شوہر کی مخالفت کر رہی ہے۔ سکن در حین است نہ ہو - ذائقہ عسی نقسمی - ایسے کوئی چیز ہوتی ہے اس تک رہنمائی کی - اَدَلَّ عَمَّہٗ - وہ اس سے بے نیف ہو، اس پر جاری ہوا، اس کی موجب سر مکمل - عتہ ذکی وجہ سے اس پر زبردستی کی - اَدَلَّ - زوہا - عسی - واضح رہنے کو نہ ملے شمس - در تالیفیں - رحمہ جس سے کسی چیز کا پتہ نشان معلوم نہ جائے - وہ چیز جس سے بات واضح کی جائے - اَدَلَّ - کسی کو راستہ نہ دینے پر ساتوں سے کسی چیز کا پتہ نہ ملے تو کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس سے کسی دوسری چیز کی معرفت حاصل کی جائے - اس میں لے لیا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میں کسی چیز کو کسی کسی مخالفت کے ذریعے نہ کر لیا جسے تہہ شور و فکر کے بعد بتدریج جانو - معنی معلوم علامت کے ذریعے - ہمہ اہمیت - نیز کسی چیز میں اہمیت اور اثرات کا موجود ہونا - قرآن مجید میں ہے کہ تم اپنے رب کے سایہ پرست کی - کتب پر شور نہیں دے سکتے - عرفت - جَعَلْتُ شَمْسَہٗ عَمَّہٗمَ ذَرِیۃً (۱) - سایہ کے اس طرح کسی اور بڑھنے کو معلوم کرنے کا ذریعہ - سد موحب) سورج کی روشنی ہے - ابر سورج کی روشنی نہ ہو تو سایہ بھی نہ ہو اور اسکا گھٹا بڑھنا معلوم نہ ہو سکتے - سورج سے ہمیشہ ہوا کی مورت سے منور ہے - اَدَلَّ - کسی چیز نے ہمیں حضرت سیدنا کی مورت سے ہمیں نہیں دیا، بجز یعنی وہ تو بتدریج و شور و فکر کے بعد ذرا جہ میں اس امر کا کہہ لو کہ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت سیدنا کی روشنی و بات پر حکمے ہیں - اسکی شمس مورت حضرت سیدنا کی مورت کی - ہمہ ذلیل وہ ذریعہ ہے جس سے کسی بات کا صحیح شور و فکر کے بعد بتدریج ہو سکتے -

دل و (ی)

اَلْبَرُّوُ - ذُوْل - (جب ذول یانی سے بھرا ہوا ہو تو اسے ذَنْزُرُب کہتے
ہیں) لیکن یہ کیا نہیں ہے۔ (دَلْوَتٌ - اَدْنِیَّتٌ - میں نے ذول
کنویں میں لایا * - بسا ذول بہر کسر کنویں سے نکلا *) - سی سے ادنیٰ کے
معنی میں کسی چیز تک پہنچنے کے لئے ذریعہ یا وسیعہ قرار ہم کرتا۔ جسے
ہسانی تک پہنچنے کے لئے ذول زائف پڑتا ہے۔ ادنیٰ نسیۃً بیسالیہ : اسے
اپنا مال دیا * - دلی حاجتہ دلوائے - اس نے اپنی ضرورت کو سب کیا۔
ادنیٰ بیرحیمہ - اس نے اپنی رشتہ داری کو ذریعہ بنا کر چاہا وہ دوسرے
مک پہنچ جائے اور اپنا کام نکلے * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے
بنیادی معنی میں نرمی اور مہربانیت کے ساتھ کسی چیز کے قریب ہو جانا۔
قرآن مجید میں ہے نَزَّلْنَا بِهَا لَیْسَىٰ مُجْتَلَمًا (۱۸۷) مال کے ذریعہ
(رسول دیکھا) حکم تک پہنچ کر اپنے حق میں فیصلہ لے لینا۔

دُور آدھو کہنوں میں لٹکائے کی جہت سے تہہ کشی کے معنی سمجھتے ہیں
 حکماء۔ قریب دو جان۔ سورہ ننجیم میں ہے سَمَّاءٌ دَنَا فَتَدَكُّشِي (۱۱) وہ قریب
 ہوا۔ اشم رنگ ہو گیا۔ ن حنائی کی گہرائیوں میں دُوب گیا۔ یہ منہ نبوت
 کی خیمہ صہبات میں سے ہے۔ سورہ اعراف میں ہے فَذَلَّلْنَاهَا بِفَعْرٍ رَوُورٍ (۲۲)
 انہیں قریب نہ بکر ہستوں کی طرف گرا دیا۔ ذال آہ۔ مٹا آواز۔ اس سے
 نرمی اور مدارت کی۔ ذال ہی۔ مٹا ہی۔ متحیر ہونے۔

ۛۛۛۛ

دَمْدَمَ الْيَوْمَ وَدَمْدَمَ غَدَتَيْهِ - قوم کو عذاب و بربادی
 دَمْدَمَ غَدَتَيْهِ - سو پر سجدہ ہوا اور غصہ میں اس سے بات کی - دَمْدَمَ
 غَدَتَيْهِ - انہیں عذاب کیا اور پریشانی و غم میں مبتلا کیا - دَمْدَمَ
 رَمْلَيْنِ نَمْلًا - غصہ و بربادی اور دَمْدَمَ رَمْلَيْنِ سَوِيلِي
 گھاس - دَمْدَمَ الْقَرْعَدُ - گرج زور دار ہوئی -

نہیں کھینچے تھے۔ ان کے رب
نے انہیں ملامت کی تھی کہ ان کا نام و نشان تک
باقی نہ رہا۔

بہا مل کے مغز توڑ دینا ہے۔ سو دیکھو! وہ (بہا مل کے طرح) نیست و نابود ہو رہا ہے!، اس کشمکش میں خدا کے نعمتوں کو گرام کا، تخریبی دعوؤں اور سب آنا، قانون کا ثبات ہے۔ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس کے شبہ اور سمجھ کی رفتار (بہا مل کے ہمناموں کے مضامین) بہت مست ہے۔ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا (ہمکے بجائے ہزار سال کا) ہوتا ہے۔ (۳۲ و ۳۳) لیکن اگر انسان، خدا کے قانون کا رفیق بن جائے، تو پھر اس کے نتائج، خود انسان کے حساب و شمار کے مطابق ہوئے شروع ہو جائیں گے۔

ن م و (ی)

دَمَّ کے معنی ہیں خون۔ اَنِدَمَاءُ (بم اسمی جمع ہے)۔ (دَمَّ)۔ در اس دَمَوَّۃً۔ بسا دَمَوَّۃً (نہا)۔ قرآن کربہ نے دَمَّ مَسْفُوحًا (پہا) "پہتے ہوئے" لہو "خون" قرار دیا ہے۔ (مزید تشریح س۔ ف۔ ح کے عنوان میں ملیگی)۔

د ن ر

دَرَبَنَارُ۔ ایک طلائفی سکے کا نام ہے۔ اسکی جمع دَرَبَنَارُ آتی ہے۔ نیر عربی غصے کو عربی بن لیا گیا ہے۔ عرب اسے قدیم زمانہ سے پوتے چمے رکھتے تھے اسلئے یہ عربی ہو گیا*۔ قرآن کربہ میں یہ لفظ (۳۱) اس میں ہے۔

بعض کے کہنا ہے۔ یہ لفظ در اصل دَرَبَنَارُ تھا۔ اسی لئے اسکی جمع دَرَبَنَارُ کی ہے۔ اس کے معنی سوئیا یا نی یا اُترنے کے ہیں جو دَرَبَنَارُ سے جاری ہے۔ یہ رومی لفظ (Dabbar) کا معرب ہے۔ عربوں کے ہاں وہ لوگوں کے ساروں کا زائدہ رواج تھا۔ (مزید دیکھئے درشم)۔

د ن و

دَنَ۔ یہ دَنَرُ دَنَوَّۃً۔ دَنَوَّۃً۔ قریب ہونا۔ اُنَّ۔ نئی۔ نزدیک۔ مزید ایک۔ مزید ایک۔ س ن منہ نر دَنَوَّۃً۔ دَنَوَّۃً۔ یہ دَنَوَّۃً کے معنی ہیں۔ اور اور ضعیف ہونا۔ اُنَّ۔ نئی۔ دَنَوَّۃً۔ اس شخص نے نہ کی اور عسرت کی زندگی بسر کی۔ دَنَوَّۃً۔ نئی۔ دَنَوَّۃً۔ اس شخص نے نہ کی۔

أَدْنَتْ ثَوْبَ بَنَاتِ عَمَّتَيْنَا : اس نے اپنا کپڑا اپنے اوپر ڈال دیا۔ اسی سے
ہے يَدْ نِيْن عَلَيْنِهِنَّ مِيْنُ جَلْبَانِ بِيْرَجِيْن " وہ اپنی چادریں (جبب) اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔"

أَدْنَى کے معنی میں زیادہ قریب، لیکن انہیں اس سے مراد خستہ
ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے مقابلہ میں خستہ تر آتا ہے۔ کبھی اس سے
مراد اُنْ ذَاکُ ہوتا ہے نیز اس کے مقابلہ میں خستہ تر آتا ہے۔ جبب اس سے مراد
اُوٹا ہونا ہے تو اس کے مقابلہ میں آخر آتا ہے۔ جب اس سے مراد اقرب
ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں انحصاری آتا ہے۔

فرقان مکریم میں ہے نَبِیُّ أَدْنَى الْأَرْضِ (۱۰۰)۔ معنی قریب کی
زمین۔ سورۃ النجم میں ہے سَمَّيْنَاهُ نَبِیُّ الْأَرْضِ (۱۰۰)۔ اس کے معنی
ہیں ہر وہ قریب ہوا۔۔۔۔۔ یا قریب تر۔ سورۃ الرحمن میں ذَاکُ (۱۰۰)
معنی قریب آیا ہے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے تَنْسُوْا فِیْہَا دَانِیَةً (۱۰۰)۔ اس کے
معنی بھی قریب ہیں۔ تَسْمَاءُ تَمْنِیْہَا (۱۰۰) کے معنی ہیں قریب ترین
آسمان۔ (دیکھئے عنوان س۔ م۔ و کے تحت سماء)۔

أَدْنَى (قریب تر) بمعنی أَدْنَى (۱۰۰) میں آیا ہے۔ اَدْنَى
کے معنی میں یہ لفظ (۱۰۰) میں آیا ہے۔ اور اَدْنَى کے مقابلہ میں (۱۰۰) میں۔
خَيْرٌ کے مقابلہ میں (۱۰۰) میں۔

فرقان مکریم میں اَدْنَى (۱۰۰) بمعنی خیر ہے۔ اشر مسمات
آیا ہے۔ اور بھی وہ نہ بل ہے جو قریب تر ضرور ہے۔ اَدْنَى (۱۰۰) میں
میں اَدْنَى (۱۰۰) کو آخرت کے مقابلہ میں نہ قسمت قرار دیا ہے۔
مذموم مذموم میں، جہاں ریح اور مریح کی شوق (۱۰۰) میں
رائح ہے، دنیا اور اسکی متاع۔ اَدْنَى (۱۰۰) میں اور جہاں ریح ریح ہے۔ اَدْنَى
دھرم کی رو سے دنیا ہے ہی مریح یعنی ریح۔ اور اس قریب سے چھوٹ جاتے
کا نام نجات یا مکی ہے۔ اَدْنَى (۱۰۰) میں دنیا کے متعلق شر و زو ایک ملا کر
مشر خیمہ ہوتی ہے۔ اَدْنَى (۱۰۰) میں ترک ترک ریح ریح ہے۔ یہی غیبی
عسائیت میں ہے جہاں نیکو کاروں کی بدستگست آسمان میں ہے۔ اَدْنَى (۱۰۰)
میں ترک دنیا سب سے بری وراثت ہے۔ یہی متبرہ تصوف کی اصل ہے اور
اس سے متاثر ہو کر خود ہمارے (مسماتوں کے) حال بھی دنیا کو بر حذر
قابل نفرت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ "دنیا دار، اور گنہگار، قریب قریب

* تاج و محیط۔ ** تاج و راغب۔ *** لین بحوالہ مغنی اللیب۔

مرادف المعنی الفاظ ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس، دین اور دنیا ایک دوسرے کے مقابلے میں بنائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تصور قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ وہ مومن کو (آخرت کے علاوہ) فی "ہذہ الدنیا حسنة" (آج کی دنیا میں) اور واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ "لیمتربین احسنوا فی" "ہذہ الدنیا حسنة" (۱۱۸)۔ حسن عمل کا نتیجہ (آخرت کے علاوہ) اس دنیا کی خوشگواریاں ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ ذریعہ فی السبیل اللہ (۱۱۹)۔ "دنیا میں ذلت و خواری، کو خدا کا غضب اور اس کی لعنت قرار دیتا ہے۔ اس قسم کی آیت متعدد مقامات پر آئی ہیں۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے یہ تصور یہاں ہے کہ دنیا قابلِ مذہب ہے اور اس کی کائناتیں اور آرائشیں نہ کی جود نماں!

لیکن قرآن کریم میں ایسی آیت بھی ہیں جن میں متعلق دنیا کو قبل اور اس کی زندگی کو ہو و لعب قرار دیا گیا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے ۱۔ خ۔ را اور (ع۔ ج۔ ل) کے عنوانات دیکھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ "مناجیہ" اور "مناجیہ" آخرت سے قرآن کریم کا مطلب دیا ہے۔ وہاں اب دیکھیں گے کہ قرآن کریم ان لوگوں کی سخت سخت ترقی ہے جو اسی ناکھوں کو مفادِ عاجلہ (فوری مصلحت) پر جانے والے مفادِ سرمد (دور رسد) سے اور مستقبل کی خوشگواریوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی منہ دہ جہ "کو وہ مستأج" "الشیئہ" قریبی مفاد، ب۔ ش۔ دہ منہ دہ منہ دہ پکارتا ہے۔ ان لوگوں کو سخت متعوز کرتا ہے جو ان میں۔ "مناجیہ" مفادات کی خاطر مستقبل کی خوشگواریوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ لہذا جو چیز قرآن کریم کی رو سے مذہوم ہے وہ یہ ہے کہ انسان قریبی مفاد (Immediate Gain) کی خاطر مستقبل (Future) کی نسیب کی کو نظر انداز کر دے۔ یعنی وہ زندگی اسی طبعی زندگی ہی کو سمجھ لے۔ اور یہ بھی مذہوم ہے کہ انسان دنیا کو ترک کر کے صرف "عاقبت منورے" کے حیل میں لک جاتے ایسے رہبانیت نہتے ہیں جسے قرآن کریم جائز قرار نہیں دیتا۔ دیکھئے غنون (۱۰۵۔ ب)۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ "رہبانیت" فی "شیئہ" حسنة" و فی "آخرت" حسنة" (۱۱۹)۔ اس دنیا میں، غنی خوشگواریاں اور اس کے بعد کی زندگی میں غنی خوشگواریاں۔ حال بھی درخشندہ اور مستقبل بھی نہایت۔ قریبی مفاد بھی اور مستقبل کے مفاد بھی۔

اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس حال درخشندہ نہیں وہ سمجھ لے کہ "آخرت" مستقبل بھی ہے۔ و "مَن" "کَانَ" فی "ہذہ الدنیا غنی" و فی "آخرت" غنی" (۱۱۹)۔ "جو یہاں کا انسا ہے وہ وہاں

بھی اندر شاہی ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ لبا کزرا،، - (اعظمی کے مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ع - م - ی) - لہذا -

(۱) یہ تصور بھی غلط ہے کہ دنیا کی خوشگزر ریاں قابل نذرت ہیں -

(۲) اور یہ بھی غلط ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے، لہذا مفاد صرف اسی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد ہیں -

(۳) صحیح تصور یہ ہے کہ اس دنیا کے مفاد بھی حواصل ہوں اور انسانی ذات انہی صلاحیتوں کی نشو و نما سے سب بابل ہو جائے کہ وہ اس کے بعد کی زندگی کی خوشگزر و بھلائی بھی حواصل کرے۔ نیز اس دنیا میں نیک و صالحانہ اعمال کی ذاتی مفاد پر نہ رکتے بلکہ تمام نوع انسانی اور آئے والی نسلوں کی خوشگزر ہی نیک و صالح ہے۔ یہ مسلسل میں دنیا میں ہوگا اور دوسرا مسلسل اس کے بعد کی زندگی میں (مزید تفصیل کے لئے درجہ عنوان ا - ب - ج - د) -

حقیقت یہ ہے کہ قرآن دنیوی کی تعبیر حاصل یہ ہے کہ وہ انسان کو اعمار (Ages) متعین کر کے دیتا ہے - وہ شرعی کے متعلق بتاتا ہے کہ انسانیت کی میزان میں اس کی قدر و قیمت کیا ہے - اس کے بعد وہ دہنہ ہے کہ شرف اور ایمان کی رو سے صحیح مسدک زندگی یہ ہے کہ انسان، بشر قدر و قیمت کی ترقی کے لئے کم قدر و قیمت کی سے کہو قربان کر دے - وہ بتاتا ہے کہ دنیاوی سامان زندگی اور اس کی خور و خور و پانی قدر رکھتی ہیں - انہیں ضرور حاصل کرنا اور مستعمل کرنا چاہئے - لیکن حب الہی ایسا شرعی نہ دنیاوی زندگی (یعنی انسان کی طبعی زندگی - دنیا (Dunya) کے نسبی - غرض میں اور انسانی زندگی (انسانی ذات) کے نسبی معانی میں تصادم واقع ہو جائے (ان میں (Time) نہ جائے اتوا سویت، انسانی ذات کے ہر لمحہ کی خور و خور زندگی کے کمتر درجہ کے ہر لمحہ کو قربان کر دینا چاہئے - یہ ہیں وہ مسائل جنہاں قرآن کریم نے (طبعی زندگی اور انسانی ذات کا ہمہ ہر لمحہ کرنے چاہئے) دنیاوی زندگی اور اس کے ساز و سامان کو نہ قیمت بتایا ہے - اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیاوی زندگی قابل نفرت ہے - اس کے معنی یہ ہیں کہ طبعی زندگی اور انسانی زندگی (جسے مرنے کے بعد بھی انسانیت ہے) کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کی قیمت، انسانی زندگی کے مقابلہ میں کمتر سمجھنی چاہئے - یہ ہے قرآن کریم کی صحیح تعبیر "انہیں اور احسب،، کے متعلق -

دھر

الشَّہْرُ - دراصل مدتِ عرصہ کو کہتے ہیں جو اسکی ابتداء و فرینش سے بیکر سکے اختتام تک ہوتی ہے۔ مثلاً، مسریل مدت کہنے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ برخلاف زمان کے جسکا طلاق مدتِ قمرہ اور مدتِ شمہ دونوں پر ہوتا ہے*۔ قرآن کریم میں (تخیق انسانی کے سلسلہ میں) حَبْنٌ مِّنَ الشَّہْرِ (۱۶) آیا ہے۔ یعنی ایک زمانہ۔ ہا زمانے کی ایک مدت۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے ہندوی معنی شبہ اور زبردستی کے ہوتے ہیں۔ زمانہ کو دَعْمٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر سے گزرتا اور اس پر شائبہ جاتا ہے۔ اَلْیَمَّارُ یُرُ - زمانہ کے حوادث اور گردشیں۔ دَعْمٌ اَمْرٌ - ان پر کوئی مصیبت نازل ہو گئی**۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کا قول نقل کیا گیا ہے جو زندگی کو اس طبعی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں۔ لَہٗ وَمَا یُؤْتِیْکُمَا اِلَّا الشَّہْرُ (۱۶)۔ یہ صرف مرور زمانہ (Time) ہے جو ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔ وقت گزرنے سے انسان کے قوتی مضمحل ہو جاتے ہیں اور اسطرح وہ (Deten. rate) ہوتا ہوا مرجاتا ہے اور زندگی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسکی بعد کوئی اور زندگی نہیں۔ یہ وہی تصور ہے جسے دور حاضر کی اصلاح میں (Materialistic Concept of Life) مادی نظریہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ وَمَا لَہُمْ بِذَٰلِکَ مِیْنٌ غِیْثٌ اِنْ ہُمْ اِلَّا یَتَنَبَّہُوْنَ اِلَیْہِمْ - ان کا یہ عقیدہ عام ہر مہنی نہیں۔ یہ محض ظن و قیاس سے کہہ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ بات حودہ سو سال پہلے کہی تھی۔ اب ہمارے دور میں دھر (Time) کے متعلق جو جدید فہمیں (اور متفکر) تصور قائم ہوئے ہیں ان کی رو سے زمان (Time) کی حقیقت ہی کچھ اور ہو گئی ہے۔ اور ابھی تک اس نہایت مشکل اور نازک موضوع پر تحقیق و تہ میں اور بحث و نظر کی ابتداء ہوئی ہے۔ آج چکر دیکھئے اس کے متعلق کیا کیا تصورات قائم ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ غلطیہ کہ زندگی محض طبعی زندگی (Physical Life) ہے اور مرور زمانہ سے اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے، اب عام کہن کا فرسودہ خیال سمجھا جاتا ہے۔ اب تحقیقات کا رخ اسی طرف کو ہے کہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے۔ اسکی متعلق تفصیل سے معارف القرآن

کی آخری جہد میں لکھا، جاؤں جس آخرت سے منع ہوئی۔ لیکن ضمنی طور پر، میری کتاب "انسان نے کیا سوچا" میں بھی لکھا جا چکا ہے)۔ مروجہ زمانہ سے انسان کا جسم مستعمل ہوتا ہے۔ اسکی ذات (Personality) پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ وہ زمانے کے اثرات سے شہر ستار رہتی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے، انسان صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں، بلکہ جسم کے علاوہ اسکی ذات بھی ہے۔ اگر اس کی نشو و نما، قرآن و حکیم کے طریق کے مطابق ہو جائے تو موت سے اس کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ وہ زندگی کے مراحل طے کرنے کے لئے گئے پڑے جاتی ہے۔ اسی لئے، دھر زمانہ) کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

[illegible]

دھق

دکھائی "اگر اس" - اسی سے پہلے پہلے - وہاں دیکھائی - یہ دیکھائی -
 دیکھائی "اس" دیکھائی - صاف دیکھائی - یہ دیکھائی - اس دیکھائی کے دیکھائی
 دیکھائی زور سے دیکھائی - اس دیکھائی - یہ دیکھائی - اس دیکھائی - زور
 سے دیکھائی - (بہت سے دیکھائی دیکھائی دیکھائی دیکھائی دیکھائی دیکھائی
 کہ اس میں چیز دبا دبا کر بھری جاتی ہے) -

[illegible]

پہنچ جاتا ہے۔ اس کے برعکس، باطل اگر اپنے مقام سے ہٹ جائے تو اس کا کچھ نہیں بکڑتا۔ وہ باطل کا باطل ہی رہتا ہے۔ مثلاً زیر۔ کہتا ہے کہ تین اور تین چھ ہوتے ہیں اور بکر کہتا ہے کہ نہیں۔ تین اور تین چار ہوتے ہیں۔ اب ان میں منافعت، کرائے والا کہتا ہے کہ کچھ تیر گینوا اور کچھ تیر بڑھو اور دونوں بہ من لو کہ تین اور تین پانچ ہوتے ہیں۔ بکر کا س سے کچھ نہیں بگڑیگا کیونکہ وہ جیسا پہلے غلطی پر تھا ویسا ہی اب رہے گا۔ لیکن اس سے زیادہ فوراً اپنے مقام حق سے باطل پر آ جائیگا۔ یہ وجہ ہے کہ حق کسی کی خاطر اپنے مقام سے ہٹ نہیں سکتا۔ وہ اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے۔ دین کے محکمہ اصول اپنے اندر کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ سورہ واقعہ میں پہلے قرآن حکیم کے متعلق کم کیا ہے کہ یہ کس قدر عظیم کتب ہے۔ اس کے بعد ہے۔ اَفَبِعَدْنِیْ اَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَنْتُمْ مُّذٰہِبُوْنَ (۱۸) اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کیا تم ایسی کتاب میں خیانت کرتے ہو۔ اپنی چکنی چیزیں دینوں سے اس کی صحیح تعبیر میں کمی بیشی کرتے ہو۔ اور دوسرے یہ کہ تم اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ن کے صحیح م م سے ہمسالہ ہو؟ مفہوم درحقیقت دونوں سے ایک ہی ہے۔ مذہبی شواہدیت کرتی ہی یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم میں کمی بیشی کرتی ہے اور اس طرح لوگوں کو حق کے منہ سے ہٹا دیتی ہے۔ اور یہ سب اس لئے کہ اس سے ان کی روئی کا سامان بہم پہنچا رہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنۡیَکُمۡ نَکَذِرُ یُّوۡنَ (۲۰)۔ اس تکذیب کو تم اپنے لئے ذریعہ معاش بناتے ہو؟

الیدہٰن۔ سرح رنک کی کھول۔ تیل کی تھوب۔ سورہ رحمن میں ہے نہ آسمان و رزقہ کا۔ (۱۸) شو حنیگ۔ دوسری جگہ ہے نہ تیل۔ (۲۰)۔ پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہو جائیگا۔

دہی (و)

دہا۔ دہا۔ اس نے اس میں غلبہ نما۔ اس کی تشخص کی۔ اسے سخت نہایت پہنچائی۔ کلمہ شیعہ۔ امر شیعہ۔ مثبت مذکر۔ دہی۔ الیدہٰن۔ زمانہ کے ہاتھوں جو سخت مضبوطی رہی ہیں۔ دہی۔ الدہا۔ حیرت انگیز شہساری ورحمہ کی عمر کی۔ دہی۔ اس نے نہایت درجہ ہوشیاری سے کام لیا۔ چنانچہ راجس دہا۔ نتیجہ

سورۃ بقرہ میں تجارت کے منعقد ہونے کی خبر (۲۲۴) - جس کا ترجمہ
نوٹ نمبر کرتے ہو - یعنی اس میں مبادلہ کرتے ہو - چیزوں کو گردش دیتے ہو -

دول

الدَّوْلَةُ - مہرب - الدَّوْلَةُ - باری اور نسبت - صَارَ دَوْلَةً
دَوْلَةً بِمَنْزِلَتِهِمْ - مال دولت کی میں مشتمل ہو کر گردش کرنے لگا۔
دَاوَل - پہنچنا۔ اس فارم نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میں کسی چیز
کا ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جانے پر آن کریم میں ہے قَدْ كَانَتْ الدَّوْلَةُ
نُفْذًا أَوْ لُتْفًا بَيْنَ الشَّيْءِ (۱) - "یہ وہ حالت ہیں جنہیں ہم ان لوگوں
میں داخلے پر ملتے رہتے ہیں" - کہہ رہی تھی : یہی اس کی باری - تہ او سُوہ
انہوں نے اسے باری باری لیا۔

دَوْلَتٌ اور دَوْلَاتٌ - بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کے معنی یک
ہی ہیں - یعنی گردش کرنا - پھرتے رہنا - لیکن بعض نے کہا ہے کہ
دَوْلَتٌ کے معنی ہیں دو لشکروں کا باری - باری ایک دوسرے کو شکست دینا
اس طرح کہ پہلے ایک نو شکست ہو لیکن دوسرے شکست کا شہید حاصل کر
لے۔ اور دَوْلَاتٌ کی طور طریقوں کو کہتے ہیں جو ملتیں ملتیں رہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ دَوْلَاتٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو مختلف ممالک
میں گھومتی پھرتی اور آتی جاتی رہے - اور دَوْلَتٌ اس چیز کے نام سے ملتیں
کو کہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے مال کی گردش کے معنی میں ہے "مِنْ مَّا بَيْنَ يَدَيْكَ
دَوْلَاتٌ بَيْنَ الْأَعْيُنِ" (۱) - "یہ وہ ہیں جو سے دولت
مندوں کے اندر ہی نہ گھومنا پھرتی رہے - معنی اس کے کہ اس کے
اصول سے جسے قرآن حکیم نے جہاز نقول میں بیان کیا ہے - معنی اس کا
فساد اسی سے ہوتا ہے کہ دولت ایک خاص طور کے طبقہ میں گردش کرتی
رہتی ہے - قرآن حکیم کی رو سے نہ کسی کے پاس فخریہ دولت (میں)
ہو (۲) یعنی چاہئے کہ دولت کو ایک خاص سرے کے اندر گردش کرنے
چاہئے - علاوہ بریں قرآن حکیم میں یہ اصول : مخصوص مال غنیمت کے سلسلہ
میں بیان ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے روبرو نہ ہو جسے
کے طبقہ (یعنی ارباب حل و عقد) کے اندر صرف نہیں شمول رہنا چاہئے -
اسے رفاہ عامہ کے لئے گردش کرنا چاہئے۔

د و م

دَوَامٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر قائم رہنا۔ دَامَ الشَّيْءُ اس وقت رہتا ہے جب کسی چیز پر لمبا زمانہ گزر جائے *۔ اس سے اَنَامٌ کہہ رہے ہوتے ہیں یا مآئن کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اَنَامٌ اس بارش کو کہتے ہیں جو اتر رہی ہو۔ لہذا اس مادہ میں کسی چیز کا اسے زمانے تک یا ایک حالت پر رہنے کا تصور ہوتا ہے۔ ابن مخریج نے کہا ہے کہ دَامَ الشَّيْءُ کے معنی ہوتے ہیں چیز گھومی۔ نیز یہ فہم تہکے یا تہہہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ گیومنی کے اعتبار سے، اَنَامٌ کہہ رہے ہیں جس سے جسے کہہ رہے ہیں۔ ابن کبیر نے کہا ہے کہ دَامَ مَسْ، مَسَا کے معنی وقت کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کہتے ہیں فَمَدَامَ زَيْدٌ فَتَيْمًا۔ تو اس کے معنی ہوتے ہیں جب تک زید بھڑک رہا ہے بھی کہہ رہا ہو *۔ سورۃ رعد میں جنت کے متعلق ہے اَنَامٌ دَائِمٌ (۱۳)۔ اس کے پہلے قَالَمُ رَمَنَکے *۔ یعنی جنت کی منفعت بخش چیزوں کا مسلسل جاری رہنا۔ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ وعدہ رزق کی کسی نہیں ہوگی۔ اور سورۃ ہود میں ہے خَالِدِينَ فِيہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۱۱۸)۔ جب تک زمین و آسمان موجودہ حالت میں رہیں گے۔ یعنی بہت لمبے عرصہ تک کے لئے۔ (تفصیل خ۔ ل۔ د کے عنوان میں دیکھئیے)

سورۃ آل عمران میں ہے اِنَّا مَدَدْنَاهُ عَنَّا قَاتِلًا (۱۰)۔ سوائے اس کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔

د و ن

دُونُ۔ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فَوَقَّ (اوسر) کے برخلاف نوحے کے معنوں میں۔ هُوَ دُونَهُ۔ وہ اس کے نیچے ہے۔ کہنی قریب کے معنوں میں۔ زَيْدٌ دُونَكَ۔ زید تجھ سے (مرتبہ و شمار میں) قریب ہے۔ سامنے کے معنوں میں۔ مَسَى دُونَهُ۔ وہ اس کے گے گے چلا۔ برے کے معنوں میں۔ هُوَ مَسَى دُونُ جَسَدِي۔ وہ جیہوں سے جس کے عرقہ کا امیر ہے۔ علاوہ کے معنوں میں۔ وَبَعَثْنَا دُونَ دُونٍ ذٰلِكَ۔ وہ اس کے علاوہ اور بھی کام کرتے ہیں۔ صاحب تفسیر نے کہا ہے کہ یہ لفظ

افراد میں سے ہے اور اس کے معنی پہنچنے اور آئے، نسیجے اور اونیر' سب آتے
 ہیں۔ شیمی "دُون"۔ ذہن چیز کو نہتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس
 شریف اور اچھی چیز کو بھی نہتے ہیں۔ "فیران" مکرہ میں ہے و "میرانہ"
 "لِحِیُون" کو "دُون" ایک (۱۱) ہم میں سے بعض صراح میں اور
 بعض اس سے کم تر درجے پر ہیں۔

[illegible]

می تراشد فکر۔ ما ہر دم خداوندے دگر

رست از یک بند تا افتاد در بند دیگر

[illegible]

* تاج -

دی ن

[illegible][illegible]

* تاج و محیط - ** ابن قتیبه (القرطبي ج ۱/ صفحه ۴)

کے مطابق فصل شہونے۔ اسی کے معنی سورۃ فاتحہ میں سُبْحِکَ یَوْمِ
الْاِیْمٰنِ (۱۸) کہا گیا ہے۔ یعنی جس دور میں انسانی زندگی آئین خدا وندی
کے مطابق بسر ہوئی۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہوئی کہ اس میں کسی انسان
کو کسی دوسرے انسان پر کوئی غلبہ و اقتدار نہیں ہوتا۔ غلبہ و اقتدار
صرف قانون خداوندی کا ہونا۔ کتنی بڑی آزادی ہے جو انسان کو آئین
خداوندی کے تابع حاصل ہوتی ہے!

درِ یٰسٰ کے معنی عبادت مستمرہ کے بھی آتے ہیں۔ خدا نچہ درِ یٰسٰ اس
بارش کو بھی کہتے ہیں جو دُعا ہمیشہ ایک جگہ آکر برستی ہو۔ اس
مفہوم میں بھی قانون و غلبہ کی بنیاد نہیں ہے۔ خارجی کائنات میں
قوانین خداوندی کو تو انسان تسلیم کرتا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں خدا کا
قانون وحی کے ذریعے (بوساطت حضرات انبیاء کرامؑ) ملتا ہے۔ یہ قانون وہی
مکمل اور آخری شکل میں قرآن کریم کے سر میں ہوتا ہے۔ اس کا نام درِ یٰسٰ
ہے۔ اس کے مطابق عمل کرنے کو اَلْاِسْلَامُ کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں، نظام معاشرہ، ضابطہ زندگی، قانون حکومت
کئی ممکنات۔ عمل و شرع کی مختلف اصطلاحات رائج ہیں لیکن قرآن کریم
نے ان سب کی جگہ ایک جامع اصطلاح دی ہے۔ اور وہ ہے الدین۔ یہی
ہمارے معاشرہ کا نظام۔ ہماری زندگی کا ضابطہ۔ ہماری حکومت کا قانون اور
ہماری ممکنات کا آئین ہے۔ اس آئین کی روش سے انسانوں کی آزادی اور بندگی
کی حدود مقرر کرنے کا پورا اقتدار خدا کو حاصل ہوتا ہے۔ کسی اور کو
نہیں ہونا۔ اس لئے الدین میں اقدار اعلیٰ (الارٹھ) خدا کی ہوتی ہے۔
اس کا یہ اقدار اعلیٰ اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے بروئے کار آتا
ہے۔ اس لئے اسلامی ممکنات میں عملاً اقدار اعلیٰ کتاب اللہ خود میں ہوتا
ہے۔ اسلامی ممکنات، قرآنی اصولوں کو دنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ
(Artery) ہوتی ہے۔ اور چونکہ انسانی عمل کے ضابطہ اور صحیح شرع کا
معیار بھی یہی کتاب ہے، اس لئے جزا اور سزا (عمل کے نتائج) بھی اس کی رو
سے متعین ہوتے ہیں۔ اس حکمت سے دین کا یہ مفہوم اجزا و سزا بھی عملاً
سامنے آجاتا ہے۔ اسے نظام عمل کہا جائے جس کا دائرہ صرف دنیا ہی عمل
تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے سرسری کو محیط ہے۔ اسلامی ممکنات کا
کائناتی ٹیوشن قرآن کریم کے شرعی اصولوں کا دوسرا نام ہے۔ اس ممکنات
کا تمام کاروبار انہی اصولوں کی حدود کے اندر انجام پاتا ہے۔ اور مقصود
اس سے نظام عمل و توازن کا قیام رکھنا ہے۔ اس کا نام الدین ہے۔

انسان سے مراد ہے خدا کا عطا کردہ نظام زندگی جو ہماری آزادی اور بندگی کی حدود معین کرتا ہے اور جس کے مطابق ہمارے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ جس دور میں انسان اپنے آپ کو اس نظام کے تابع نہ آئیگا وہ تمام دوسرے انسانوں کی محکومگی سے آزاد ہو کر صرف قوانین خداوندی کے محکوم ہونگے۔ اس لئے کہ "ما لک یوم الدین" خدا کے سوا کوئی اور نہیں۔ اور وہ فیصلہ جو فوٹو بین خداوندی کے مطابق ہوگا، دینی فیصلہ کہلائے گا اور عمل کے محکمہ اصول پر مبنی ہوگا۔ سورۃ فاتحہ میں دیکھیئے۔ خدا کی صفت ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کے ساتھ ہی اس کے نظام عدل و قانون (ما لک یوم الدین) کا ذکر آگیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو سامان زبست اور اسباب نسو و نما تو بالا مزد و معاوضہ عطا کرنا شروع کیا لیکن انسانی مدد و رجاء تعین، ان کے اعمال کی رو سے ہوگا۔ اس کا نام کائن و قوانین کے مطابق عمل کی زندگی ہے۔ اور یہ چیز حیرت سے آگے بڑھ کر، خاصہ انسانیت ہے۔

مَدْرِیْنَتٌ کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ نظامِ دین کے اس مفہوم سے بنایا گیا ہے جس کا تعقیق نظم و نسق سے ہے۔ کہونکہ مَدْرِیْنَتٌ وہی مر لزی و سام ہوتا ہے جو شہری نظم و نسق کے معنی میں رہتا ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اصاعت کے مفہوم کے اعتبار سے وضع ہوا ہے کیونکہ مَدْرِیْنَتٌ (شہر) اس قانون اور ضابطہ کی بنیادی نمری پڑتی ہے۔ صاحب کتاب الاستغفار کے نزدیک یہ نظم دراصل مَدْرِیْنَتٌ ہے اور دین سے مستثنیٰ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ درین کے بنیادی معنوں میں اصاعت پائی جاتی ہے اور شہر نیز مَدْرِیْنَتٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حکومت کی اصاعت کی جاتی ہے۔ اور شہر کو دین اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقروض کو جھکنا پڑتا ہے۔

دَیْنٌ - قرضہ - ورتدائن - ایک دوسرے سے قرض کا معاوضہ کرنا (۱) دَیْنٌ اس قرضہ کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کیلئے مدت مقرر کر لی جائے۔ جس قرض کیلئے مدت متعین نہ ہو وہ دَیْنٌ نہیں بلکہ قسْرٌ کہلاتا ہے۔ (۲) دَیْنٌ میں قرض کے تعلق کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عرف عام میں دَیْنٌ اس قرض کو کہتے ہیں جس کی مدت معین نہیں ہے۔ لیکن قرائن و کرم نے چونکہ قرآن کو حرم قرار دیا ہے اس لئے اس میں مسلمانوں کے یہ بھی نہیں اس میں دَیْنٌ کا مفہوم ہلا سہو ہی کے لئے ہے (۲/۸۳)۔

ذ ۱

ذَآءُ - ذَا - اس کا مونث ذِرَہٌ - ذِرَہِ - ذِرَہِی - ذَا - رِقٌ و نمرہ - اس
 ۱۔ ذَا - ادو کے لئے اذَن اور ذَاتُن - (مونث کے لئے تَانِ - سَتُن) ک
 ۲۔ اور جمع اُولَآءِ (دیکھئے عنوان اور ذَا اس سے پہلے اس سے پہلے ہوا
 شوق ہے - جیسے ذَا اس کا مونث ہذِرہ ک ہے) یہ اشارہ قریم کے لئے ہے -
 ۳۔ بارہ بعد کے لئے ذَآءُ لیکٹ (منکر) نیکٹ مونث - اس کے آخر میں میخ طب
 کے مٹانی ضمیر مٹانی رہتی ہے - مثلاً ہم را میخ طب ایک مرد یا دو مرد
 سے ہے ذَا ہں ذَا اس چیز کو دیکھو - تو ہم ذَآ لیکٹ نہ ہں - اور
 ہر میخ طب دو مرد ہوں تو ذَآ لیکٹ نہ ہں - بہت سے ہوں تو ذَآ لیکٹ نہ ہں -
 اسی طرح اگر میخ طب ایک سورت ہو تو ذَآ لیکٹ نہ ہں - اور بہت سی
 عورتیں ہوں تو ذَآ لیکٹ نہ ہں -

ذات کے مختلف استعمال یہ ہیں۔ ذات ایک۔ ذات ایک۔ (مثلاً ایک۔
 ذاتیہ ایک)۔ جمع کے لئے اولاً ایک۔ 'وثنیکت' یہ کسی ذات کے دو مرتب
 ہوں۔ مثلاً ایک، 'وثنیکت' کے لئے تینہ ایک، ہوں ہیں۔ اس سے ہمیں صرف
 اس سے کلمہ ایک ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں۔

(۱) مَن "ذُ" تَرْفِی یَسْتَلِیْعُ عِیْنُکَہُ..... (یعنی وہ تیرے چہرے کے ہاں کسی کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔

کہ وہ کیا ہے جسے کھلا رکھا جائے۔

۱۰۸ - کن کعبه حیرت زده ای... - به تیره بس دو چادر گریش -

۱- در صورتی که ...

قَدْ خَلَّتْ ($\frac{2}{131}$) یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی۔

کہ اس کے بنہ ذی معنی کہہ سمجھو نہ ، بے قراری ہیں ۔ نیز کسی حسرت کی ایسی حرکت جو یک سمت سے نہ ہو ۔ مثلاً تَدْنُو بِنَظَرٍ شَیْءٍ کے معنی میں ہو ہر طرف سے کی ۔ بِنَظَرٍ شَیْءٍ ذَرِئَتُہٗ اسی لئے کہہ رہے ہیں کہ وہ کبھی ایک طرف سے آتا ہے کبھی دوسری طرف سے ۔

ذ ا م

ذَا اَمَّةٍ - عَزَّ اَمَّتْہُ - کسی کو حقیر و منہ زور گرداننا ۔ نیز اَمَّتْہُ کے معنی غلبہ لگانے ، رسوا کرنے ، کے آتے ہیں ۔ کسی کو چھڑک کر نکلنے دینے کے بھی ۔ رَاغِب نے اَمَّتْہُ کو بمعنی مَنَّاہُ مَنُوہُ لکھا ہے ۔
اَذْ اَمَّتْہُ - اسے مرعوب و خوفزدہ کر دیا ۔

قرآن حکیم میں اہلس کے متعلق ہے ۔ قَالِ اَخْرِجْہَا مِنْ اَرْضِہَا مَذْذُوہًا مِّنْ حَیْوَٰرِہَا ۔ اس کے معنی ذلیل اور حقیر رہی کے ہیں ۔ یہ چیز کھر نکالے ہوئے کے ۔

ذ ب ب

ذُبِّبَ - مَکْبُوہ - واحد ذُبِّبَ - صاحبِ محبت نے جاحظ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عدم مکہوں کی حمیتِ فساد کے غرور و سرہوں کے شعلہ ذُبِّبَ - اَضْلَافُ ہر قسم کی بیوقوفی ، سہ کی مکہوں اور مجہوروں پر ہی ہوتا ہے ۔ قرآن حکیم میں ہے ۔ لَئِنْ یَسْخَرُ لَّہُمْ ذُبِّبَ اِلَہَآءُ - وہ مکہ کی بیوی نہ میں بہت کھر مکنگے ، مکہوں کو ذُبِّبَ اس لئے کہ انہیں جہل ہے کہ وہ نہیں جانتے اور دور کہ حد ہے ۔ یہ اس وجہ سے کہ انہیں مکہ جگہ قرار نہیں دیتے ۔ اس مادہ میں یہ دونوں مفہوم آئے جاتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنہ ذی بمعنی اضطراب و عجز کے بھی ہیں ۔ رَاغِب نے لکھا ہے کہ اَضْلَافُ بمعنی تھکے کے جسے کی آواز کو کہتے ہیں ۔ پھر یہ مادہ ہر درجہ اضطراب اور زحمت کے لئے آتا ہے ۔
ذُبِّبَ ذَبَّ - اُس کو کہتے ہیں جو ایک جگہ پر ٹھہرا نہ رہے ۔

ذَبَّ ذَبَّ - اگرچہ یہ مادہ ذب ذب کے تحت آتا ، جاتھئے لیکن بعض اشخاص نے اسے ذب ب کے تحت لکھا ہے ۔ ہر دو میں اسرک معنی کی وجہ سے شبہ بھی اسے یہاں ذب ب کے تحت درج کر رہے ہیں ۔ قرآن حکیم میں مَذْذُوہًا مِّنْ حَیْوَٰرِہَا کے لئے ذَبَّ ذَبَّ اور

*تاج و محیط - **محیط - ***راغب - ****تاج -

کرتے ہیں۔ یہ حرم، نور کو سلام (محکوم) بنانے سے کہیں زیادہ سنگین
 تھا۔ لیکن اب سارے ہرٹن کریم میں دیکھ جائیے۔ حضرت موسیٰؑ نے کسی
 جگہ سے فرعون اور اسکی نور کو اس جرم سے مطلع نہیں کیا۔

ان سرور خدا سے نہ ہر نے کہ فرعون اور اسکی قوم بنی اسرائیل کے بھوں کو سچ مچ ذبح نہیں کیا کرتے تھے۔ یعنی انہیں مار نہیں دلا کرتے تھے۔ کہا جائیگا کہ اگر یہ سب نہیں تھی تو یہ۔۔۔ حضرت موسیٰؑ کی وادہ ہے (خدا کے حکم سے) حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں کیوں بہا دیا گیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اموات بنی اسرائیل کے بھوں کو پھینکا ہوا ہے۔ ہمارا دیا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو محفوظ رکھنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنے کے لئے خود قرآن کریم میں اسکی تصریح موجود ہے کہ فرعون نے یہ حکم (کہ بنی اسرائیل کے ترکوں کو ذبح کر دینا جائے)^۱ سبقت دیا تھا جب حضرت موسیٰؑ اپنی دعوت الہیہ لیکر آئے ہیں۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی انتہائی دعوت کے ساتھ اگر دیکھ کر فرعون کے اسروں اور وزیروں نے فرعون سے کہا کہ اذکے خلاف کوئی سخت اقدام کیوں نہیں کیا جاتا؟ انہیں اس طرح کہی جہنی نسلوں نے رکھی ہے کہ یہ جو جی میں آئے کر لے جائیں؟ اس کے جواب میں فرعون نے کہا کہ تمہیں! میرے سامنے ایک تجویز ہے۔ اور وہ یہ کہ **مَنْفَتَيْتُمْ اِلَيْهِمْ وَنَسَوْتُمْ نِعْمَتِي فَاُولَٰئِكَ اَصْحَابُ الْاُخْرٰى**۔ "جس کے ہم ن کے ترکوں کو میں کر دینگے اور انکی سوزنوں کو زندہ رکھینگے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تو بہر امتیازت عین میں رہی تھی جب حضرت موسیٰؑ کی دعوت پہنچی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی سندائش کے وقت یہ حکم موجود نہیں تھا۔ سورہ المؤمن میں اسے اور بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ وہاں کہا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس دعوت لے کر گئے تو اسنے کہا **فَقُتِلُوْا اِنَّكُمْ لَبٰیۤنٌ اٰمِنُوْا مَعَهُ وَاَسْتَجِیْبُوْا نِیْسَتِہٖ اِنَّہٗ اَرْسَلْنَاکُمْ اِلَیْہِ اَنْتُمْ کٰفِرُوْنَ**۔ "جو لوگ موسیٰؑ پر ایمان لائیں انکے رسول کو قتل کر دو اور انکی سوزنوں کو زندہ رکھو"۔ اس سے نہ صرف یہی واضح ہے کہ یہ حکم دعوت حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں دیا گیا تھا بلکہ یہ بھی کہ یہ^۲ جب تک نہ تھا۔ صحیح معلوم آئے گا کہ صحیح نہیں ہو جاتا ہے یہی سنا لکھ جا سکے۔ یہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم و شرع ہے۔

حکم تمام بنی اسرائیل کہشے نہیں تھا۔ صرف ان کے متعلق تھا جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے*۔

ان نواہر سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی مدد نوح کے وقت یہ حکم ثابت نہیں تھا۔ نہ نوح جب یہ حکم ہی نہ تھا تو یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو اٹھنے دریا میں بہا دینا نسا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس تدبیر سے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کو دریا میں کھنوں میں ڈیا گیا تھا۔ اسکا جواب خود
قرآن کریم نے دیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں حضرت یوسفؑ
کے زمانہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور حضرت یوسفؑ کو جو وقار مصر میں حاصل
تھا اس پر قرآن کریم ساہم ہے۔ ممکنات کے خزانے کی جہاں ان کے عاتقہ
میں تھیں۔ اس قوم کا وہاں حضرت یوسفؑ کے بعد بھی کچھ عرصہ تک باقی
رہا تھا۔ لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو محکوم قوم درجہ
دیدیا گیا۔ اگرچہ آج بھی دنیا میں محکوم قوموں کی کوئی حشت نہیں
ہوتی لیکن اُس زمانے میں تو محکوم قوم کی حشت نہ ہونے کی سی ہوتی
تھی۔ نہ انکی جان کیسے نقصان و مرہم کے کوئی مواقع ہوتے تھے، نہ انکو
کبھی حکومت کے کاروبار میں عمل دخل کی کوئی صورت۔ مشقت کے پروگرام
کے مطابق۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ساتھ تیار کئے گئے تھے۔ لیکن
اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ انکی تعظیم و تربیت بھی اسی درجہ کی
ہوتی اور انہیں روزِ محاکم اور شواہد میں دستِ مدد پہنچنے کے بھی مواقع حاصل
ہوتے۔ اس مقصد کے لئے تجویز یہ کہ انکی پرورش خود فرعون کے
مجاہد میں ہو اور انکا ترائی زمانہ فرعون کے مہنتی کی حشت سے گزرے۔
یہ تھا وہ مقصد جس لئے انہیں دریا میں بہا کر فرعون کے مجاہد تک
پہنچا گیا۔ یہاں قرآن کریم میں ہے کہ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ
غسی غسیبیں اُن پر تری ترست ہم رہی زور کارانی ہو۔۔۔ یعنی اس
مقصد کے لئے تربیت تیار کیا (جس پر بنی اسرائیل کے جان کے دروازے کھلے۔
اور یہ اس پروگرام کی ایک کڑی تھی جسکے مطابق حضرت موسیٰؑ کو اس
مقام پر تیار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ اس سے ذرا آگے ہے۔ کہ حضرت
غسی غسیبیں اُن پر تری ترست ہم رہی زور کارانی ہو۔۔۔ اس مقصد کے لئے
پیمانے پر پورے اتر آئے۔۔۔

یہ سب کے سب کہہ کر وہ اپنی جہاں سے اٹھ کر دو ٹوک حضرت موسیٰ پر ایمان لائے یہ ان کے
خدا تھا وہ ان لوگوں کے پاس نہیں آتا۔ ان کے سوا کوئی اور نہیں کرتے نہ حکم کیوں
نہی کرتے۔ یہ سب کہہ کر وہ اٹھ کر چلے گئے۔

[illegible][illegible]

کر دیا جائے تاکہ اُس قوم میں پھوٹ بڑی رہے اور وہ باہمی آؤسوسوں میں
 اچھی رہے۔ یہ وہ حال ہے جو ہر سائنس دان حکمران قوم، قومِ محکوم کے
 ساتھ کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اس ہارٹی بازی
 میں وہ کرتا یہ تھا کہ قوم کا وہ طبقہ جس میں اسے جوہر مردانگی نظر آتے۔
 جن کے متعلق وہ سمجھتا کہ اُن کا ابھرنے خطرناک ہے۔ انہیں دبانے۔ اُنہیں
 ہر طرح حقیر و ذلیل رکھتا۔ اور جس طبقہ کو دیکھتا کہ وہ مرد نہیں بلکہ
 عورتوں جیسے ہیں، انہیں ابھار کر معزز و مقرب بنا لیتا اور ان کے ہاتھوں
 انہی کی قوم کا گلا گھونسا رہتا۔ وہ کچھ بھی ہر ماساٹر سیاست دانا کہ قوم
 کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ محکوم قوم کے ان افراد کو ذلیل و خوار رکھتی ہے جن میں
 انہیں جوہر مردانگی نظر آتے ہیں اور ان لوگوں کو جن سے کسی خطرہ کا
 سکن نہ ہو، آگے بڑھتی رہتی ہے۔ قرآن کریم نے اول الذکر طبقہ کو قیوم
 کے اُتساع کہا ہے۔ ورنہ ان کو اُتساع ہے۔ اور ثانی الذکر اُتساع سے مراد
 ہے انہیں ذلیل و حقیر رکھنا۔ اور سنیحیہ اُتساع سے منہموم ہے اس
 دوسرے طبقہ کو ابھار کر آگے بڑھنا۔ اس طرح وہ پوری کی پوری قوم
 بنی اسرائیل کو کمزور کئے جا رہا تھا۔

قرآن کریم کے شواہد سے اندازہ بھی ہوتا ہے کہ قبائل ذبح
 اُتساع سے سی مراد ہے۔ لیکن بہر حال یہ ایک اندازہ ہے جس پر مزید غور
 لیا جاسکتا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی صحیحہ میں آجاتی ہے کہ فرعون کے اس
 حکم کا مطلب کیا تھا کہ جو لوگ مشیٰ بر ایمان لائے ہیں ان کے اُتساع
 کو قتل کر دیا جائے (۱)۔ یعنی اس کی تدبیر یہ تھی کہ اس جماعت میں
 اس طرح کے پھوٹ لائی جائے کہ ان کی زبانیں بند ہوں اور اس طرح
 ان میں جتنے لوگ اسے حق سے خطرہ دیکھتے ہیں انہیں ایسا شیر موتر بنا
 دیا جائے کہ کوئی ان کی بات ہی نہ سنے اقتل کے یہ معنی عنوان فی تہل
 میں دیکھائیے (۲)۔ ورنہ یہ بات عجیبہ میں نہیں آتی کہ ایمان تو لائیں یہ لوگ،
 اور حکم یہ دیا جائے کہ ان کے گھرے و گھروں کو قتل کر دیا جائے۔
 لہذا کہ دوسری طرف جب دربار فرعون کے سحرین ایمان لائے تھے تو ان
 ہی کے متعلق حکم دیا تھا کہ انہیں سونے پر لٹکا دیا جائے۔ نہ یہ کہ ان کے
 بچوں کو قتل کر دیا جائے۔

بہر حال، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ قدرتی طور پر یہ ظہور کا
 روح اس طرف جاتا ہے کہ ذبح اُتساع اور سنیحیہ اُتساع کے الفاظ
 سب سے پہلے شریعت میں استعمال ہوئے۔ سب سے پہلے استعمال

نہیں ہوئے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے، یہ ہمراہ قیاس ہے جس کے دلائل اور دلائل بنے ہیں۔ اگر ان دلائل کو بری نہ سمجھا جائے تو ذبیح ابراہیمؑ کو جہنمی معذوں میں لے جائیگا۔ یعنی فرعون، بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سیح مع ذبیح کر دیا کرتا تھا۔ اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر برکتیں ملتی ہیں ان میں بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کر دینے کا کوئی نوعہ سامنے نہیں آیا۔ ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو۔ سوئیٹ تک صرف تورات میں یہ مسئلہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مرنے والے کا حکم دے رکھا تھا۔ (کتاب خروج انیکن تاریخی نقطہ نگاہ سے موجودہ تورات کی حیثیت ہے وہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں۔

سورۃ دائرہ میں ان جانوروں کو جو بنوں کے استیلاؤں پر قربانی دئے جاتے تھے مَتَا ذَبِیحْ عَلٰی النَّصْبِ (۵) کہا ہے۔

سورۃ صافات میں حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے تذکرہ جہمہ میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو (اپنے خیال کے مطابق) ہماری راہ میں قربان کرنے اور حضرت اسماعیلؑ اپنے آپ کو اس طرح قربان کر دینے دیکھے تو رھو گئے سوچنے لگے انہیں آواز دیکر اس سے روک دینا اور وَفَّرَ یُنْہِ بِیْنِ ذَبِیحِ عَلَیْہِ (۱۰۰)۔ اسماعیل کو ایک ذبیح عظیمہ کے بدلے میں بچا لیا، کہ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے واضح ہے، اس ذبیح نظام سے مراد یہ ہے کہ انہیں سام کے سرسبز و شاداب علاقہ کی سرداری کی بجائے عرب کی بے برگ و گداس زمین میں خاندان کعبہ کی تولیت کیلئے متعین کر دیا۔ یہ وہ قربانی تھی جو ساری عمر کیلئے تھی۔ نہ صرف بنی ماری عرب کے لئے بلکہ اپنی آنے والی نسل کی بھی قربانی۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِ یُسْنَ (۱۰۰) اسماعیل یہ ذبیح عظیمہ تھی۔ یعنی بہت بڑی قربانی۔ (مزید تفصیل میری کتاب ”جوئے نور“ میں ملے گی۔ اور بنی اسرائیل کے بارے میں ”برق طور“ میں)۔

ذخ

ذَخَرَ - بِذَخَرَ - کسی چیز کو چھپا کر رکھنا۔ اِنَّا بَنَیْنَا بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَہُمْ ذَخَرَ - کسی چیز کو چھپا کر رکھنا۔ وہ بوقت ضرورت کام آئے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو چھپا کر رکھنے کی شرف سے ہمیں یہ۔ اِنَّا ذَخَرَ لَکُمُ الْبَابَ فَقَدْ ذَخَرَ لَکُمُ الْبَابَ - اِنَّا ذَخَرَ لَکُمُ الْبَابَ

اِذْ تَخَارَا تَهَا) - السَّخِرُ خَيْرٌ - اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑنے میں اپنی پوری پوری طاقت خرچ نہ کرے بلکہ محیط وقت بچا رکھے* - اَلْذَّخِيرُ قریہ - موٹا** -

سورة آل عمران میں ہے مَا تَدْرِي خَيْرٌ وَّهِيَ بَيِّنَةٌ لِّكُم (۱۳۱)۔ اس کے معنی ذخیرہ کرنے کے ہیں۔ معنوم ہونے کے کہ حضرت مسیحؑ (خدا کے ایک سچے داعی انقلاب ہونے کی وجہ سے) یہودیوں کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding) سے نالاں تھے۔ اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ذ ر ا

ذَرَأَ الْاَرْضَ - زمین میں بیج ڈال دیا* - ذَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ - اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسے بڑھایا - کثر کر دیا* - چنانچہ قرآن کریم میں ہے - يَذْرُؤُكُمْ فِيْهِ (۱۱) - "وہ اس طرح تمہیں بڑھاتا اور پھیلاتا رہتا ہے"۔ سورة المؤمنون میں ہے هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ فِي الْاَرْضِ (۲۳) - "وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں بڑھایا اور پھیلایا ہے"۔

ذُرِّيَّةٌ کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ یہ ذَرَأَ سے مشتق ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ ذَرَأَ سے مشتق ہے۔ ہم نے اسے (ذ - ر - ا) کے نیچے لکھا ہے۔

ذ ر ر

الذَّرَّ - بہت چھوٹی چھوٹی چھوٹیاں - نیز وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو ماحول میں منتشر نظر آتے ہیں - الذَّرَّاءُ کا واحد ذَرَّةٌ ہے - نہایت چھوٹی اور کم وزن چیز کو بھی اسی جہت سے ذَرَّةٌ کہا جاتا ہے - سورة الزلزال میں مِّنْ يَّعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۱) یہ ہے - ذرہ کے وزن برابر - یعنی خفیف سے خفیف - ذَرَّةٌ - کسی چیز کو چھڑکنا - متفرق کرنا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی باریکی اور انتشار ہوتے ہیں - ذَرَّةٌ سَمِيحٌ عَنِ التَّحْمَرِ - اسنے گوشت سر تک چھڑکا - ذَرَّةٌ حَبٌّ فِي الْاَرْضِ - اسنے زمین میں بیج بکھیر دیا* -

الذَّرِّيَّةُ - ذَرِّيَّةٌ - آدمی کی اولاد اور نسل، خواہ نر ہو یا مادہ - نہ کن کبھی اسکا اطلاق انسان کے والدین اور با و اجداد پر ہوتا ہے - یعنی یہ نسل خدا سے ہے* - (س کے متعلق ذرا آگے چل کر لکھا جائیگا) -

راغب نے کہا ہے کہ اس کے اصلی معنی تو چھوٹے بچے ہیں لیکن یہ کبھی چھوٹے اور بڑے سب بچوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ ہے تو جمع ہی کہلائے لیکن پھر واحد اور جمع سب کہلائے یکساں آتا ہے۔ بعض کے نزدیک ذُرّیّۃ کا مادہ ذرا ہے۔ جس کے معنی پیدا کرنے اور بڑھانے کے ہیں۔ (لبن)۔

ذُرّۃ البَقْل - سبزی پھوٹی *

قرآن کریم میں ذُرّۃ یثۃ بمعنی اولاد اور نسل (۱۲۴) میں آیا ہے۔ سورہ یٰسین میں جہنم کہا ہے کہ اِنَّا حَمَمٰنَا ذُرّۃ یثۃم فی السّٰفٰتِکِ (۱۲۴)۔ ”ہم نے ان کی ذرست کو کشتی میں سوار کیا“۔ تو وہاں ذرّۃ کے معنی (اس نسل کے) چھوٹے بڑے سب ہیں۔ اس آیت (۱۲۴) میں کی وجہ سے اہل لغت نے اِنَّا ذُرّۃ یثۃ میں اولاد اور آباء کے معنی نسیم کئے ہیں اور اسی بناء پر یہ لفظ خداد میں مانا گیا ہے، لیکن قرآن کریم کے مضامعہ سے معوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ کہیں بھی آباء کے لئے نہیں بولا گیا بلکہ آباء کے بالمقابل اولاد کے لئے ہی استعمال ہوا ہے (۱۲۴)۔ مذکورہ شعر آیت (۱۲۴) میں بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ذُرّۃ یثۃ اولاد ہی کے لئے ہے، جبکہ ہم الفسّٰک اَلْمُشْجُوْنَ سے مراد حضرت نوحؑ کی ایک معین کشتی میں جو وحی کے ذریعہ بنوائی گئی تھی اور ذُرّۃ یثۃم سے مراد اُس زمانہ کے انسانوں کی نسل لی جائے۔ اس طرح اس لفظ میں متضاد معانی باقی نہیں رہیں گے۔

سورۃ یونس میں ثَمَمًا اَسَنَ نِیْمُوْسٰی لَآ ذُرّۃ یثۃم مِّنْ قَوْمِہ (۱۲۴)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں بہت تھوڑے لوگوں کے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں اسکی قوم کے نوجوان۔*** ہماری نزدیک دوسرے معنی زیادہ واضح ہیں۔ اسلاب آفرین بیغم مر، ابھرنے والی نسیمیں جمدی ایمان لاتی ہیں۔ پسرانے لوگ اپنے نسیم معنات اور حادثات و خصائل میں سخنہ شو جکے ہوئے ہیں۔ نمر بڑھاپے کی وجہ سے ان میں اسنے اندر نمی تبدیل پیدا کر دیتا، انھے مساحول سے مضامنت، کی سمت بہت کم ہوتی ہے۔ یہ قوم کا نوجوان طبقہ ہوتا ہے جو ظہم و استبداد کے علی اثر غم، کسی قسم کا خوف نہ کرے ہوئے، دعوت اسلاب پر لبیک کہتا اور حادثات کی تلاطم انگیزیوں سے برد آزما ہوتا ہے۔ انہی ذریکھے عنوان

ذ۔ ب۔ ح۔

ذرع

آلِیْنَ رَآعٌ - ہاتھ کا کہنی سے نیکر درمیانہ انسی کے آخر تک کا حصہ۔
 کلائی کے لئے بھی بولا جاتا ہے، نیز ایک پیمانہ جس سے لپکا جاتا ہے*۔ سورۃ
 کہف میں ہے وَکَتَبْنَاهُمْ اَیَّ ذِیْ اَسْتَدْرَا اَیَّ اَنۡ کَانَ اَیْنِیۡ دَوْنِیۡ
 ہاتھ (یعنی انسی تا نگوں) پہنچائے ہے یعنی یہ - ذُرُوعُهُ کَتَبْنَا - اسکا طول
 اسقدر ہے**۔ ذُرُوعُہَا سَبْعُ مِائَاتٍ ذِرَاعًا (۱۰۰)۔ اسکی پیمائش ستر ہاتھ
 ہے۔ ان فارس نے کہا ہے کہ اس کے بندہ دی معنی میں کسی چیز کا لمبا
 شرف اور آگے کی طرف حرکت کرنا۔ مثالی بیہ ذُرُعٌ - مچھنے اسکی دسترس
 نہیں*۔ ذِرْعَتُہٗ بِیہ ذُرُوعٌ - انسی کا م کی دسترس نہ رکھنا۔ سورۃ شوریٰ میں
 حضرت لوطؑ کے منعق ہے ضَافَ بَیْنَهُمَا ذُرُوعًا - (۱۱)۔ اسنے ان کے معامدہ
 میں اپنے آپکو کوتاہ دست پایا۔

ذُرُوعٌ یُعَدُّ - اس وزنہ کی شے کہتے ہیں جسو سیکر کہیں بظہور آڑ
 استعمال کی جاتی ہے*۔ نیز شرف سے لگا کہتے ہیں جس کے توسل سے مقصد
 تک ہاتھ پہنچ سکے۔

ذرو

ذَرَّتْ سِرْبَیۡحٌ اَشْتٰییۡ ذُرُوۡہَا - ہوا اس چیز کو اڑا کر لے گئی۔
 ذَرَاۡئَہٗ مُنْقَطِعَاتٌ لِّمَآرِہَا ذُرُوۡہَا - اسنے لپکڑوں کو بیوی سے صاف کر کے
 لے لئے شرف میں اڑا دیا۔ فَمَتَذَرَّتْ - میں - ہوں بیوی سے نکھو کر صاف
 ہو گیا۔ ذُرُوۡہُ لَمْتَمِتۡ - ہونے کے چھوٹے ٹوٹ خشک اجزاء جو ہوا
 میں اڑ جائیں۔

ذُرُوعَةُ الشَّیْءِ - چیز کا بلند تر اور اونچا حصہ*۔

سورہ کہف میں ہے ذُرُوعُہٗ تَرْبِیۡحٌ (۱۱)۔ "ہوائیں اسے اڑائے
 اڑائے پھرتی ہیں"۔ سورہ ذاریات میں ہے - وَأَنۡذَرۡتَہُمۡ ذُرُوۡۤا - (۲۱)۔
 ذُرُوعٌ - پھیلا دینا۔ لکھنا دینا۔ ذُرُوعُہٗ رِیۡحٌ - پکھیر دینے والا، پھیلا
 دینے والا شرف اسخت کرنے والا۔ وہ قوتیں جو کسی مقام (یا نظام) کی
 نشرو اسخت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جن سے وہ آواز دنیا میں پھیلتی ہے۔ ذُرَاعٌ
 رسل و رسائل و مواصلات و نشرو اشاعت۔

*تاج - **محیط - *تاج و راغب -

ذ ع ن

أَذْ عَنَ - اطاعت میں جہادی کرنا - دوز کس حکم کی تعمیل کرنا -
نَاقِیَّةٌ مِیْذُ عَنَ - مضع اونٹنی - مِیْذُ عِیْنِیْمَیْنِ (۱۳۶) لک کر اطاعت کرنے
والے * - أَذْ عَنَ لَہُ - اس کے لئے جھکا اور اس کا تابع فرمان ہو * -

صاحب محیط نے "الْأَذْ عَنَ" کے اصطلاحی معنی بتاتے ہوئے لکھا،
ہے کہ "الْأَذْ عَنَ" اعتقاد یعنی دی سزم کو کہتے ہیں - اور عزم، تردد کے
بعد ارادے کی بختگی کو کہتے ہیں - "أَذْ عَنَ" کے مختلف مراتب ہوتے
ہیں جن میں سے ادنیٰ ترین کو ذن اور اعلیٰ ترین کو یقین کہا جاتا ہے -
اور ان دونوں کے درمیان تقیید اور جہل مرکب کا مرتبہ ہوتا ہے * -

ذ ق ن

الذَّقِیْنُ - شہوری * - جمع اذْقَانُ - (۱۳۷) - مجازاً چہرے کو منی
کہہ دیتے ہیں - جسے یَخْرِقُوْنَ نِیْلًا اذْقَانِ مَسْجِدَہُ (۱۳۸) میں منہ کے بل
گرنے کیلئے یہ لفظ آیا ہے -

ذ ک ر

أَلِیْذٌ کَرٌ وَالْقَدْرُ کَرٌ - کسی چیز کو محفوظ کرنا - کسی بات کا
دل میں حاضر کر لینا - یہ لفظ نَسَمٰی کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۳۹) - نَسَمٰی
کے معنی ہوتے ہیں کسی بات کو بے دردی - لہذا ذِ کَرٌ کے معنی ہوتے
کسی بات کو یاد کرنا -

أَذْ کَرٌ - اِسْتَذْ کَرٌ - نَذْ کَرٌ - کے عدم معنی میں نَسَمٰی بات
کو یاد کر لینا - لیکن ابواب کے خسوس کے لحاظ سے ان کے مفہوم میں
لطیف سا فرق ہے -

الْقَدْرُ کَرٌ - جس سے نَسَمٰی ضرورت کو یاد دلانا - ہے - (۱۴۰)
أَلِیْذٌ کَرٌ (۱۴۱) یاد دہانی -

ذَ کَرٌ حَیْثَہُ - اہلکے حق کی حفاظت کی اور اس کو ضائع نہیں دینا -

أَذْ کَرُوا لِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ - تم پر جو نعمت کے احسانات ہیں
انکی حفاظت کرو اور انہیں ضائع مت کرو * -

* تاج و راغب - ** محیط -

ان قوانین کا اتباع کرو تو انکے خوشگوار نتائج یقیناً تمہارے سامنے آ جائیں گے۔
 (یہاں، علاوہ دیکر امور کے یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ ابتدا (Initiative) انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا اسکا جواب دیتا ہے۔ جس قسم کا عمل انسان سے سرزد ہوتا ہے اسی قسم کا رد عمل خدا کی طرف سے ہوتا ہے)۔ لہذا ذکرِ سرِّ اللہ کے معنی نو بین خداوندی کا اتباع ہمیں (نہ کہ تسبیح کے دانوں پر اللہ سے گفتے رہنا)۔ اور اس اتباع کا لازمی نتیجہ شرف و عظمت اور غرر خدائی قوانین پر شبہ و تشکیک ہے۔ جیسا کہ سابقہ حوالوں میں بتایا جا چکا ہے۔ صاحبِ ضربِ رسمی کا فرعون کے مقابلہ کے لئے جانا، ذکر اور تسبیح ہے۔ (تسبیح کبائے دیکھئے س۔ ب۔ ح۔ ن۔ عنوان)۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا، ذکر ہے۔ اللہ کے کائنات پر غور و فکر کرنا، ذکر ہے۔ اقوامِ سابقہ کی تاریخ سے عبرت و وعظمت حاصل کرنا، ذکر ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں، ایک ایک قدم پر قانونِ خداوندی کو سامنے رکھنا اور اس کے مطابق فیصلے کرنا، ذکر ہے۔ ان قوانین کا عدم چرھا کرنا بھی ذکر ہے۔ اسی کو جبکہ کی اصطلاح میں سرورِ اساعت کرنا کہتے ہیں۔ یہی وہ ”ذکرِ اللہ“ ہے جس سے دلوں کو سجا اطمینان حاصل ہوتا ہے (۱۲۱)۔ ہم نے اطمینان کے ساتھ ”صحیح“ کی تخصیص میں لئے کی ہے کہ جیو، اطمینان انسان کو ہر طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اطمینان حاصل نہ ہوتا ہو تو لوگ باطن مذاہب پر جمے کس طرح رہیں؟ سجا اطمینان، عسی وجہ البصرت حاصل ہوتا ہے۔ یہی جب کسی بات پر غور و بصرت کی رو سے غور کرنے کے بعد، یہ اس کے معنی نتائج سامنے آ جانے کے بعد، ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ وہ بات حق و صداقت پر مبنی ہے، تو اس سے سجا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جو دل اور دماغ دونوں کے لئے وجہ سکون ہوتا ہے۔ جیو، اطمینان، اپنے آپ کو فریب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ سجا اطمینان، جہدِ حق پر مبنی کو ہر کے میدان میں حاصل ہوتا تھا جب انہیں اپنے حق میں گم فوج پر غلبہ فتح حاصل ہوئی تھی (۱۲۲)۔ یہ حجروں اور خانقاہوں میں حاصل نہیں ہوتا۔

ذک و

ذک کہ *۔ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا مکمل ہو جانا۔ مکمل ہونے کہا ہے کہ اَلَيْتَ كَاَعُوْا فِی السَّعِیْنِ۔ عمر کے بیچہ ہو جانے کو کہتے ہیں جب انسان کی قوتیں مکمل تک پہنچ جاتی ہیں۔ سی اعنید ر سے اَلْیَازَیْنِ ذہانت اور فطانت کی تیزی اور تکمیل کو کہتے ہیں۔ ذکر کی تیسرے فہم۔

و فرماں بردار بنا دیا ہے۔ سورۃ طہ میں نَزَّلَ وَ نَزَّخَزَى (۱۳۴)۔ ذلت و رسوائی کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں۔ میدان جنگ میں کمزوری کہلئے یہ لفظ (۱۳۳) میں آیا ہے۔ سورۃ مائدہ میں جماعتِ مؤمنین کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ اَذِیۡتَ عَلٰی اَلْمُؤْمِنِیۡنَ اَعِیۡزَتَۃٌ اَعۡمٰی اُکَافِرِیۡنَ (۱۳۵)۔ ابن الاعرابی نے کہہ ہے کہ یہاں اَذِیۡتَ حَتٰی اَلْمُؤْمِنِیۡنَ کے معنی رُحَمَآءَ بَیۡنَہُم (۱۳۶) ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مشفق و ہمدرد۔ اور مخالفین کے مقابلہ میں سخت۔ جَنَاحُ النَّزْلِ (۱۳۷) نرمی تواضع اور مہربانی کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم نے ذلت و مسکنت، محکومی اور کمزوری کی زندگی کو خدا کا غضب قرار دیا ہے۔ (۱)۔ یہ ذلت اسی دنیا کی ذلت ہے جو ہر ایک کو نظر آسکتی ہے (۱)۔ اس کے برعکس کم ہے کہ مؤمنین کی زندگی غلبہ و اقتدار اور قوت و عظمت کی زندگی ہے۔ وَ اَلۡلّٰہُ اَعِیۡزَتَہٗ وَ اَلۡرَّسُوۡلَیۡہُ وَ اَلۡمُؤْمِنِیۡنَ (۲)۔ غلبہ و اقتدار اللہ اور اس کے رسولؐ اور جماعتِ مؤمنین کے لئے ہے۔ مؤمنین کی زندگی اَسَدُوۡنَ (۳)۔ سب سے غلبہ رکھنے کی زندگی ہے۔ حکومت اور عظمت کی زندگی ہے (۴)۔ لہٰذا جس زندگی میں غلبہ و اقتدار اور شوکت و حشمت نہیں وہ مؤمنین کی زندگی نہیں۔ اس دنیا میں ذلت و خواری کی زندگی خدا کا عذاب ہے۔ وَ خُذِیۡرَیۡتَۃٌ عَمَّاۤیِمَ النَّارِیۡتَۃُ وَ تَمَسَّکَیۡتَہُ وَ بَدَاۤہُ اَبِیۡغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ (۵)۔ ذلت و مسکنت کی سزا ماری گئی۔ یعنی وہ عذاب خداوندی کے مستوجب بن گئے۔ اس دنیا کو اغیار کے حوائج کر کے، ہر کسی و بے بسی، محتاجی اور محرومی کی ذلیل زندگی بسر کرنے اور یہ سمجھنا کہ اس سے انسان کو ”روحانی ترقی“ حاصل ہوتی ہے، وہ فریب ہے جو مستبہ قوتوں کمزوروں اور محکوموں کو دیتی ہیں۔ قرآن کریم اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے پہلے اللہ میں کہا کہ اس دنیا میں عزت و تہرر و سرفرازی و سربلندی۔ شوکت و حشمت۔ دولت و قوت۔ حکومت و سطوت کی زندگی، ایمان و اعمال صالحہ کا فطری نتیجہ ہے۔ اور ذلت و خواری، محکومی و محتاجی کی زندگی خدا کا عذاب۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ جو یہاں خدا کے عذاب میں مبتلا ہے وہ عذابت میں خدا کا مقرب نہیں ہو سکتا۔ جس نے خدا سے دُور ہو کر اس کا مستقبل بھی تاریک ہو گا۔ وَمَنۡ اَعْرَاضَۃٌ عَنۡ ذِکْرِیۡ فَارِیۡتَ لَہٗ مَکِیۡمَۃًۢ خَیۡرًا وَ تَنۡجِیۡتُہٗ یَوۡمَ اَلۡمِیۡمَۃِ اَعۡمٰی (۶)۔ ”جو ہمارے دُور سے اعراض برقیگا تو اس کی روزی ننگ شو جائیگی اور ہم

اسے قیامت کے دن بھی اندھا نہ بنینگے۔" یہ ایک ایسا معیار ہے جس سے ہم ہر وقت اپنے اعمال کو پرکھ سکتے ہیں۔

خ م م

[illegible]

ذمہ داری - ہر وہ ذمہ داری - معاشرہ - مملکت و قسوار جس کے ضائع کر دینے سے مصلحت لازم آتی ہو - جس شخص و سپرہ کے توڑ دینے سے مصلحت کی جاتی ہو -

الذی مثلاً - انسان - کثافت - ضمانت - ذمہ داری - وہ آدمی جسے عہدہ حاصل ہو - جس کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اسے گنتی ہو - جسے ضرر و فساد کی ضمانت دینی گنتی ہو - قرآن کریم میں ہے لَا یُرْعَیُونَ فِیْہِمْ مَلَا وَا لَا ذِمَّةٌ (۱) "یہ کسی حسی اور حرمت - عہدہ و ضمانت کا خیال نہیں کرتے" - (اسکی تفسیر کے لئے عنوان الال دیکھئے) -

ذ ن ب

[illegible]

چونکہ دُوم ہمیشہ جانور کے - چلے نگی رہتی ہے اسلئے ان اتہامات کو
 بنی ذَنْبُوبٌ کہہ جا سکتا ہے جو کسی کے ہاتھ سے چبکا دئے جائیں -
 (جس طرح اَلْغَفَّارُ دُوم کہہ کہتے ہیں لیکن اس کے معنی تمہمت کے بھی
 ہیں - دیکھئے عنوان ف - ف - و) - چنانچہ سورۃ فتح میں جہاں نبی اکرمؐ
 کے مدد کے لئے لیس گھنیر لاکھ اللہ مانتے تھے مَیْنُ ذَنْبِیْکَکَ وَمَا تَخَافُ
 (۲۱) - تو سب کے معنی یہ ہیں کہ یہ فتح عظیم اسلئے دی جا رہی ہے کہ ان
 تمام اتہامات سے ہماری عزت ہو جائے جو تمہارے مخالفین تم پر لگاتے
 رہے ہیں یا اُنہوں نے لگا چکا ہے - مخالفین کہتے تھے کہ (سعد اللہ) آپ اپنے
 دعویٰ میں حق ہوئے ہیں - دیرائے ہیں - کسی نے ن سر جادو کر دیا ہے -
 یونہی لوگوں کو سبز باغ دکھانا کر اور غلائے رہتے ہیں - اللہ تعالیٰ نے کہا
 کہ یہ فتح مبینہ جس سے مخالفین کی قوتیں ٹوٹ گئی ہیں، ان تمام اتہامات
 کا جواب ہے کہ دیکھ لو انجام کار کون سیجا ثابت ہوا - (نیز دیکھئے عنوان
 ق - د - م) -

ذَنْبُوبٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جسکی دُوم کے بال گھنے ہوں اور وہ
 بالوں سے بھری ہوئی ہو - نیز اس بڑے بول کو بھی کہتے ہیں جس میں پانی
 بھرا ہوا ہو - (اگر وہ خالی ہو تو اُسے دَنْبُوبٌ نہ کہتے) - نیز ایسے دن کو
 بنی کہتے ہیں جس کا شر بہت طویل ہو جائے، انا طویل کہ ختم ہوتا نظر
 نہ آتا ہو -

سورۃ ذاریت میں ہے فَانْزِلْ رِزْقًا مِّنْ سَمَوَاتِہِمْ ذَنْبُوبًا مِّثْلَ ذَنْبُوبِ
 اَصْحٰیہِمْ (۱۹) - ن - ج ، محیط اور راسب نے کہا ہے کہ ذَنْبُوبٌ کے
 معنی نصیبہ یا حصہ کے ہیں - اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوتے کہ جو
 لوگ ختم کسر رہے ہیں ان کا نصیبہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ان لوگوں کا
 نصیبہ تھا جو ان کی مثل تھے -

بعض لوگ اپنے آپ کو، ازراہ کسر نفسی، مثلاً زب - ص - صی بر معاصی
 وغیرہ کے ثقب سے پاک کرتے ہیں - ذنب یا گندہ ، کرم خد - و - ری کے
 جرم کو کہتے ہیں - جب ہم اسے کُور "مجرم" کہہ سکتے ہیں تو اسے کُور
 تو، ذنب ، ص - صی وغیرہ کُور کہہ سکتے ہیں؟ اگر ہم سے واقعی کُور جرم
 صادر ہو گا تو اس پر ہمیں نہ مہر دینی چاہئے ، نہ کہ اسے اپنے لئے
 نشان امتیاز یا پہچانے جانے کی علامت قرار دینا چاہئے -

ذہب

[illegible]

* تاج - ** محیط - *** لین -

مذہب کے س باطل تصور کو مٹانے کے لئے، خدا کی طرف سے، ہوساطت
حضرات انبیاء کرامؑ دین متہ رہا۔ اس نے انسان کو، کائنات میں، اس کے
صحیح مقام سے شناسا کرایا۔ اس نے کائنات کا مسسہ خدا کے مقرر
کردہ قوانین کے مسسہ سرگرم عمل ہے اور انسان کو ان قوانین کا علم دے
دیا گیا ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ ان قوانین کی رو سے کائنات کی قوتوں کو
مسسخر کرے اور انہیں نوع انسان کی نسل و نسل اور بہبود و ترقی کے لئے استعمال
کرے۔ اس نے (دین نے) بنی دے وی نور دلائل و براہین کی رو سے مسسہ
اور علم و بصیرت کی رو سے ماننے کی دعوت دی۔ خدا کا یہ دین، انہی آخری
اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اور "مذہب" کے خلاف
دیکھلا دیا جینچ ہے۔ دنیا میں چونکہ علم و بصیرت عام مسسہ رہا ہے اس لئے
آستہ آستہ مذہب کا دور دورہ بسی ختم ہو رہا ہے۔ اسسارح دین کے قیام
کے لئے راستہ صاف ہو رہا ہے۔ اب نے دیکھا نہیں کہ دنیا کسسطرح
مسسہ است۔ سرمایہ داری۔ مذہبی مشوانست سے سزر سوتی مسی جا رہی ہے؟
یہی قرائن بتا رہے اس کہ اب وہ دور آ رہا ہے جب خدا کا دین، اپنی
دیانوں کے ساتھ عالمتاب ہو۔ اب انسان میں شعور کو سہنچ رہا ہے۔ اب
اسے نہ بچپن کی توعم درستیاں ڈرا سکتی مس، نہ کائنات کے سہول سہلا سکنے
مس۔ اب اس کا طمین زندگی کی ٹیوس مسسہوں ہی سے شو سکا ہے اور وہ
قرآن کریم کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتیں۔

آلِ عَذَابٌ - (۱۵) اس سونے کی کھوپڑی میں جو کفن سے نکل کر صاف
 کر لیا گیا ہو۔ (جو ابھی کفن میں ہو اور کفن کے خلاف نہ کیا گیا ہو) اسے
 تَبَرٌ کہتے ہیں۔ جس چیز پر سونے کا مسموع لیا گیا ہو یا سونے کا سترہ
 چڑھایا گیا ہو اسے سُنَّ عَذَابٌ کہتے ہیں۔ ذٰلِیْکَ التَّرْجُمٰنُ - اس وقت
 کہتے ہیں جب کوئی شخص ایک دم کفن میں بہت سا سونا دیکھے اور اسے
 دیکھ کر سراسیمہ و مبہم ہوتا ہو جائے۔ اس فارسی میں کہہ دیا کہ اس مادہ کے
 بنیادی معنی (۱) حقے جانے اور (۲) حسن و نیکائی کے ہیں۔ سونے کی کھوپڑی
 ن دوسرے معانی کی جہت سے کہتے ہیں۔ اَلْاِیْرَ تَنْجِیۃٌ - حاکمی سے سارتر بنا
 سخاوت کو کہتے ہیں*۔

ذوال

کَافِرٌ - کَافِرٌ - کسی چیز سے ربط و ضبط نہ کرے گے باوجود
اسے حتمی دینا - یا جاننے پر جوتھے چھوڑ دینا - یا کسی شغل میں منہمک ہو

*تاج -

جانے کی وجہ سے بھول جانا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ذُھُول کے معنی میں محبوب چیز کی یاد دہانی نہ رہنا اور اس کی عدم موجودگی کے باوجود دل کا خائش رہنا اور کسی قسم کی کمی محسوس نہ کرنا۔ صاحب محبت نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ذُھُول کسی دھشت کی وجہ سے محبوب کو چھوڑ دینا ہے۔ ذُھیل۔ ہوش و حواس نجاتے رہنا**۔

اسی فرس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میں گنہراہٹ اور پریشانی و سرہ کی وجہ سے کسی چیز سے غافل ہو جانا۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں انقلاب کے متعلق آتا ہے کہ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَنَاقُلُ کُلٌّ مَّرْضِعَتِ عَمِّهِمْ أَرْضِيعَتٌ وَنَضِيعٌ کُلٌّ ذَاتٌ حَمْلٍ حَمْلَتَا لَمْ تَمْنَحْ۔ "جب تم اسے دیکھو گے اس وقت ہر دودھ دلائے والی اپنے بچہ کو چھوڑ دے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل دل دیگی"۔ یہ چیز اس انقلابی ساعت کی حیثیت کی کے ایسے نہیں ملتی ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد خود انقلابی دور ہو تو اس سے ہمارا زمانہ ملتا ہے۔ جیسے میں میں بس بچوں کو دھند نہیں ہلاتی اور کوئی لڑکی (سادہ کے باوجود) حامیہ ہونا نہیں چاہتی۔ اور ان فطرت نسوانی فرائض کسر چھوڑ کر انہیں کچھ افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس سے خوش ہوتی ہیں۔ اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے دوسرے مسائل میں خارج نہ ہوں۔ ذُھیل میں یہ نسم یعنی آجاتے ہیں۔ یا وسیع یعنی بڑی اور اضطرار کا وہ غائب جس میں غم سب گرفتار رہتے ہیں اور اصرار اپنی ضروری ذمہ داریوں تک سے غافل ہو جاتے ہیں۔

ذ و

ذُو۔ صاحب، والا (جیسے عم، صاحب، والد، غن و فکر والا، ہمتی میں)۔ اسکی جمع ذُوُون اور ذَوِیْن نیز اُوُوُیْیَی ہے۔ مومن ذُکَّاء۔ تنزیہ ذَوَاتُکَ۔ جمع ذُوُکَّاء۔ قرآن کی رو سے ذُوُکَّاء کسی ذریعہ اور ذبیحہ یا ہو جاتا ہے۔ ذُوُکَّاء۔ امیر صاحب عسرت۔ عہد تہذیب میں بڑا ہونے والا۔ ذُوُکَّاء عسرت یعنی (۱)۔ (۲)۔ (۳)۔ (۴)۔ (۵)۔ (۶)۔ (۷)۔ (۸)۔ (۹)۔ (۱۰)۔ (۱۱)۔ (۱۲)۔ (۱۳)۔ (۱۴)۔ (۱۵)۔ (۱۶)۔ (۱۷)۔ (۱۸)۔ (۱۹)۔ (۲۰)۔ (۲۱)۔ (۲۲)۔ (۲۳)۔ (۲۴)۔ (۲۵)۔ (۲۶)۔ (۲۷)۔ (۲۸)۔ (۲۹)۔ (۳۰)۔ (۳۱)۔ (۳۲)۔ (۳۳)۔ (۳۴)۔ (۳۵)۔ (۳۶)۔ (۳۷)۔ (۳۸)۔ (۳۹)۔ (۴۰)۔ (۴۱)۔ (۴۲)۔ (۴۳)۔ (۴۴)۔ (۴۵)۔ (۴۶)۔ (۴۷)۔ (۴۸)۔ (۴۹)۔ (۵۰)۔ (۵۱)۔ (۵۲)۔ (۵۳)۔ (۵۴)۔ (۵۵)۔ (۵۶)۔ (۵۷)۔ (۵۸)۔ (۵۹)۔ (۶۰)۔ (۶۱)۔ (۶۲)۔ (۶۳)۔ (۶۴)۔ (۶۵)۔ (۶۶)۔ (۶۷)۔ (۶۸)۔ (۶۹)۔ (۷۰)۔ (۷۱)۔ (۷۲)۔ (۷۳)۔ (۷۴)۔ (۷۵)۔ (۷۶)۔ (۷۷)۔ (۷۸)۔ (۷۹)۔ (۸۰)۔ (۸۱)۔ (۸۲)۔ (۸۳)۔ (۸۴)۔ (۸۵)۔ (۸۶)۔ (۸۷)۔ (۸۸)۔ (۸۹)۔ (۹۰)۔ (۹۱)۔ (۹۲)۔ (۹۳)۔ (۹۴)۔ (۹۵)۔ (۹۶)۔ (۹۷)۔ (۹۸)۔ (۹۹)۔ (۱۰۰)۔ (۱۰۱)۔ (۱۰۲)۔ (۱۰۳)۔ (۱۰۴)۔ (۱۰۵)۔ (۱۰۶)۔ (۱۰۷)۔ (۱۰۸)۔ (۱۰۹)۔ (۱۱۰)۔ (۱۱۱)۔ (۱۱۲)۔ (۱۱۳)۔ (۱۱۴)۔ (۱۱۵)۔ (۱۱۶)۔ (۱۱۷)۔ (۱۱۸)۔ (۱۱۹)۔ (۱۲۰)۔ (۱۲۱)۔ (۱۲۲)۔ (۱۲۳)۔ (۱۲۴)۔ (۱۲۵)۔ (۱۲۶)۔ (۱۲۷)۔ (۱۲۸)۔ (۱۲۹)۔ (۱۳۰)۔ (۱۳۱)۔ (۱۳۲)۔ (۱۳۳)۔ (۱۳۴)۔ (۱۳۵)۔ (۱۳۶)۔ (۱۳۷)۔ (۱۳۸)۔ (۱۳۹)۔ (۱۴۰)۔ (۱۴۱)۔ (۱۴۲)۔ (۱۴۳)۔ (۱۴۴)۔ (۱۴۵)۔ (۱۴۶)۔ (۱۴۷)۔ (۱۴۸)۔ (۱۴۹)۔ (۱۵۰)۔ (۱۵۱)۔ (۱۵۲)۔ (۱۵۳)۔ (۱۵۴)۔ (۱۵۵)۔ (۱۵۶)۔ (۱۵۷)۔ (۱۵۸)۔ (۱۵۹)۔ (۱۶۰)۔ (۱۶۱)۔ (۱۶۲)۔ (۱۶۳)۔ (۱۶۴)۔ (۱۶۵)۔ (۱۶۶)۔ (۱۶۷)۔ (۱۶۸)۔ (۱۶۹)۔ (۱۷۰)۔ (۱۷۱)۔ (۱۷۲)۔ (۱۷۳)۔ (۱۷۴)۔ (۱۷۵)۔ (۱۷۶)۔ (۱۷۷)۔ (۱۷۸)۔ (۱۷۹)۔ (۱۸۰)۔ (۱۸۱)۔ (۱۸۲)۔ (۱۸۳)۔ (۱۸۴)۔ (۱۸۵)۔ (۱۸۶)۔ (۱۸۷)۔ (۱۸۸)۔ (۱۸۹)۔ (۱۹۰)۔ (۱۹۱)۔ (۱۹۲)۔ (۱۹۳)۔ (۱۹۴)۔ (۱۹۵)۔ (۱۹۶)۔ (۱۹۷)۔ (۱۹۸)۔ (۱۹۹)۔ (۲۰۰)۔ (۲۰۱)۔ (۲۰۲)۔ (۲۰۳)۔ (۲۰۴)۔ (۲۰۵)۔ (۲۰۶)۔ (۲۰۷)۔ (۲۰۸)۔ (۲۰۹)۔ (۲۱۰)۔ (۲۱۱)۔ (۲۱۲)۔ (۲۱۳)۔ (۲۱۴)۔ (۲۱۵)۔ (۲۱۶)۔ (۲۱۷)۔ (۲۱۸)۔ (۲۱۹)۔ (۲۲۰)۔ (۲۲۱)۔ (۲۲۲)۔ (۲۲۳)۔ (۲۲۴)۔ (۲۲۵)۔ (۲۲۶)۔ (۲۲۷)۔ (۲۲۸)۔ (۲۲۹)۔ (۲۳۰)۔ (۲۳۱)۔ (۲۳۲)۔ (۲۳۳)۔ (۲۳۴)۔ (۲۳۵)۔ (۲۳۶)۔ (۲۳۷)۔ (۲۳۸)۔ (۲۳۹)۔ (۲۴۰)۔ (۲۴۱)۔ (۲۴۲)۔ (۲۴۳)۔ (۲۴۴)۔ (۲۴۵)۔ (۲۴۶)۔ (۲۴۷)۔ (۲۴۸)۔ (۲۴۹)۔ (۲۵۰)۔ (۲۵۱)۔ (۲۵۲)۔ (۲۵۳)۔ (۲۵۴)۔ (۲۵۵)۔ (۲۵۶)۔ (۲۵۷)۔ (۲۵۸)۔ (۲۵۹)۔ (۲۶۰)۔ (۲۶۱)۔ (۲۶۲)۔ (۲۶۳)۔ (۲۶۴)۔ (۲۶۵)۔ (۲۶۶)۔ (۲۶۷)۔ (۲۶۸)۔ (۲۶۹)۔ (۲۷۰)۔ (۲۷۱)۔ (۲۷۲)۔ (۲۷۳)۔ (۲۷۴)۔ (۲۷۵)۔ (۲۷۶)۔ (۲۷۷)۔ (۲۷۸)۔ (۲۷۹)۔ (۲۸۰)۔ (۲۸۱)۔ (۲۸۲)۔ (۲۸۳)۔ (۲۸۴)۔ (۲۸۵)۔ (۲۸۶)۔ (۲۸۷)۔ (۲۸۸)۔ (۲۸۹)۔ (۲۹۰)۔ (۲۹۱)۔ (۲۹۲)۔ (۲۹۳)۔ (۲۹۴)۔ (۲۹۵)۔ (۲۹۶)۔ (۲۹۷)۔ (۲۹۸)۔ (۲۹۹)۔ (۳۰۰)۔ (۳۰۱)۔ (۳۰۲)۔ (۳۰۳)۔ (۳۰۴)۔ (۳۰۵)۔ (۳۰۶)۔ (۳۰۷)۔ (۳۰۸)۔ (۳۰۹)۔ (۳۱۰)۔ (۳۱۱)۔ (۳۱۲)۔ (۳۱۳)۔ (۳۱۴)۔ (۳۱۵)۔ (۳۱۶)۔ (۳۱۷)۔ (۳۱۸)۔ (۳۱۹)۔ (۳۲۰)۔ (۳۲۱)۔ (۳۲۲)۔ (۳۲۳)۔ (۳۲۴)۔ (۳۲۵)۔ (۳۲۶)۔ (۳۲۷)۔ (۳۲۸)۔ (۳۲۹)۔ (۳۳۰)۔ (۳۳۱)۔ (۳۳۲)۔ (۳۳۳)۔ (۳۳۴)۔ (۳۳۵)۔ (۳۳۶)۔ (۳۳۷)۔ (۳۳۸)۔ (۳۳۹)۔ (۳۴۰)۔ (۳۴۱)۔ (۳۴۲)۔ (۳۴۳)۔ (۳۴۴)۔ (۳۴۵)۔ (۳۴۶)۔ (۳۴۷)۔ (۳۴۸)۔ (۳۴۹)۔ (۳۵۰)۔ (۳۵۱)۔ (۳۵۲)۔ (۳۵۳)۔ (۳۵۴)۔ (۳۵۵)۔ (۳۵۶)۔ (۳۵۷)۔ (۳۵۸)۔ (۳۵۹)۔ (۳۶۰)۔ (۳۶۱)۔ (۳۶۲)۔ (۳۶۳)۔ (۳۶۴)۔ (۳۶۵)۔ (۳۶۶)۔ (۳۶۷)۔ (۳۶۸)۔ (۳۶۹)۔ (۳۷۰)۔ (۳۷۱)۔ (۳۷۲)۔ (۳۷۳)۔ (۳۷۴)۔ (۳۷۵)۔ (۳۷۶)۔ (۳۷۷)۔ (۳۷۸)۔ (۳۷۹)۔ (۳۸۰)۔ (۳۸۱)۔ (۳۸۲)۔ (۳۸۳)۔ (۳۸۴)۔ (۳۸۵)۔ (۳۸۶)۔ (۳۸۷)۔ (۳۸۸)۔ (۳۸۹)۔ (۳۹۰)۔ (۳۹۱)۔ (۳۹۲)۔ (۳۹۳)۔ (۳۹۴)۔ (۳۹۵)۔ (۳۹۶)۔ (۳۹۷)۔ (۳۹۸)۔ (۳۹۹)۔ (۴۰۰)۔ (۴۰۱)۔ (۴۰۲)۔ (۴۰۳)۔ (۴۰۴)۔ (۴۰۵)۔ (۴۰۶)۔ (۴۰۷)۔ (۴۰۸)۔ (۴۰۹)۔ (۴۱۰)۔ (۴۱۱)۔ (۴۱۲)۔ (۴۱۳)۔ (۴۱۴)۔ (۴۱۵)۔ (۴۱۶)۔ (۴۱۷)۔ (۴۱۸)۔ (۴۱۹)۔ (۴۲۰)۔ (۴۲۱)۔ (۴۲۲)۔ (۴۲۳)۔ (۴۲۴)۔ (۴۲۵)۔ (۴۲۶)۔ (۴۲۷)۔ (۴۲۸)۔ (۴۲۹)۔ (۴۳۰)۔ (۴۳۱)۔ (۴۳۲)۔ (۴۳۳)۔ (۴۳۴)۔ (۴۳۵)۔ (۴۳۶)۔ (۴۳۷)۔ (۴۳۸)۔ (۴۳۹)۔ (۴۴۰)۔ (۴۴۱)۔ (۴۴۲)۔ (۴۴۳)۔ (۴۴۴)۔ (۴۴۵)۔ (۴۴۶)۔ (۴۴۷)۔ (۴۴۸)۔ (۴۴۹)۔ (۴۵۰)۔ (۴۵۱)۔ (۴۵۲)۔ (۴۵۳)۔ (۴۵۴)۔ (۴۵۵)۔ (۴۵۶)۔ (۴۵۷)۔ (۴۵۸)۔ (۴۵۹)۔ (۴۶۰)۔ (۴۶۱)۔ (۴۶۲)۔ (۴۶۳)۔ (۴۶۴)۔ (۴۶۵)۔ (۴۶۶)۔ (۴۶۷)۔ (۴۶۸)۔ (۴۶۹)۔ (۴۷۰)۔ (۴۷۱)۔ (۴۷۲)۔ (۴۷۳)۔ (۴۷۴)۔ (۴۷۵)۔ (۴۷۶)۔ (۴۷۷)۔ (۴۷۸)۔ (۴۷۹)۔ (۴۸۰)۔ (۴۸۱)۔ (۴۸۲)۔ (۴۸۳)۔ (۴۸۴)۔ (۴۸۵)۔ (۴۸۶)۔ (۴۸۷)۔ (۴۸۸)۔ (۴۸۹)۔ (۴۹۰)۔ (۴۹۱)۔ (۴۹۲)۔ (۴۹۳)۔ (۴۹۴)۔ (۴۹۵)۔ (۴۹۶)۔ (۴۹۷)۔ (۴۹۸)۔ (۴۹۹)۔ (۵۰۰)۔ (۵۰۱)۔ (۵۰۲)۔ (۵۰۳)۔ (۵۰۴)۔ (۵۰۵)۔ (۵۰۶)۔ (۵۰۷)۔ (۵۰۸)۔ (۵۰۹)۔ (۵۱۰)۔ (۵۱۱)۔ (۵۱۲)۔ (۵۱۳)۔ (۵۱۴)۔ (۵۱۵)۔ (۵۱۶)۔ (۵۱۷)۔ (۵۱۸)۔ (۵۱۹)۔ (۵۲۰)۔ (۵۲۱)۔ (۵۲۲)۔ (۵۲۳)۔ (۵۲۴)۔ (۵۲۵)۔ (۵۲۶)۔ (۵۲۷)۔ (۵۲۸)۔ (۵۲۹)۔ (۵۳۰)۔ (۵۳۱)۔ (۵۳۲)۔ (۵۳۳)۔ (۵۳۴)۔ (۵۳۵)۔ (۵۳۶)۔ (۵۳۷)۔ (۵۳۸)۔ (۵۳۹)۔ (۵۴۰)۔ (۵۴۱)۔ (۵۴۲)۔ (۵۴۳)۔ (۵۴۴)۔ (۵۴۵)۔ (۵۴۶)۔ (۵۴۷)۔ (۵۴۸)۔ (۵۴۹)۔ (۵۵۰)۔ (۵۵۱)۔ (۵۵۲)۔ (۵۵۳)۔ (۵۵۴)۔ (۵۵۵)۔ (۵۵۶)۔ (۵۵۷)۔ (۵۵۸)۔ (۵۵۹)۔ (۵۶۰)۔ (۵۶۱)۔ (۵۶۲)۔ (۵۶۳)۔ (۵۶۴)۔ (۵۶۵)۔ (۵۶۶)۔ (۵۶۷)۔ (۵۶۸)۔ (۵۶۹)۔ (۵۷۰)۔ (۵۷۱)۔ (۵۷۲)۔ (۵۷۳)۔ (۵۷۴)۔ (۵۷۵)۔ (۵۷۶)۔ (۵۷۷)۔ (۵۷۸)۔ (۵۷۹)۔ (۵۸۰)۔ (۵۸۱)۔ (۵۸۲)۔ (۵۸۳)۔ (۵۸۴)۔ (۵۸۵)۔ (۵۸۶)۔ (۵۸۷)۔ (۵۸۸)۔ (۵۸۹)۔ (۵۹۰)۔ (۵۹۱)۔ (۵۹۲)۔ (۵۹۳)۔ (۵۹۴)۔ (۵۹۵)۔ (۵۹۶)۔ (۵۹۷)۔ (۵۹۸)۔ (۵۹۹)۔ (۶۰۰)۔ (۶۰۱)۔ (۶۰۲)۔ (۶۰۳)۔ (۶۰۴)۔ (۶۰۵)۔ (۶۰۶)۔ (۶۰۷)۔ (۶۰۸)۔ (۶۰۹)۔ (۶۱۰)۔ (۶۱۱)۔ (۶۱۲)۔ (۶۱۳)۔ (۶۱۴)۔ (۶۱۵)۔ (۶۱۶)۔ (۶۱۷)۔ (۶۱۸)۔ (۶۱۹)۔ (۶۲۰)۔ (۶۲۱)۔ (۶۲۲)۔ (۶۲۳)۔ (۶۲۴)۔ (۶۲۵)۔ (۶۲۶)۔ (۶۲۷)۔ (۶۲۸)۔ (۶۲۹)۔ (۶۳۰)۔ (۶۳۱)۔ (۶۳۲)۔ (۶۳۳)۔ (۶۳۴)۔ (۶۳۵)۔ (۶۳۶)۔ (۶۳۷)۔ (۶۳۸)۔ (۶۳۹)۔ (۶۴۰)۔ (۶۴۱)۔ (۶۴۲)۔ (۶۴۳)۔ (۶۴۴)۔ (۶۴۵)۔ (۶۴۶)۔ (۶۴۷)۔ (۶۴۸)۔ (۶۴۹)۔ (۶۵۰)۔ (۶۵۱)۔ (۶۵۲)۔ (۶۵۳)۔ (۶۵۴)۔ (۶۵۵)۔ (۶۵۶)۔ (۶۵۷)۔ (۶۵۸)۔ (۶۵۹)۔ (۶۶۰)۔ (۶۶۱)۔ (۶۶۲)۔ (۶۶۳)۔ (۶۶۴)۔ (۶۶۵)۔ (۶۶۶)۔ (۶۶۷)۔ (۶۶۸)۔ (۶۶۹)۔ (۶۷۰)۔ (۶۷۱)۔ (۶۷۲)۔ (۶۷۳)۔ (۶۷۴)۔ (۶۷۵)۔ (۶۷۶)۔ (۶۷۷)۔ (۶۷۸)۔ (۶۷۹)۔ (۶۸۰)۔ (۶۸۱)۔ (۶۸۲)۔ (۶۸۳)۔ (۶۸۴)۔ (۶۸۵)۔ (۶۸۶)۔ (۶۸۷)۔ (۶۸۸)۔ (۶۸۹)۔ (۶۹۰)۔ (۶۹۱)۔ (۶۹۲)۔ (۶۹۳)۔ (۶۹۴)۔ (۶۹۵)۔ (۶۹۶)۔ (۶۹۷)۔ (۶۹۸)۔ (۶۹۹)۔ (۷۰۰)۔ (۷۰۱)۔ (۷۰۲)۔ (۷۰۳)۔ (۷۰۴)۔ (۷۰۵)۔ (۷۰۶)۔ (۷۰۷)۔ (۷۰۸)۔ (۷۰۹)۔ (۷۱۰)۔ (۷۱۱)۔ (۷۱۲)۔ (۷۱۳)۔ (۷۱۴)۔ (۷۱۵)۔ (۷۱۶)۔ (۷۱۷)۔ (۷۱۸)۔ (۷۱۹)۔ (۷۲۰)۔ (۷۲۱)۔ (۷۲۲)۔ (۷۲۳)۔ (۷۲۴)۔ (۷۲۵)۔ (۷۲۶)۔ (۷۲۷)۔ (۷۲۸)۔ (۷۲۹)۔ (۷۳۰)۔ (۷۳۱)۔ (۷۳۲)۔ (۷۳۳)۔ (۷۳۴)۔ (۷۳۵)۔ (۷۳۶)۔ (۷۳۷)۔ (۷۳۸)۔ (۷۳۹)۔ (۷۴۰)۔ (۷۴۱)۔ (۷۴۲)۔ (۷۴۳)۔ (۷۴۴)۔ (۷۴۵)۔ (۷۴۶)۔ (۷۴۷)۔ (۷۴۸)۔ (۷۴۹)۔ (۷۵۰)۔ (۷۵۱)۔ (۷۵۲)۔ (۷۵۳)۔ (۷۵۴)۔ (۷۵۵)۔ (۷۵۶)۔ (۷۵۷)۔ (۷۵۸)۔ (۷۵۹)۔ (۷۶۰)۔ (۷۶۱)۔ (۷۶۲)۔ (۷۶۳)۔ (۷۶۴)۔ (۷۶۵)۔ (۷۶۶)۔ (۷۶۷)۔ (۷۶۸)۔ (۷۶۹)۔ (۷۷۰)۔ (۷۷۱)۔ (۷۷۲)۔ (۷۷۳)۔ (۷۷۴)۔ (۷۷۵)۔ (۷۷۶)۔ (۷۷۷)۔ (۷۷۸)۔ (۷۷۹)۔ (۷۸۰)۔ (۷۸۱)۔ (۷۸۲)۔ (۷۸۳)۔ (۷۸۴)۔ (۷۸۵)۔ (۷۸۶)۔ (۷۸۷)۔ (۷۸۸)۔ (۷۸۹)۔ (۷۹۰)۔ (۷۹۱)۔ (۷۹۲)۔ (۷۹۳)۔ (۷۹۴)۔ (۷۹۵)۔ (۷۹۶)۔ (۷۹۷)۔ (۷۹۸)۔ (۷۹۹)۔ (۸۰۰)۔ (۸۰۱)۔ (۸۰۲)۔ (۸۰۳)۔ (۸۰۴)۔ (۸۰۵)۔ (۸۰۶)۔ (۸۰۷)۔ (۸۰۸)۔ (۸۰۹)۔ (۸۱۰)۔ (۸۱۱)۔ (۸۱۲)۔ (۸۱۳)۔ (۸۱۴)۔ (۸۱۵)۔ (۸۱۶)۔ (۸۱۷)۔ (۸۱۸)۔ (۸۱۹)۔ (۸۲۰)۔ (۸۲۱)۔ (۸۲۲)۔ (۸۲۳)۔ (۸۲۴)۔ (۸۲۵)۔ (۸۲۶)۔ (۸۲۷)۔ (۸۲۸)۔ (۸۲۹)۔ (۸۳۰)۔ (۸۳۱)۔ (۸۳۲)۔ (۸۳۳)۔ (۸۳۴)۔ (۸۳۵)۔ (۸۳۶)۔ (۸۳۷)۔ (۸۳۸)۔ (۸۳۹)۔ (۸۴۰)۔ (۸۴۱)۔ (۸۴۲)۔ (۸۴۳)۔ (۸۴۴)۔ (۸۴۵)۔ (۸۴۶)۔ (۸۴۷)۔ (۸۴۸)۔ (۸۴۹)۔ (۸۵۰)۔ (۸۵۱)۔ (۸۵۲)۔ (۸۵۳)۔ (۸۵۴)۔ (۸۵۵)۔ (۸۵۶)۔ (۸۵۷)۔ (۸۵۸)۔ (۸۵۹)۔ (۸۶۰)۔ (۸۶۱)۔ (۸۶۲)۔ (۸۶۳)۔ (۸۶۴)۔ (۸۶۵)۔ (۸۶۶)۔ (۸۶۷)۔ (۸۶۸)۔ (۸۶۹)۔ (۸۷۰)۔ (۸۷۱)۔ (۸۷۲)۔ (۸۷۳)۔ (۸۷۴)۔ (۸۷۵)۔ (۸۷۶)۔ (۸۷۷)۔ (۸۷۸)۔ (۸۷۹)۔ (۸۸۰)۔ (۸۸۱)۔ (۸۸۲)۔ (۸۸۳)۔ (۸۸۴)۔ (۸۸۵)۔ (۸۸۶)۔ (۸۸۷)۔ (۸۸۸)۔ (۸۸۹)۔ (۸۹۰)۔ (۸۹۱)۔ (۸۹۲)۔ (۸۹۳)۔ (۸۹۴)۔ (۸۹۵)۔ (۸۹۶)۔ (۸۹۷)۔ (۸۹۸)۔ (۸۹۹)۔ (۹۰۰)۔ (۹۰۱)۔ (۹۰۲)۔ (۹۰۳)۔ (۹۰۴)۔ (۹۰۵)۔ (۹۰۶)۔ (۹۰۷)۔ (۹۰۸)۔ (۹۰۹)۔ (۹۱۰)۔ (۹۱۱)۔ (۹۱۲)۔ (۹۱۳)۔ (۹۱۴)۔ (۹۱۵)۔ (۹۱۶)۔ (۹۱۷)۔ (۹۱۸)۔ (۹۱۹)۔ (۹۲۰)۔ (۹۲۱)۔ (۹۲۲)۔ (۹۲۳)۔ (۹۲۴)۔ (۹۲۵)۔ (۹۲۶)۔ (۹۲۷)۔ (۹۲۸)۔ (۹۲۹)۔ (۹۳۰)۔ (۹۳۱)۔ (۹۳۲)۔ (۹۳۳)۔ (۹۳۴)۔ (۹۳۵)۔ (۹۳۶)۔ (۹۳۷)۔ (۹۳۸)۔ (۹۳۹)۔ (۹۴۰)۔ (۹۴۱)۔ (۹۴۲)۔ (۹۴۳)۔ (۹۴۴)۔ (۹۴۵)۔ (۹۴۶)۔ (۹۴۷)۔ (۹۴۸)۔ (۹۴۹)۔ (۹۵۰)۔ (۹۵۱)۔ (۹۵۲)۔ (۹۵۳)۔ (۹۵۴)۔ (۹۵۵)۔ (۹۵۶)۔ (۹۵۷)۔ (۹۵۸)۔ (۹۵۹)۔ (۹۶۰)۔ (۹۶۱)۔ (۹۶۲)۔ (۹۶۳)۔ (۹۶۴)۔ (۹۶۵)۔ (۹۶۶)۔ (۹۶۷)۔ (۹۶۸)۔ (۹۶۹)۔ (۹۷۰)۔ (۹۷۱)۔ (۹۷۲)۔ (۹۷۳)۔ (۹۷۴)۔ (۹۷۵)۔ (۹۷۶)۔ (۹۷۷)۔ (۹۷۸)۔ (۹۷۹)۔ (۹۸۰)۔ (۹۸۱)۔ (۹۸۲)۔ (۹۸۳)۔ (۹۸۴)۔ (۹۸۵)۔ (۹۸۶)۔ (۹۸۷)۔ (۹۸۸)۔ (۹۸۹)۔ (۹۹۰)۔ (۹۹۱)۔ (۹۹۲)۔ (۹۹۳)۔ (۹۹۴)۔ (۹۹۵)۔ (۹۹۶)۔ (۹۹۷)۔ (۹۹۸)۔ (۹۹۹)۔ (۱۰۰۰)۔ (۱۰۰۱)۔ (۱۰۰۲)۔ (۱۰۰۳)۔ (۱۰۰۴)۔ (۱۰۰۵)۔ (۱۰۰۶)۔ (۱۰۰۷)۔ (۱۰۰۸)۔ (۱۰۰۹)۔ (۱۰۱۰)۔ (۱۰۱۱)۔ (۱۰۱۲)۔ (۱۰۱۳)۔ (۱۰۱۴)۔ (۱۰۱۵)۔ (۱۰۱۶)۔ (۱۰۱۷)۔ (۱۰۱۸)۔ (۱۰۱۹)۔ (۱۰۲۰)۔ (۱۰۲۱)۔ (۱۰۲۲)۔ (۱۰۲۳)۔ (۱۰۲۴)۔ (۱۰۲۵)۔ (۱۰۲۶)۔ (۱۰۲۷)۔ (۱۰۲۸)۔ (۱۰۲۹)۔ (۱۰۳۰)۔ (۱۰۳۱)۔ (۱۰۳۲)۔ (۱۰۳۳)۔ (۱۰۳۴)۔ (۱۰۳۵)۔ (۱۰۳۶)۔ (۱۰۳۷)۔ (۱۰۳۸)۔ (۱۰۳۹)۔ (۱۰۴۰)۔ (۱۰۴۱)۔ (۱۰۴۲)۔ (۱۰۴۳)۔ (۱۰۴۴)۔ (۱۰۴۵)۔ (۱۰۴۶)۔ (۱۰۴۷)۔ (۱۰۴۸)۔ (۱۰۴۹)۔ (۱۰۵۰)۔ (۱۰۵۱)۔ (۱۰۵۲)۔ (۱۰۵۳)۔ (۱۰۵۴)۔ (۱۰۵۵)۔ (۱۰۵۶)۔ (۱۰۵۷)۔ (۱۰۵۸)۔ (۱۰۵۹)۔ (۱۰۶۰)۔ (۱۰۶۱)۔ (۱۰۶۲)۔ (۱۰۶۳)۔ (۱۰۶۴)۔ (۱۰۶۵)۔ (۱۰۶۶)۔ (۱۰۶۷)۔ (۱۰۶۸)۔ (۱۰۶۹)۔ (۱۰۷۰)۔ (۱۰۷۱)۔ (۱۰۷۲)۔ (۱۰۷۳)۔ (۱۰۷۴)۔ (۱۰۷۵)۔ (۱۰۷۶)۔ (۱۰۷۷)۔ (۱۰۷۸)۔ (۱۰۷۹)۔ (۱۰۸۰)۔ (۱۰۸۱)۔ (۱۰۸۲)۔ (۱۰۸۳)۔ (۱۰۸۴)۔ (۱۰۸۵)۔ (۱۰۸۶)۔ (۱۰۸۷)۔ (۱۰۸۸)۔ (۱۰۸۹)۔ (۱۰۹۰)۔ (۱۰۹۱)۔ (۱۰۹۲)۔ (۱۰۹۳)۔ (۱۰۹۴)۔ (۱۰۹۵)۔ (۱۰۹۶)۔ (۱۰۹۷)۔ (۱۰۹۸)۔ (۱۰۹۹)۔ (۱۱۰۰)۔ (۱۱۰۱)۔ (۱۱۰۲)۔ (۱۱۰۳)۔ (۱۱۰۴)۔ (۱۱۰۵)۔ (۱۱۰۶)۔ (۱۱۰۷)۔ (۱۱۰۸)۔ (۱۱۰۹)۔ (۱۱۱۰)۔ (۱۱۱۱)۔ (۱۱۱۲)۔ (۱۱۱۳)۔ (۱۱۱۴)۔ (۱۱۱۵)۔ (۱۱۱۶)۔ (۱۱۱۷)۔ (۱۱۱۸)۔ (۱۱۱۹)۔ (۱۱۲۰)۔ (۱۱۲۱)۔ (۱۱۲۲)۔ (۱۱۲۳)۔ (۱۱۲۴)۔ (۱۱۲۵)۔ (۱۱۲۶)۔ (۱۱۲۷)۔ (۱۱۲۸)۔ (۱۱۲۹)۔ (۱۱۳۰)۔ (۱۱۳۱)۔ (۱۱۳۲)۔ (۱۱۳۳)۔ (۱۱۳۴)۔ (۱۱۳۵)۔ (۱۱۳۶)۔ (۱۱۳۷)۔ (۱۱۳۸)۔ (۱۱۳۹)۔ (۱۱۴۰)۔ (۱۱۴۱)۔ (۱۱۴۲)۔ (۱۱۴۳)۔ (۱۱۴۴)۔ (۱۱۴۵)۔ (۱۱۴۶)۔ (۱۱۴۷)۔ (۱۱۴۸)۔ (۱۱۴۹)۔ (۱۱۵۰)۔ (۱۱۵۱)۔ (۱۱۵۲)۔ (۱۱۵۳)۔ (۱۱۵۴)۔ (۱۱۵۵)۔ (۱۱۵۶)۔ (۱۱۵۷)۔ (۱۱۵۸)۔ (۱۱۵۹)۔ (۱۱۶۰)۔ (۱۱۶۱)۔ (۱۱۶۲)۔ (۱۱۶۳)۔ (۱۱۶۴)۔ (۱۱۶۵)۔ (۱۱۶۶)۔ (۱۱۶۷)۔ (۱۱۶۸)۔ (۱۱۶۹)۔ (۱۱۷۰)۔ (۱۱۷۱)۔ (۱۱۷۲)۔ (۱۱۷۳)۔ (۱۱۷۴)۔ (۱۱۷۵)۔ (۱۱۷۶)۔ (۱۱۷۷)۔ (۱۱۷۸)۔ (۱۱۷۹)۔ (۱۱۸۰)۔ (۱۱۸۱)۔ (۱۱۸۲)۔ (۱۱۸۳)۔ (۱۱۸۴)۔ (۱۱۸۵)۔ (۱۱۸۶)۔ (۱۱۸۷)۔ (۱۱۸۸)۔ (۱۱۸۹)۔ (۱۱۹۰)۔ (۱۱۹۱)۔ (۱۱۹۲)۔ (۱۱۹۳)۔ (۱۱۹۴)۔ (۱۱۹۵)۔ (۱۱۹۶)۔ (۱۱۹۷)۔ (۱۱۹۸)۔ (۱۱۹۹)۔ (۱۲۰۰)۔ (۱۲۰۱)۔ (۱۲۰۲)۔ (۱۲۰۳)۔ (۱۲۰۴)۔ (۱۲۰۵)۔ (۱۲۰۶)۔ (۱۲۰۷)۔ (۱۲۰۸)۔ (۱۲۰۹)۔ (۱۲۱۰)۔ (۱۲۱۱)۔ (۱۲۱۲)۔ (۱۲۱۳)۔ (۱۲۱۴)۔ (۱۲۱۵)۔ (۱۲۱۶)۔ (۱۲۱۷)۔ (۱۲۱۸)۔ (۱۲۱۹)۔ (۱۲۲۰)۔ (۱۲۲۱)۔ (۱۲۲۲)۔ (۱۲۲۳)۔ (۱۲۲۴)۔ (۱۲۲۵)۔ (۱۲۲۶)۔ (۱۲۲۷)۔ (۱۲۲۸)۔ (۱۲۲۹)۔ (۱۲۳۰)۔ (۱۲۳۱)۔ (۱۲۳۲)۔ (۱۲۳۳)۔ (۱۲۳۴)۔ (۱۲۳۵)۔ (۱۲۳۶)۔ (۱۲۳۷)۔ (۱۲۳۸)۔ (۱۲۳۹)۔ (۱۲۴۰)۔ (۱۲۴۱)۔ (۱۲۴۲)۔ (۱۲۴۳)۔ (۱۲۴۴)۔ (۱۲۴۵)۔ (۱۲۴

ذو القرنين

ابراہیم کا وہ خدا ترس بادشاہ جس نے یہودیوں کو بے باہلی کی اسمری سے
 رہائی دلا کر یروشلم میں دوبارہ آباد کرایا تھا۔ قرآن کریم نے (سورہ انف میں ا
 اس کا نام بھی ذکر کیا ہے (۱۰۸: ۱۸) انھیں کے لئے دیکھئے عنوان ۷۔ ۲۔ ۱)۔

ذو و د

کے نوڈ۔ ہانکنا۔ دفع کرنا۔ چھڑک کر نکال دینا۔ اُٹھینا۔ وہ
جگہ جہاں جانوروں کو چارہ نہ ملتا ہے۔ ہل کے سنک جس سے وہ اپنی
مدد لیتا ہے، یعنی جس سے وہ دوسروں کو سنا کر دور رکھتا ہے *۔ ابن
نصر نے کہا ہے کہ ہانکنا کی معنی میں کسی چیز کو دوسری چیز
سے الگ اور یک سو کر دینا۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضور موسیٰؑ مدین پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک ہمارا (گھٹا) پر دوسرے لوگوں کے جانور (۔۔۔ میں آکر) بنی بستے چلے جاتے ہیں لیکن دو بڑے انسان جو اپنے جانوروں کو روکے (نہایتی میں نیناؤ و دَن دَن) کہ وہ کہیں آگے بڑھ کر مانی تک نہ پہنچ جائیں۔ اس واقعے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کی طرف ہڑشنا دیا اور ان کا چرواہا انہیں روکے جانے سے روکے۔ اس واقعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔ حضور موسیٰؑ کو اس پر تعجب ہوا کہ وہ لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی کی طرف آنے سے روک کر رہیں ہیں۔ انہوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ انسانی حیاتی بھڑکے (انہوں نے)۔

پھر اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہ ملے گا جب تک یہ (جانور چرواہے) اپنے اپنے جانوروں کو اچھی طرح پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی وجہ بھی بتائی کہ وہ آب و ہوا کے کیمیائی اجزاء (انہوں نے) ان کی وجہ سے کمزور ہیں اور ہمارا بہت بہتر ہے۔ اس لیے ہم کب جرات کر سکتی ہیں کہ ہمارے جانور پہلے پانی پی لیں۔

غفور نیچٹھے۔ قیصر آئی کسریم نے ایک لہستانی کے دو تکڑوں میں
 نوع انسانی کی ہری کی مری دانہ ن کس حسن و خوبی سے بہانہ کر کے رکھی سی
 ہے۔ خدا میں یہی شوق پیدا آیا ہے اور یہی ہو رہا ہے کہ طاعتوں کا جانور
 ہے تو سنا ہے اور اس سے اگر کچھ بچ جائے تو غریب کے جانور کی پاری

* تاج - محیط - راغب -

آتی ہے۔ اس میں استثناء ہے تو انہی کی جو آسمانی انتساب کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے جانوروں کو انکی پوری پوری بنائی دلائے کہ انتظام کریں۔ جنہاں جہ حضرت موسیٰؑ نے۔ فَاسْتَسِي لَهَا (۱۸۴) (بلا مزد و معوضہ) ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پیغمبر یہی کچھ کرنے کے لئے آئے تھے۔ اور ان کا کام ہوا نظام دنیا میں یہی کچھ کریگا۔ یعنی رزق کے جن سرچشموں پر ارباب اقتدار اپنے قبضہ جمائے ہوں انہیں نوع انسانی کے مفاد عامہ کے لئے آزاد کرا دینا تاکہ ہر فرزند آدم کی ضروریات یکساں طور پر پوری ہوتی رہیں۔

ذوق

ذائقہ۔ چکھنا۔ مزہ معبود کرنا*۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ دراصل پہوڑی سی چیز کھانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو کھانا کر اسکی اندرونی حالت کو معبود کرنا ہیں۔ یہ اس کے ادبی معنی ہیں۔ نیز اسکا اطلاق ہر تجربہ پر ہونے لگا**۔ یعنی کسی چیز کا تجربہ ہو جانا۔ فَلَمَّا ذَاقُوا الشَّجَرَةَ (۱۸۴)۔ جب انہیں ”شجرہ“ کا تجربہ ہوا۔ ذائقہ۔ چکھنے والا۔ جو تجربہ حاصل کرے (۱۸۴)۔ (مؤنب ذائقہ)۔ اذائقہ۔ مزہ چکھنا۔ تجربہ حاصل کرنا (۱۸۴)۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ بالعموم عذاب کے ساتھ آیا ہے (گرچہ بعض مقامات پر رَحْمَةً کے ساتھ بھی آیا ہے)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج کو اس طرح محسوس کرے گویا اس نے ان کا مزہ چکھ لیا ہے۔ اسے اسکا عملی تجربہ ہو جائے کہ فلاں کام کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

ذی ع

ذائع۔ پھیل جانا۔ فاسد ہو جانا۔ عام ہو جانا۔ اذائع۔ سیرتہ۔ اسنے اس کے رزق کو افساد کر دیا۔ فاسد ہو جانا۔ اور لوگوں میں مشہور کر دیا۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی لوگوں میں پکار کر کہہ دینا اور اعلان کر دینا ہیں***۔ (۱۸۴) میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے جہاں کہا ہے کہ وَ اِذَا جَاءَ هُمُ الْمُرْمِیْنَ اُولَٰئِكَ خَشَوْا اِذَا عُوا اَیہ۔ ”جب ان تک کوئی امن یا خوف کی بات پہنچتی ہے تو یہ اسے خوب پھیلاتے اور اڑاتے ہیں“۔

ر

رَأْسُ

رَأْسٌ - (جمع رُءُوسٌ) سر - ہر چیز کا اعلیٰ حصہ - سردار قوم - ابن آدم کے لئے کہہ دے کہ اس کے منادی معنی اکٹھا کرنے اور بند کرنے کے ہیں - رُئُوسٌ - سردار قوم - رَأْسٌ - اصل - أَلْفُ رُئُوسٍ - وادی - حاکم - رُءُوسٌ - رعیت -

قرآن کریم میں مناسک کی حج کے ضمن میں ہے - وَلَا تَحْمِلُوا رُءُوسَكُمْ - (آ۱۱) - ہنرے سروں - نہ نہ منداؤں - دیکھئے (عنوان ح - ل - ق) - اصلی سر - یہ کہ رُءُوسٌ اَلْفُ رُئُوسٍ ہے - (آ۱۱) - یعنی ”سرِ مایہ“ (تفصیل ر - ب - و کے عنوان میں دیکھئے) -

رَأْف

رَأْفٌ - رحمت اور رُفُوفٌ سے معنی اللہ تعالیٰ - صاحبِ محبت کے لئے کہہ دے کہ رَأْفٌ وہ ہے کہ نہ یہ ان امور کو دفع کر دے جائے جو غور رسا ہوں اور رُفُوفٌ وہ ہے کہ تمہیں ایسے امور پہنچائے جائیں جو رحمت رسا ہوں - اُنکی قیادت میں صاحبِ اختیار نے کی ہے جس میں نہ کہہ دے کہ رَأْفٌ نہ چھ دفع بلا ہے اور رُفُوفٌ سے مراد مرنے والوں کے زیادہ سے زیادہ کثرت ہے - لہذا رُءُوفٌ اور رُحِيمٌ میں (Rahim) اور رُفُوفٌ (Rahim) دونوں پہنچوں کو ملتا ہو جائے گا - ان اسباب و عناصر کے دفع - صرف جو کسی کی نشو و نما کے رستہ میں حائل ہوں اور اس کے ساتھ ہی اس کے زوال و ممان کا بہرہ پہنچانے جس سے اسکی نشو و نما ہوتی جائے -

خدا کی رَحْمَت و رَحْمَت کس طرح مہنی ہے، اس کے متعلق سورۃ
نور میں فرمایا: **لَا يَسْتَوِي السَّمْعُ وَالْبَصَرُ**۔ نہ سناؤ نہ دیکھتا
ہو (یعنی سناؤ اور دیکھنا ایک جہاں نہیں ہے)۔ یہ کہ وہ کسی کے ایمان
کو دیکھتا ہے، چھوڑ دے اور وہ بلا نتیجہ رہ جائے۔ وہ سناؤ و دیکھنا
وَحْدًا ہے۔ یعنی وہ سناؤ و دیکھنا ایک جہاں ہے۔ ایمان کے نتیجہ میں
یہ راہ میں جہاد و رُخسہ سے راستہ سے ہٹا دے اور ایمان کے مثبت نتائج
میں نہ رہے۔ جہاد کی رَحْمَت و رَحْمَت، ایمان کے نتیجہ میں ہی
ہے۔ یہی سبب کی رَحْمَت و رُخسہ ہے۔ ایمان کے معنی میں
فائز خدا و تعالیٰ کی صفات پر یقین و اعتماد رکھنا اور اس کی اطاعت کو اسی
زندگی کا نصب العین بنانا۔

[illegible]

رای

روزِ مَدَنی - کسی مری حیرت کا دھراک اثر لہذا یہ وہ نمونہ کتابوں سے دیکھ گئے
یا عین وہ سب سے معمور ہوئے۔ خوب کتابوں میں دیکھیں اور سہرا کرنے
سب کے لئے۔ یہ عرق لئے نہایت اچھے جب اس کے ساتھ صرف ایک
مذہب کے لئے اس کے بعض نمونے سے دیکھیں۔ عرق نہیں اور جب دوسرا مفعول

[illegible]

رَبِّ

وہ ایک کے معنی نشو و نما دینا ہے۔۔۔ یعنی کسی چیز کو نئی نئی تہہ پہنوں سے۔۔۔ یعنی نئے نئے ہتھیار، نشو و نما ہوتا ہوا ہتھیار اس کی تکمیل تک پہنچانے کے لئے۔۔۔ جس طرح فطرت، تیارہ، سماں، نور مہدی، کے لئے نئی نئی تہہ پہنوں

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

سے گزرتی اور زمانہ رفتہ اسکی نشوونما کئے جاتی ہے۔ یہ طریق نشوونما ربوبیت کے حالات ہے۔ کہتے ہیں رَبَّكَ وَكَذَلِكَ رَبَّنَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ يَخِذْهُ رَبُّنَا يُغْنِ عَنْهُ رَبُّنَا وَإِنَّكَ تَبْتِلُ الْحَسَنَاتِ۔ حضرت حسنان بن ثابتؓ کا شعر ہے۔

مِنْ ذُرِّيَّةٍ مِّنْكُمْ مَّبْعُوثَةٌ فِيهِ
مَعَهُ تَرْبَاتُكَ حَتَّىٰ يَمُوتَ الشَّجَرُ

یعنی 'مذوح' اس وقت اور مفید مرقی سے (جس نے خود مصورت ہے) جس نے سناہر
کی گہرائیوں میں سرورس نہائی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے پسندی معنی
ہیں (۱) اسی چیز کی دیکھ بھل کرنا اور اسے سنوارنا۔ اسی سے لڑتے۔ مالک
خالدی، اسی چیز کی نکاری اور اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں (۲) اسی چیز
جمع رہنا اور ایک جگہ قیام رہنا۔ چنانچہ کہتے ہیں 'ارَبَتْ السَّيَّابَةُ'
بیہوش رہا۔ دلی برابر اس شہر پر ٹپھری یا برستی رہی۔ اور (۳) کسی
شے کو دھوری شے کے مساوات ملا نہنا۔ اہلنا نسیم کے ساتھ نہنہ نہنا
جیسے جانا اور درجہ کرنے وشنا وعبت ہے۔ وحرزا۔ کہو نہ ایک درجہ
کے لئے رُبَّت السَّيْرَةُ صَبِيحَتُهُ کہتے ہیں۔ کہو نہ نہنا اور کہو نہ
کا وقتہ بچہ کی نشوونما سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔

کسی معصوم کی اصلاح اور درسگی اور اسکیسے امتحان کے لئے بنی
و کب سرفراز کیا جاتا ہے۔ اور کسی حیرت انگیز جمع کرنے اور بڑھانے
چمے جانے لگتی ہے۔ جنہاں بعد و رہا سہہ میں تیرہ کو لکھنے میں جس قدر نصرت
سے نروں کو اس کا رکھنا جائے۔ اور وہ اس کے معنی میں اس سے
تیل کی اصلاح کر کے اسے خوشبودار بنایا۔**۔

چونکہ نشر و نفاذ کا لازمی نتیجہ نمکسانی اور سدابی ہے اس لیے برقی شدت
اُن سردوں کو پہنچے ہیں جو گرمیوں میں سے مرید بنائے نہیں بلکہ ان کی
سرمبیزی و تیزی اور گرمی دونوں میں یکساں روشنی ہے۔ اور
آسمان پر اُس زمین سے نہیں جہاں درخت اور پودے، سب کے پھول
اور جہاں ہمیشہ سرمبیزی و سدابی ہے۔ اسی طرح برقی شدت کے معنی میں
بہت سے نئے درخت، بہت بڑی جمادات، جو دس ہزار سال سے لگ بھگ
(شو)۔ یا صد سال کی عمر و فراوانی۔ ان کے پتوں کے آگے جو
کو زربشی۔ کہا جاتا ہے۔ یہ زربشی کی طرف مسطور شوق ہے۔ یہی جمادات

رَبِّهِمْ شَوْفَاقٌ آتِيَةٌ - (دیکھئے ۱۳۰) - اَشْرَبَ بِهِنَّ - تہ ہر تہ بادل کے
 ٹکڑے کو لپھتے ہیں - اور اَشْرَبَ بِهِنَّ - شیریں ہانی جو کثرت سے ایک جگہ
 جمع ہو گیا ہو - اَشْرَبَ بِهِنَّ کے معنی ہمہ - و مستانی اور نمکت کے بھی
 ہیں - *** - شونکہ اس سے ایک قیرہ دو، ری قیرہ کے ساتھ مل جاتی ہے - (ابن
 فارس) - اَشْرَبَ بِهِنَّ - ہوی کی لڑکی (جب اس کے ہمراہ خاوند سے ہوا) - نسو وہ
 بکری جسے - میں نہ نہر جانا جائے تاکہ گھریو چارہ پر غور و شکی جائے تاکہ
 جس وقت ضرورت ہو اسکا دودھ دہ لیا جاسکے - ** -

مندرجہ بالا تصریحات کے پیش نظر رَبَّ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی شروعت دینے والا۔ سایہ تکمیل تک پہنچانے والا۔ انتظام کرنے والا۔ اصلاح کرنے والا۔ اسمی قیوم کے مفسر اور مستقیم سردار کو رَبُّ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے۔ اور گھر کے مالک کو رَبُّ الْبَيْتِ **۔ رَبُّ الْقَوْمِ کے معنی ہیں اس کے قیوم کی سیاست کو اپنے حق میں لے لیا اور ان پر سیادت کی **

بڑے بھائی کو بھی رُک کر کہتا ہے۔ *۔ اس اعتبار سے جہاں
 بھی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ (فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
 فَتَمَيِّزْ) ... یہاں۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تو اور میرا بڑا بیٹا (ہارونؑ)
 دونوں جاؤ اور دشمن سے جنگ کرو۔ یہ بھی ضرور ممکن ہے کہ انہوں نے
 حضرت موسیٰؑ سے تمنا نہ کی ہو کہ تو اور میرا رب دونوں جانا کس دشمن سے
 جنگ کرو۔ شریانی۔ جس کی نسبت رب کی طرف ہو۔ یہ وہ معجم جو لوگوں
 کو بڑے بڑے علماء سے پہلے جنہوں نے قوم کی غما دیکر اتنی ذہنی
 تسویر کر کے۔ درحقیقت سب کو بھی رہتی تھی۔ کہا جاتا ہے۔ اور واضح
 فی العلم آئے ہیں۔ *۔ یہی معنوں میں رہتی تھی استعمال ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی ہر آیت پر ربنا ربنا وربنا ربنا (۱) سے
 شروع ہے۔ یعنی کائنات کا سرچشمہ خدا کی قدرت و عظمیٰ کا شکر حمد
 و ستائش ہے۔ کائنات میں ہر شے اپنے منہ سے کہہ رہی ہے کہ یہ ہیں ایک
 منہ انسان، ہر گرام کار، ہر شے جس میں ایک ادنیٰ سا بیج اسی تسو و نما
 کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے منہ سے کہیں تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی
 شروع کا نام ربوبیت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی لئے قیام و ستائش
 ہے کہ وہ ہر شے کو ربوبیت عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جس طرح

خدا کا یہ نظام ربوبیت خارجی کائنات میں از خود کار فرما ہے اسی طرح انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی داخلی اور معشری دنیا میں اسی نظام ربوبیت کو نافذ کریں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ رزق کے تمام سرچشمے تمام افراد کی ضرورت کے لئے تمام خرچہ اس اور ہر فرد اسی اپنی استعداد اور صلاحیت کے دوسرے افراد کی نشرو نما کے لئے وقف کر دے۔ اس طرح تمام نوع انسانی کی مضر صلاحیتیں نسو و نما پتی حق اپنے نقطہ تکمیل تک پہنچ جائیگی۔ جو اس کے لئے اس نظام کو قائم کر دیں گے وہ رب ربوون کہلائیں گے (۱)۔ اور اس نظام کا تمام قرآن حکریم کی تعلیم کو تمام ذریعے اور اس پر عمل درآئیں گے سے ہونا۔ یہی قرآن حکریم کی ساری تعلیم کا مقصود و منتہی ہے۔ یعنی دنیا میں تمام ربوبیت کا نام۔ اسی کے لئے وہ معشرہ وجود میں آتا ہے جسے اسلامی نامکف نامہ جاتا ہے۔ قرآن حکریم کی رو سے ممکن مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ وہ ذریعہ ہوتا ہے افراد انسانہ کی ربوب کا۔ چونکہ ربوبیت میں انسانی کی طبعی (جسمانی) زبانی کی ترہ رس بھی شامل ہوتی ہے اور اس کی نشو و نما بھی، اس لئے اسلامی ممکنات کا فرقہ یہ ہے کہ وہ تمام افراد کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچائے اور اسے وسائل و ذرائع، ہر ایک کے لئے یکساں طور پر، مہیا کرے جن سے ان کی ذب کی صلاحیتوں کی نشرو نما شروع ہے۔ جب انسانی ذات کی اس طرح نشو و نما ہو جائے تو موت سے بھی اس کا بچہ نہیں پڑتا۔ وہ زبانی کی مراد اور انسانی طبعی ذریعے کے بعد آئے بڑے جاتی ہے۔ اسے حیات آخرت کہتے ہیں۔ خدا کی ربوبیت کا سلسلہ و عمل بھی جاری رہتا ہے۔

”ربوبیت عالمی“۔ پس یہ ہے اسلامی معشرہ کا مقصود و منتہی۔ یعنی تمام نوع انسانی کی ربوبیت بالذات نفس و رنگ اور ہر مہیا خون و وطن۔ جب تک خدا کی یہ صفت، فردانہ اور ان کے مجموعہ معشرہ میں منعکس نہیں ہوتی، ان کی زبانی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ یہ قرآن حکریم کی ہمہ گیر اور اس کی تعلیم کا نقطہ آغاز ہے۔ جس کے ذریعہ صفت خداوندی منعکس ہوتی ہے، وہ پوری پوری محبت سے تمام ہے اور اسے ضروریات سے زائد سب کچھ، دوسروں کی نشو و نما کے لئے شہادت ہے۔ اس لئے اس معشرہ میں، نہ خداوندی کثرتی کے تصور سے نہ خداوندی کثرتی کا تصور ہے، نہ دولت کثرتی کے تصور کا خیال۔ نہ رزق کے سرچشموں پر انفرادی ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ دوسروں کی محبت کے اندر غلبہ کا خیال۔ قرآن حکریم کا مقصود اسی سلسلہ کے معشرہ کی ممکنات اور قیام ہے

اور یہی معاشیہ ہے جو دنیا میں جسوس مسریفی ہوتا ہے۔
 ۱۵ خدا کا تہوین کردہ تمام کسب و کار اور کام و معاشیہ ہے۔ یہ غمی تنسیر
 ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کی۔

رَب (حرف)

رَبّ - رَبّ - رَبّ - رَبّ - یہ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن
 میں ہم اپنے مال "شیر و پسر" کو بولتے ہیں۔ "شیر ایسا ہوتا ہے۔"
 "عام طور پر ہم کہتے ہیں۔" "میں یہ شیری ہے۔" وغیرہ۔ نیز یہ کہ
 اور بہت لوگوں کو بولتے ہیں۔ "میں یہ شیری ہے۔" جسے ہم کہتے ہیں،
 وہ بہت برا جانتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے لکھی ہیں بار ٹونسی کی۔ وغیرہ۔
 رَبّ - رَبّ - رَبّ - رَبّ - یہ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم اپنے مال
 والے بہت برا جانتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے لکھی ہیں بار ٹونسی کی۔ وغیرہ۔
 کی اس لیے کہ وہ بہت برا جانتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے لکھی ہیں بار ٹونسی کی۔
 حسرت میں رہیں گے۔ نہ وہ بھی مسلمان ہوتے۔ اس کے برعکس یہ حرف کن
 معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں "بہت ہی کم"۔
 قرآن کریم میں یہاں و سباق سے اس کا فہم نہ جا سکتا ہے کہ یہ حرف
 کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

رَب ح

رَبّ ح - تجارت میں کمزوری کے لیے اسے جو نفع حاصل ہوتا ہے اسے
 رَبّ ح کہتے ہیں۔ کن فہم اس لیے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی تجارت میں
 زیادتی، اضافہ اور کمائی بناتے ہیں۔ رَبّ ح - رَبّ ح - تجارت میں اضافہ
 ، تو ہی کہہ سکتے ہیں۔ "رَبّ ح - رَبّ ح - اس وقت کہ جب کوئی
 شخص صبح کے وقت بھی کوئی کام کرے اور دوسرے کے وقت بھی۔
 یہ کن رَبّ ح کے معنی ہیں کہ وہ حیران رہ جائے۔"
 قرآن کریم میں یہاں ہے رَبّ ح - رَبّ ح - رَبّ ح - ان کی
 تجارت نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔

رَب ص

رَبّ ص - انتظار کرنا۔ کسی پر خیر و شرف کے ہونے کا انتظار کرنا۔
 یہ بہت وغیرہ کے ساتھ یہ معنی ہوتا ہے انتظار کرنا۔ کسی بہت کے واقع
 ہونے یا زائل ہونے کا انتظار کرنا۔

*راغب - **تاج - ***تاج و محیط -

سورۃ بقرہ میں یہ نذر ایذا کے سلسلہ میں انتظار دینے کا ہے۔
 لَئِنْ يُّرْسِلُواكَ فِي الْبَيْتِ عَرَّيْضًا مِّنْهُنَّ اَوْ سَمِعَتْ عَلَيْكُمُ الْغَوْثَ... (۲۴)
 "جو لوگ اپنی سریتوں کے پاس نہ جانے کی مسجد نہ انیس دن کے لئے چار ماہ
 کی مدت تک تیار رہے،۔۔۔ جس وقت عورتیں گھر اس حالت میں غیر معین حرمہ
 تک نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔ انہیں چار ماہ کے لئے قطع فیصلہ کرنے پر مجبور کیا گیا
 انہیں طرح میں روکنا ہے یا آواز نہ کر دینا ہے۔۔۔ مستحکم رہنے سے۔۔۔ انتظار کرنے
 والا (۱۳)۔"

ر ب ط

رَبَّنَا - اے ہمارے خدا - اِنَّا نُرِيكَ - وہ - جو جس سے کسی چیز کا
بندھا جائے - اِنَّا نُرِيكَ - تعنی - بندھوں - ان فوس سے اس مادے کے بنیادی
معنی پہنچائی سے ہمارے خدا اور جہے رحمت کے ہیں - اِنَّا نُرِيكَ - کسی کلمہ کی
مسمیٰ کرتے رہنا - دھن کی طرح سول سر مسمیٰ - اِنَّا نُرِيكَ - وہ - ربَّنَا
اِنَّا نُرِيكَ - سرحد رحمت کے لئے فوج کے لئے ہمارے - (ب) -

سورہ آل عمران میں ہے اَلصَّبِرُ وَاَوْصِيَا وَاَكْبِرُوا
اس میں رَاكِبُوْا کے معنی اس جہاز میں سوار ہو جاؤ اور ایک
دوسرے سے جزا دو، یہ مسلمانوں کے لئے سورہ آل عمران میں ہے۔

وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ إِذَا أُتُوا بِالْحَبَرِ مِنْ رَبِّكَ قَالُوا هَذَا مِنْ عِنْدِ رَبِّي وَمَا أُخْبِرُ بِهِ إِلَّا بِالْحَقِّ أَتُحَدِّثُونَ -

ب. س.

[illegible]

کے ردی نہ لا تَمُوتُنَّ تَسْتَكْفِرُونَ۔ کسی پر اس مقصد کے لئے احسان نہ کر نہ تجھے اُس سے زندہ واپس ملے۔ اس نفاذ کی قیود بنیاد ہی استکفیر زکوٰۃ پر ہے۔ یعنی دوسروں کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانا۔ اس لئے (۳۹) میں ربِّا کے مقابلہ میں زکوٰۃ آیا ہے۔

قرآن کریم نے اتر ہو کر یہ ہم کو حرام قرار دیا ہے کہ وَآَحِیْنَہُ اِنَّہُ السَّبِیْعُ وَحَرَّمَ اَلتَّرَبُّو (۴۰)۔ خدا نے بیع اور حلال نہ فرمایا ہے اور رسول کو حرام ہے۔ سوال یہ ہے کہ رسول کو کسے کہتے ہیں؟ اس مقام پر قرآن کریم رسول کو بیع کے معنی میں لایا ہے جس کا مطلب ہے کہ نہ رسول، بیع کی ضد ہے۔ بیع لایا ہے، اس کی تفسیر، عنوان، ب۔ ی۔ ی۔ بیع امین کی حد تک ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجئے۔

جو کچھ ہم کسی دوسرے سے لیتے ہیں، اسکی مختلف طرحیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً۔ عیہ۔ اجرت۔ سود (عام معنوں میں)۔ منافع (اجرت میں)۔ جوئے کی جیت۔ اب دیکھئے کہ ان میں فرق کیا ہوتا ہے۔

(۱) عیہ۔ اس میں نہ محنت کرنی پڑتی ہے، نہ سرمایہ خرچ کرنا ہے۔ دینے والا اسے کچھ واپس لینے کے خیال کے بغیر، تحفہ دیتا ہے۔ نہ را اسے لین دین کی مد میں نہیں لایا جاتا۔ اسلئے یہ مکمل عیہ رہے زبیر سر موضوع سے خارج ہے۔

(۲) اجرت۔ یہ محنت (تعب و کد) کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس میں سرمایہ (Capital) کچھ نہیں لگایا جاتا۔

(۳) سود۔ اس میں دوسرے سرمایہ (Capital) دیا جاتا ہے اور اس سرمایہ پر، اصل سے کچھ زائد وصول کیا جاتا ہے۔ اس میں محنت کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔

(۴) منافع (تجارت میں)۔ اس میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔

(۵) قمار۔ اس میں نہ سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ نہ محنت کی حق ہے۔

قرآن کریم نے اصول یہ بیان کیا ہے کہ اِنَّہُ السَّبِیْعُ اِنَّہُ السَّبِیْعُ (۴۰)۔ انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ محنت کرتے ہیں۔ یعنی وہ صرف محنت کا معاوضہ جائز قرار دیتا ہے۔ سرمایہ (Capital) استعمال کرنے کا معاوضہ جائز نہیں قرار دیتا۔ چونکہ یہ اصول لوگوں کی نگاہوں کے سامنے

نہیں تھا اس لئے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہہ بیع کے منافع اور ربو میں فرق کیا ہے؟ ایک شخص سو روپے کی چیز خرید کر ایک سو دس روپے میں بیچ دیتا ہے۔ اسے دس روپے اصل سے زائد ملتے ہیں۔ دوسرا شخص کسی کو سو روپے قرض دے کر اس سے ایک سو دس روپے وصول کرتا ہے۔ اس میں بھی اسے دس روپے اصل سے زائد ملتے ہیں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ جب یہ دونوں، اصل پر زائد ہیں، تو ان میں فرق کیا ہے؟ ذالیک بِكَتِّهِمْ قَسَاوُ رِيْمَاتِ الْجَمْعِ مِثْلُ الرَّبْوِ (۲)۔ وہ بیع اور ربو کو ایک ہی بات سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن کریم نے کہا کہ یہ دونوں ایک نوعیت کی چیز نہیں ہیں۔ بیع میں سرمایہ اور محنت دونوں صرف ہوتے ہیں۔ سرمایہ کے بدلے میں سرمایہ واپس آجاتا ہے، اور دکاندار کو اسکی محنت کا معاوضہ سرمایہ سے الگ ملتا ہے۔ یہ حلال ہے۔ لیکن ربو میں صرف سرمایہ لگتا ہے۔ محنت کچھ صرف نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں جو کچھ زائد ملتا ہے وہ سرمایہ کا معاوضہ ہے، جو حرام ہے۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے اصول یہ ٹھہرا کہ

(۱) محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے۔ اور

(۲) سرمایہ پر زائد لینا حرام ہے۔

اگر تجارت میں بھی کوئی شخص، اپنی محنت سے زائد منافع لیتا ہے تو وہ ربو ہے۔ (اس بات کا تعین معاشرہ کرے گا کہ اس شخص کی محنت کا معاوضہ کیا ہونا چاہئے۔ وہ اس معاوضہ سے زیادہ منافع نہیں لے سکتا)۔ لہذا، اگر وہ زائد جس میں اس سرمایہ لگا کر، اپنے اصل سے زائد وصول کرے، قرآن کے رو سے اس ربو میں داخل ہوگا۔ خواہ وہ زمین کی پائی ہو، کاروبار میں (Sleeping Partner) کا منافع میں حصہ۔ آجکل کی اصطلاح میں سے (Unearned Income) کہتے ہیں۔ یعنی وہ آمدنی جو محنت سے کمائی نہ جائے۔

اور جب نہ سرمایہ لگایا جائے نہ محنت کی جائے تو وہ آمدنی جوئے کی ہے۔ انیکہ عنون ہی۔ س۔ ر۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بیع (تجارت) میں انسان (Risk) لیتا ہے۔ یعنی اس میں نفع یا نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اور ربو میں (Risk) نہیں ہوتا۔ لیکن یہ معیار بتریق صحیح نہیں۔ اگر کسی آمدنی کو حلال قرار دینے کی صورت (Risk) ہو تو جیسا عین حلال ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہر دائرہ میں (Risk) ہوتا ہے۔ بیع اور ربو میں اصل فرق وہی ہے جسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بیع میں اس اصل۔ محنت کا

معاوضہ (اجرت) و س میں مستحق ہیں۔ اور دوا میں رأس المال۔ رأس المال کے معاوضہ میں ہے۔ اجرت حلال ہے۔ رأس المال کے معاوضہ حرام ہے، خود وہ سود کے نام سے بکرا جائے یا تجارت کے، منافع، کے نام سے۔ قرآن حکیم کے معنسی نشہ م میں رأس المال پر اضافہ کسی نمک میں بھی جائز نہیں ہوتا۔ اگر تجارت اُس زمانہ میں ہوئی جب ضرور افراد معاشرہ کی ضرورت زندگی کی ذمہ داری معاشرہ نے اٹھائی اور نہیں لی (یعنی عبوری دور میں) نہ تو رأس المال کے علاوہ اتنے منافع کی اجازت ہوئی جو دکاندار کی دن بھر کی محنت کے معاوضہ کے برابر ہو۔ اور جب دکاندار کی ضرورت زندگی بنی معاشرہ عبوری سرحد پر تجارت میں انبیاء کی فراہمی بلا منافع ہوئی۔ معلوم نہیں انسان کو قرآن حکیم کے نام سے اس تک پہنچنے میں بھی کتنا وقت لگے۔ لیکن جتنا وقت بھی لگے، انسان اپنے خود ساختہ جہنم سے اسی وقت نکل سکے۔ جب اس نے قرآنی نظام اختیار کیا۔ موجودہ نظام معشت جس میں سرمایہ کے استعمال کے معاوضہ کو حلال و طیب سمجھنا جاتا ہے، قرآنی نظام کے خلاف اعلان جنگ ہے (۲/۱۹)۔

ر ت ع

رَتَعَ - يَرْتَعُ - رَتْعًا - سرسبز مقام میں سر ہو کر کھانا کھانا اور حسب مرضی کھانا پھرنا۔ رَتَعَ کا لفظ دراصل جانوروں کے کھانے پھرنے کے معنی آتا ہے اور جی بھر کر کھانے کے لئے، سرستوارہ انسانوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ * جَمْعُ رَتَعَ اَجْمَعُ - اَجْلُ رَتَعَ رَزَقِي کے ساتھ کھانے پھرنے والا انسان۔ اَجْمَعُ رَتَعَ - حمر گدہ - اَرْتَعَفُ رَتْعًا - زمین میں گھاس اور چارہ بکثرت ہو گیا۔

سورہ یوسف میں ہے کہ رَتَعَ حضرت یوسفؑ نے جسے وہ سے کہا کہ یوسفؑ بڑھ کرے ساتھ ہمارے جہاں میں جانے کی اجازت دیجئے رَتَعَ وَيَتَمَعَبُ ۱۱ - تاکہ یہ وہاں غنسی خوش سے کھائے اور کھائے کودے۔ رَتَعَ و تَمَعَبُ، ان تقریباً وہی مفہوم ہے جو کہنک سے ہاں ہکنک (Picnic) کا ہے۔

ر ت ق

رَتَقَ - سگاف کو بند کر دینا، پیر دینا، مارا دینا۔ نیز جڑی ہوئی اور مٹی ہوئی چیز۔ اَرْتَقَى اسْتَقَى - چیز مٹی گئی اور جڑ گئی۔ اس میں *تاج و محیط و راغب۔

کہیں نہ کہہ رہا ہے۔ راغب نے کہا ہے کہ "لَقَدْ نَقَّ" جوڑنا اور ملانا ہے۔
خراہ وہ خدنی ہو خواہ مصنوعی*۔ قرآن مکریم میں ارض و سموات کے متعلق
ہے کہ کہہ کے نَمَتْ وَكُنْتُمْ فَنُفِثَ فِيكُمْ - (الحق)۔ شروع میں اس تمام مادی
کائنات کے میوٹسی ملا جلا تھا۔ پھر اس میں سے مختلف کٹرٹ گ گ گ گ
گئے۔ (۱۰۰)۔ غور کیجئے کہ یہ اعلان حتمی مادی عبسوی میں ہو رہا ہے۔
جب انسانی انسان کے ذہن میں اسکا تصور تک بھی نہیں آ سکتا تھا یہ
مختلف اجزاء شروع میں ایک ہی دھیر سی تھے اور بعد میں یہ اس اس
ہوئے۔ آج سائنس کی حقیقت نے اس اعلان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے
مکن سموات اس حقیقت اور حقیقت کے سر اور کون بیان کر سکتا ہے:

رت ل

تشریح :- دانشوں کا مونیوں کی لڑائی کی طرح سفید، آبی، اور دیگر رنگ
خود صورت ترتیب کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی چیز کا حسن، تناسل کے ساتھ مربوط
و مرتب ہونا، حسن، ترتیب اور حسن، نظم بننے شروع ہونا، اشرافیت کا۔
ایک قسم کی سکری جیٹ اسٹریجی کے لیے، یہ حسن اور تناسل سے
تنتی ہے ***۔

قرآن حکیم کے متعلق ہے اور کتب میں سر تیسرا (۱۲) حصہ ہے اسے
تیسری علامہ ترتیب، تناسب اور نسج کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس کے جزاء و
نہایت خوبصورتی سے ہر حصہ اور جہاں ہے۔ اس کی سی سی نغمہ، ایک خاص تنظیم
کے ساتھ اس کے مرتبہ فکر کے گہرے گہرے ہیں۔ یہی ان کے لیے کہ
قرآن تیسرا (۱۲) حصہ ہے۔ یہی ہے اسی طرح جس سے
تناسب کے ساتھ عمل میں لاتے چلے جاؤ۔

ح ح ح

ایرج - نہانا - شدت سے حرکت دینا - زلزلہ آن دینا - کسی چیز
کو تیز اور اعلیٰ جگہ سے تیز دینا - بے جگہ - اور تیز - اور تیز -
بے ترتیب اور منظمہ دینا - - - - -

[illegible]

جراثیم، مٹی، مورت، سسٹ سے شلائی جراثیمی - مرنے کے بعد جسم کے
بدلتے ہیں، کائنات کا طبعی انقلاب بھی متصور ہو سکتا ہے اور جسمانی
انقلاب بھی۔

روح فر

درجہ اول اور درجہ اول کے بنیادی معنی اضطراب سمجھ اور مسلسل حرکت
 کے ہیں۔ اس پرچہ کی ایک ساری کا نام ہے جس میں اسکی تالیف ہے۔
 جس پرچہ کا پہلا حصہ ان، ثمرہ، ثمرہ، ثمرہ، ثمرہ جب وہ پھر ہونے لگے
 اسکی تالیف اور رتبہ کے نام کے ہیں اور وہ دو میں مرتبہ ہونے
 کرنے کے بعد اٹھنے کے قابل ہو سکتا ہے*۔

درجہ جزا۔ وہ عذاب ہے جس میں کوئی قوم مختلرب لہم میں مبتلا
رکے اور اسی کمزور ہوتی جائے لہذا اس کے لئے تیسرا دستور وضع کیا۔
عذاب میں درجہ جزا (۳۰)۔ "وہ عذاب جو درد ناک اس عذاب سے...
دوسری جگہ ہے۔ درجہ جزا میں استقامت ہے"۔ وہ تیسرا درجہ ہے جس
خارجی حوادث کی رو سے کہیں۔ سورہ اسراف میں ان مختلف قسم کی باتوں
کو درجہ جزا سے تعبیر کیا گیا ہے جو قوم فرعونیہ اور یمنی تھیں۔
(۱۳۴)۔

[illegible]

*ج -

رجس

الرجس - سخت آواز - کسی بہت بڑی اور مختلف قسم کی مختلط چیزوں کی آواز کو کہتے ہیں - جیسے فوج - سلاب کا شور یا بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک - رَجَسَتْ السَّمَاءُ - بادل بڑے زور سے گرجا - اُرْجَسْ اُسْمِنَا - عورت سطرچ دی یا لرزی کہہ اسکی آواز سنائی دی - اُرْجَسْ - مہر کو کہتے ہیں کیونکہ ہمیں سخت اضطراب بھی دیتا ہے اور مہر بھی - اِسْمِنَا رَجَسْ کے معنی ہوتے ہیں - التباس - شک - تردد - اضطراب - کسی معاملہ کا صاف اور یکسو نہ ہونا - اُسْمِنَا فِیْ سِرِّ جُوسَکَ - میں "سِرِّ" میں - وہ لوگ اپنے معاملہ میں شک - اضطراب اور التباس میں ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس کے ہیں - گندگی کہہ بھی اُسْرَجَسْ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ لتھڑا اور چمک جاتی ہے - اور خود اس میں بھی کئی آئینے ہوتے ہیں - قرآن کریم میں ہے وَیَجْزَمَنَّ سِرِّ رَجَسْ عَمَّیْ لَیْزِیْنَ لَا یَعْنِیْوُنَ (۱۰۱) - "جو لوگ اس سے و فکر سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ رجس ڈال دیتا ہے" - یہاں عقل سے کہہ نہ لے کر نتیجہ رَجَسْ بیاہا گیا ہے - لہذا معنی واضح ہیں - یعنی شک - التباس - اضطراب - نیز اسلئے معنی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر تک بھی قبیح ہو ورنہ اس میں بہت زیادہ قباحت ہوگی - نہ خویش کند امور - قرآن کریم نے خَمْرٌ - مَسْرِہ - اُنْصَابٌ - اَزْ لَامٌ کو رَجَسْ میں عَمَلِ الشَّیْطَانِ کہا ہے (۱۰۱) - اس میں بہت اور نہ سہیدگی بھی ہے اور اضطرابی کیفیت بھی - سی طرح گنہ گار کی حرام چیزوں کے متعلق لکھا ہے - فَاِیَّہُ رَجَسٌ (۱۰۲) - رَجَسَہُ اُنْزَلَ لَامٌ کے معنی ہیں اس لئے اسے اس کام سے روک دیا - لہذا رَجَسٌ وہ کام ہے جن سے انسانی ظرف کے نشوونما میں خرابی اور رکاوٹ پیدا ہو جائے - تاج نے لکھا ہے کہ اس سے وہ کام مراد ہیں جو انسانی کثرت عذاب اور بھی نہیں صرف لیے جائیں - بات یک ہی ہے - میر جاس نے اس پذیر کہہ بھی کہتے ہیں جو ہمہ دیکھنے کے لئے کنوین میں نہ کیا جائے کہ پانی کی گہرائی کس قدر ہے -

سورہ احزاب میں اِسْمِنَا بِمَنْ نَبِیٌّ کے معنی ہیں سِرِّ اِسْمِنَا عَمَّیْ عَمَّیْ اِسْمِنَا اِسْمِنَا - خدا جانتا ہے کہ تم سے رَجَسٌ دور کر دے - یعنی اضطرابات اور التباس - یہاں وہ مواقع جو تمہاری سمجھ

نیو و نما کے راستہ میں ۔ مثل ہوں ۔ سورۃ انعام میں ایمان والوں کے متعلق
 لکھا ہے کہ ان کا سب سے اعلیٰ مقام اسلام کے لئے کفیل جہاد تھا ہے ۔ اس کے برعکس ،
 سب سے راستے پر جانے والوں کا سینہ تنگ ہوتا ہے ۔ ان کی سانس بھریں جاتی ہے ۔
 اس کے بعد ہے کہ اَللّٰہُ لَیْکَ بِجَمْعٍ عَلٰی اَنۡتَ اِلَیْہِ رَجُوسٌ عَدُوٌّ لِّیۡنِیۡنِ لَا یُؤْمِنُوۡنَ
 (۱۲۰) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ رجب کے اندر دل کی تنگی ۔ تعصب ۔ تنگ نگاہی
 ضرر ۔ حسد دوسری ۔ عقرب و فکر سے کام نہ لینا ۔ نرس نہ کوک ۔ اضطراب وغیرہ
 سب کا مفہوم آ جاتا ہے ۔ اسی بنا پر منافقین کو رجب مجسم کہا گیا ہے
 (۱۲۱) یعنی سکوک و اضطراب اور صحیح نظام کے راستے میں خصل اور رکاوٹ ۔
 برعکس ایمان والوں کے (۱۲۲-۱۲۵) ۔

و ج ع

[illegible]

*تاج -

[illegible][illegible]

رہے۔ وہ، تو بھی رجب کے اہل بیت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اس
خبر سے کہ اس کے زمانے میں ان کے بارے میں کچھ نہیں ہے اور اس
کے بارے میں جو کچھ اس بارے میں ہے، اس سے متعلقہ و
الرجوع الیہ کے معنی میں وہ، جو حضرت علیؑ کے بارے میں
میں ملتا دیتی ہے۔

[illegible]

* تاج - ** لین - *** محیط - **** کتاب الاشتقاق -

مذہب میں نہیں آسکتی۔ قرآن کریم سے اس باب میں جو کچھ کہہ کر ہے اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ کہ مردوں کے لئے کسی اسے نہ کی صرف جنت، جہنم اور خدا موجود ہو، قرآنی تصور کے لئے نہیں۔ قرآن کریم تو یہ بھی کہتا ہے: **لَهُ جَنَّاتُ رَجَعَتْ وَالْجَنَّاتُ مَسْكَنَاتُ** ص ۱۴۸ - تیسرے رب اور نہ ان کے لئے صرف جنت ہے۔ اور جہنم بھی ہے: **وَجَنَّاتُ رَجَعَتْ** ص ۱۴۸ - اس دن جہنم رائی حد تک ہے۔ خدا کے لئے کسی خاص مقام یا سمت کا تصور جہنم میں مرنے کے بعد جہنم کے، قرآن کریم کی رو سے درست نہیں۔ دوسری صورت جس کی طرف ذہن (۱) رہتا ہے... سے امان میں ہوتا ہے۔ تصرف کی بہت کردہ ہے۔ ویدانت (۲) ہے۔ تصرف کی رو سے یہ دنیا ہے۔ کہ انسانی روح (۳) درحقیقت روح کا ثبوت، یعنی خدا (۴) ہے۔ ایک جزو ہے۔ یہ جزو اپنے کل سے جدا ہو کر مادہ کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے اور اس سے نکلنے کے لئے ناسخ کے حکم رکھ رہا ہے۔ آخر الامر یہ جزو ہر اپنے کل میں جدا ہو گا جس طرح (۵) انسان کے الفاظ میں (۶) "سام" اور "سرف" اپنے گھونسلوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ ویدانت کی یہی تصور عسری تصرف میں آیا جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ "انسانی روح" خدا کا ایک جزو ہے اور یہ جزو اپنے کل سے ملنے کے لئے مضرب و استقرار ہے۔

بشنوا از نے چہاں حکایت می کند

از جدا ٹپٹا شہادت سے کہہ (رومی)

مرنے کے بعد نیک لوگوں کی روح اپنے کل (خدا) میں جاسکتی ہے۔ یہی زندگی کی کامیابی و کامرانی ہے۔

عذرتِ قمار ہے دریا میں نہا شو جنت (غالب)

"وَجَنَّاتُ رَجَعَتْ" سے ان کے نزدیک مراد ہے جزو کا نکلنے کی صورت کی طرح۔ اور اس سے جدا ہو کر مل جاتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ مسرت کو حاصل نہیں کرتے۔ ان کی حالت کا وصف ہو گیا۔ یا فلاں بزرگ و صاحب باطنی ہو گئے اوصال کے معنی مل جانے کے ہیں۔

یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے، اس لئے کہ انسان اور خدا کے تعلق میں جزو اور کل نہیں۔ اسی کل سے اگر کوئی جزو الگ ہو جائے تو کل نہ تمام رہ جاتا ہے۔ اور یہ جزو ذات خداوندی میں نہیں مل سکتا۔ یہاں (۱) "وَجَنَّاتُ رَجَعَتْ" کا یہ منہوہ بھی غلط ہے۔

"انسانی روح" کی رائے بھی غیر قرآنی ہے۔ مفصل کے لئے دیکھئے سنو (۲) روح -

[illegible][illegible]

جب انسان مرنے کے بعد خدا کی طرف جائیگا تو اعمال کے نتائج سامنے آئیں گے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تمہارے تمام اعمال ہمارے قانونِ مکتات کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس قانون کی رو سے انکے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ تم اس کے احاطہ سے باہر نہیں رہ سکتے۔ اسی کی رو سے انکے نتائج تمہارے سامنے آجائے ہیں۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ **فَاِذَا مَثَا نُنْزِلُ بِسُقُوتِكَ** **سَعْفُ الْاَرْضِ نَعِيدُ هُمْ** **اَوْ نَتَوَفَّيْنٰكَ فَاِذَا لَيِّنَا يَرْجِعُوْنَ** (۱)۔ ہم ان میخلفین کو جس مزا کی وعید دے رہے ہیں وہو سکتا ہے کہ اس میں سے کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ظہور میں آجائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا تیری وفات کے بعد ہو۔ لیکن زود ہو یا بدیر۔ ان کے اعمال کے نتائج ہمہ حال ہمارے ہی قانون کے مطابق مرتب ہوں گے۔ یہ اس کے دائرے سے باہر جا نہیں سکتے۔ **(فَاِذَا لَيِّنَا يَرْجِعُوْنَ)**۔

لیکن جن اعمال کے نتائج انسان کی اس زندگی میں سامنے نہیں آتے وہ
 امکان کے بعد کی زندگی میں سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ ہے وہ مقدم جہاں یہ آتے
 کہ تم مرنے کے بعد بھی اللہ نُرُوجَعُوْنَ۔ "خدا کی طرف لوٹو گے۔"
 یعنی تم یہ نہ سمجھو کہ اب تو ہم مرنے گئے اس لئے اب ہم کسی کی
 طرف نہیں۔ تم مرنے کے بعد بھی خدا کے قبائلوں مکررات کی طرف جاؤ گے۔
 اس سے تمہارے لئے کم میں مقرر نہیں۔ یہ ہے قرآن کا۔ یہم کی رو سے اللہ
 رَاجِعُوْنَ کا مفہوم۔

بعض مقامات پر یہ لفظ ٹھیک ان معنوں میں بھی آیا ہے جن معنوں میں
 عمارے ہاں رجوع کرنے کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اَتَيْتُهُمُ لِيَسْتَجِيبُوا
 لِيَ (يَرْجِعُوْنَ اِيَّاهُمْ)۔ یہ لوگ اپنے رسولوں کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔
 ان نصیرِ رحمت کی روشنی میں اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ کا
 صحیح مفہوم سمجھیں۔ قرآن حکیم میں جہاں اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ
 رَاجِعُونَ آیا ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ
 کے مقام و اس جگہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ حیاتِ کائنات میں
 حیات تک بھی دیکھنی پڑتی ہے۔ اس اصول حقیقت کو بیان کرنے کے بعد
 جہ غتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ تمہارے مومن بھی اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ
 یہو آئیں گے۔ دسموں کی طرف سے ایذا رسانی کا خوف۔ بھوک۔ امول و سرب
 اور نفوس کا اذیت۔ یہ سب اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ کے لئے ہے۔
 الَّذِينَ اِذَا اَصْحٰبُهُمْ سَمِعُوْا قَوْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ اَنَّهُمْ رَاجِعُونَ
 ۱۔ اے مومن! اگر تمہاری ہمت کی ہمت نہ ہو تو تمہاری ہمت نہ ہو۔

انہیں جب بھی اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں تو وہ دل کے پورے اطمینان سے کہہ دیتے ہیں کہ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہماری ساری زندگی خدا کے نظام) کیلئے وقف ہے۔ اور ہم ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے اسی کے قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یا یہ کہ جب ہماری ساری زندگی اُسکے نظام کیلئے وقف ہے تو یہ مشکلات و مصائب ہمیں اُسکے راستے سے غٹا نہیں سکتیں۔ ان کے علی الرغم ہمارا ہر قدم اُسی کی طرف اٹھتا ہے۔ ہماری ہر حرکت اسی محور کے گرد گردش کرتی ہے۔ (إِنَّا إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ)۔ اور ہماری اس جد و جہد کے نتائج بنی اسی کے قانون کے مطابق مرتب ہونگے جس پر ہمیں پورا پورا بھروسہ ہے۔ جتنے موانع آنا چاہتے ہیں اُنیں۔ جتنی رکاوٹیں کوئی ڈالنا چاہتا ہے ڈال لے۔ ہم ان سے گھبرا کر اپنا رخ کسی دوسری سمت کو کبھی نہیں موڑینگے۔ ہمارا ہر قدم، ہر حال و بہر طور، اسی منزل کی طرف اٹھینگا جو ہمارے خدا نے ہمارے لئے متعین کی ہے اور جو ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ (إِنَّا إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ)۔ اس کے بعد ہے اُولَئِکَ عِنْدَہِمْ صَعْرَتٌ مِّنْ رَبِّہِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُولَئِکَ عِنْدَہِمْ اُفْوَاتٌ (۱۰۰)۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ کی طرف سے تبرک و تمہنیت کے پھولوں کی بارش ہوتی ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا قدم صحیح راستے پر اٹھ رہا ہے۔ "اُولَئِکَ عِنْدَہِمْ اُفْوَاتٌ" خود "إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ"، کی تشریح کر رہا ہے۔

قرآن کریم کے ان مقامات سے واضح ہے کہ إِنَّا إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ کے یہ معنی نہیں کہ خدا کسی خاص مقام میں ہے اور ہم ٹوٹ کر اس مقام کی طرف اُسکے پاس جاٹینگے۔ نہ ہی یہ کہ ہماری "روح"، اُس کے ایک جزو ہے اور یہ جزو آخر نامر اپنے کر سے جدا ہوگا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ساری زندگی، نظامِ خداوندی کیلئے وقف ہے۔ (إِنَّا إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ)۔ اور دنیا، سہر کی مشکلات و مصائب کے باوجود ہمارا ہر قدم اُسی نظام کی طرف اٹھتا ہے۔ اُسی سے ہم توانائیاں حاصل کرتے ہیں اور اس کی رو سے ہمارے اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ ہماری زندگی کی ہر حرکت اسی محور کے گرد گھومتی ہے۔ وہی ہمارے دائرہ حیات کا مرکز ہے۔ ہماری تمام تگ و تاز کا رخ اُسی قہمہ کی طرف ہے۔ (إِنَّا إِلَیْہِمْ رَاجِعُونَ)۔ نیز یہ کہ ہمارا ہر قدم اس کے قوانین و مکافات کے مطابق کشاں کشاں چلا جا رہا ہے۔ وہ اس سے دھر دھر کہہ رہا ہے کہ ہمیں نہ ہر قدم پر دھڑکنے کی ضرورت ہے، خواہ اس کا نتیجہ اس زندگی میں سامنے آجائے یا مرنے کے بعد دوسری زندگی میں۔ اس لئے کہ اس کا قانون مکافات اسی دنیا تک محدود نہیں۔

نکل دینا۔ کسی کو چھوڑ دینا یعنی قطع تعلیق کر لینا*۔ نیز الرّجْمُ کے
معنی ہیں کسی کو مڑھنا۔ اَنْزَجَمَ*۔ پتھروں کو کہتے ہیں۔
ور میرْ جَم (Sling) یعنی گوبھیا کو جس سے پتھر کو دور پھینکا جاتا ہے**۔
سورۃ یس میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِیْوْا اَنْزَجَمْکُمْ (۱۶)۔
”اگر نہ آئے تو تم تمہیں سنگسار کر دینگے“۔ باقیں کر دینگے۔ سورۃ شعراء
میں ہے اَلَا تَنْتَهِیْوْنَ اَنْزَجَمْکُمْ (۱۶)۔ ”تو تمہیں سے روک جنہیں
سنگسار کر رہا جاتا ہے“۔ سورۃ حجر میں نَبَطَانِ کِی رَجِیْمٌ کہا گیا
نے جس کی تفسیر وہ کہہ کر دی گئی اَنْ عَلَبَّكَ الشَّعْبَانَةُ (۱۶)۔
نہاں رَجِیْمٌ اور مَسْمُوعُوْنَ ہم سے ہیں۔ (مَسْمُوعُوْنَ کے لئے دیکھئے
عنوان ل۔ ع۔ ن)۔ یعنی وہ جو خدا کی نواہات سے محروم رہ جائے۔ جو اس سے
دور ہو جائے۔ جس سے قطع علائق کر لیا جائے۔ جس سے کچھ واسطہ نہ
رکھا جائے۔

رَجْمٌ - اُٹکل پھو بانیں کرنا - چنانچہ حَتْرَیْتُ مَرْجَمًا کے معنی
 شمس ایسی تھی کہ جس کی حقیقت معبرہ نہ ہو سکے * - رَجْمٌ - اُٹکل
 رَجْمٌ کے معنی شمس اور آدمی کے متعلق اسی بات کو کہی
 جیسے وہ جانہ نہیں - بَلَّغَ رَجْمًا - میں نے بول نہی کرنا جو بہت کم ہادی * -
 سورہ انف میں ہے کہ یہ لوگ جو اصحاب کفر ن تعداد بناتے ہیں تو نہیں
 رَجْمًا بِرَجْمٍ (بہ) بانوں کے ہیں - یعنی قیناس رائیوں کرتے ہیں -
 یہ جانے ہو جائے (حقیقت کے عام راجے) انکوں کو ڈوڑانے ہیں - صاحب
 رَجْمٌ - اُٹکل پھو بانیں کرنا کے معنی اُٹکل پھو بانیں کرنا -

[illegible]

جیسا کہ (ل۔ع۔ن) کے عنوان میں بتایا جائیگا، قرآن کے ریم کی رو سے لَعْنَت کالی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے۔ یعنی غلط روش کی بنا پر زندگی کی ان خوشگوار باتوں سے محرومی جو قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ نہیں۔ جسے اس طرح خوشگوار باتوں سے محروم کر دیا گیا ہو وہ مَلْعُونٌ کہلائیگا۔ یہی معنی رَجِيمٌ کے ہیں۔ یعنی دور ہنسکا ہوا۔ یعنی جو ان خوشگوار باتوں سے محروم ہو۔ اس کے متعلق ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ اس سے قطع تعمق کر لیا جائے۔ اس سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے۔ اس سے دور دور رہا جائے۔ ہر وہ قوت یا جذبہ جو ہمیں قوانین خداوندی کے خلاف سرکشی پر آمادہ کرے یا جہالت اور بے بصیری کی طرف مائل کرے، اس قابل ہے کہ اس سے دور دور رہا جائے۔ اسی کو ملعون یا رجیم کہا جائیگا۔

ر ج و

الرَّجَاءُ۔ امید (ب۔س کی ضد ہے)*۔ بانعموم یہ ایسی امید کو کہتے ہیں جو موشوم نہ ہو۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے نفع کے لئے بولا جاتا ہے جس میں مسرت حاصل ہونے کا امکان ہو۔ لیکن چونکہ خوشی اور دردوں لازم ملزوم ہیں اس لئے بشر یہ ایسے نفع کے لئے بھی بولا جاتا ہے لگا جس میں خوف ہو۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ آمَلٌ اور رَجَاءٌ میں فرق یہ ہے کہ آمَلٌ تو پسندیدہ امر کے لئے آتا ہے اور رَجَاءٌ پسندیدہ اور غیر پسندیدہ دونوں کے لئے**۔ ازہری نے کہا ہے کہ رَجَاءٌ کے ساتھ اگر حرف نفی ہو تو اس کے معنی خوف کے آتے ہیں*۔ ابن قتیبہ نے بھی لَا بَرَّ جَوْنٌ کے معنی لَا يَسْخَرُ فَوْنٌ کہتے ہیں (القرطبي۔ ج ۱)۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ بعض اوقات رَجَاءٌ کا لفظ بول کر خوف کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ اَلرَّجَاءُ۔ موخر کرنا۔ کسی چیز کو پیچھے ہٹا دینا۔ معامدہ کو مستوی کرنا۔ اَلرَّحْمَاءُ۔ کنارہ۔ کناریں کا کنارہ، اوپر سے نیچے تک*۔ طرف۔ جمع اَرَجَاءٌ (۱)۔ مَرَجُوْهُ۔ جس سے امیدیں وابستہ ہوں (۱)۔ مَرَجُوْناً۔ جنہیں انتشار میں رکھا جائے۔ جن کے معامدہ تعویق میں دل دبا جائے۔ (۲)۔ سورہ شعراء میں ہے قَالُوْا اَرْجِيْهِ (۲)۔ انہوں نے کہا کہ نہ اس کے معامدہ کو تاخیر میں دل دو*۔ انہیں (۱)۔ سورہ احزاب میں ہے تَرَجِيْ مِّنْ تَشَاءُ مِيْنُھُمْ تَوَّوْرِيْ تَمِيْکَ مِّنْ تَشَاءُ (۱)۔ یہاں تَرَجِيْ کے معنی ہیں پیچھے رکھنا۔ نگ ہٹا دینا۔ کنارے کی طرف ڈال دینا۔ تَوَّوْرِيْ۔ اسے۔ اس جگہ دینا۔

روح ب

رَحْبَ الْكُفَىٰ رَحْبًا - وسیع ہونا۔ اَرْحَبَہ - اس نے اسے وسیع کر دیا۔ ابن فارس نے بھی اس مادے کے بنیادی معنی وسعت اور کشادگی بتائے ہیں۔ طَرِيقٌ رَحْبٌ - وسیع راستہ۔ مَرَّ حَبَابًا - تو کشادہ جگہ میں آیا ہے۔ تجھ سے یہاں وسعت اور کشادہ ظرفی کا سلوک ہوگا۔ رَحْبَةً - مَکَن کا صحنہ*۔ قرآن کریم میں ہے وَضَاقَتْ عَنَّا اَرْضُ بَیْمَا رَحَبَتْ (۲۵)۔ ”زمین اپنی فراخیوں کے باوجود ہم پر تنگ ہو گئی“۔ سورہ ص میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا مَرَّ حَبًا بَیْکُمْ (۳۸)۔ ”تمہارے لئے کشتہ نہ ہو“۔ تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں کہتا۔ یہ ہے جہنم کی زندگی جس میں کوئی یک دوسرے کو دیکھ کر خوش نہ ہو۔ جہاں کوئی کسی آنے والے کو مرحبا نہ کہے۔ جہاں نہ دل میں کشادگی ہو نہ نگاہوں میں وسعت۔ نہ کسی کے لئے پیشانی خندہ ہو نہ لب متبسم۔ اگر ہوں بھی تو محض دکھاوے کے لئے۔ دل میں ہر ایک، دوسرے کیلئے کہے کہ لَا مَرَّ حَبًا بَیْکُمْ۔ یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟

روح ق

رَحِیقٌ - خالص پرانی، عمدہ خوشبو والی، بہترین شراب۔ وہ شراب جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ اسی جہت سے ہر خالص شے کو رَحِیقٌ کہتے ہیں۔ مثلاً حَسَبٌ رَحِیقٌ - خالص حسب۔ مِسْکٌ رَحِیقٌ - وہ مشک جس میں کچھ ملاوٹ نہ ہو*۔

قرآن کریم نے اہل جنت کے مسئلہ میں رَحِیقٌ مَخْتُومٌ (۲۵) کہا ہے۔ یعنی خالص مشروب، اور پھر اس طرح محفوظ کیا ہوا کہ بعد میں بھی اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کا امکان نہ رہے۔ زندگی کی پاکیزہ سرور اور خوشگواریاں۔

روح ل

الْأَرْحَالُ - جمع رَحَالٌ - کچھ، وہ۔ ہر وہ چیز جسے اونٹ پر اسٹے بندھا جائے کہ اس پر سوار ہو کر سفر کیا جائے۔ پھر یہ لفظ خود اونٹ کے لئے نیز جس چیز پر بیٹھا جائے، یا جہاں اتر جائے، نیز مَکَن کے لئے بولا جاتا ہے* اس لفظ کا اطلاقی ن چیزوں پر بھی ہوتا ہے جن میں سامان وغیرہ رکھ کر لادا جاتا ہے۔ مثلاً خرچیں۔ یا پوریوں۔ سورہ یوسف میں شَرَفٌ رَحْمَیْہِمُ (۱۲)۔ ”ان کی پوریوں میں“۔

نَمْرُوحُ مَمْلُوكٌ کے معنی کسی کو غلام بنانے اور سامانِ غنم نہایت بہیم پہنچانے کے بھی ہو سکتے ہیں *۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں ضرار کے مقابلہ میں رَحْمَۃً کے لئے (۱۱۱ و ۱۱۲) اور سَبِیْحَۃً کے مقابلہ میں بھی اُمیر - اور اَہْلَک کے مقابلہ میں رَحِیم بھی (۶۴/۲۸)۔

جو نیکہ خدا کی رہنمائی کے معنی صرف انسانی جسم کی نشوونما نہیں
بلکہ اس کے سرفراز انسانیت (Development) کی نشوونما (Development)
ہے جو اس خاصہ حالت کی رو سے عوالمی ہے جو وحی کے ذریعہ ملتا ہے ،
یعنی وحی کو بھی رحمت کہہ سکتے ہیں ۔ (دعا و دعا) - حقیقت یہ ہے کہ
وحی کی راہ نمائی سب سے بڑا ذریعہ نشوونما ہے جو یکسر عوالمی طور پر مست
ہے ، اس لئے رحمت خصوصی ہے ۔

[illegible]

نشو و نما کے لئے (کے ذریعے رشتہ) کا محتاج ہے۔ پھر ان چیزوں کے
بہ نسبت نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتی ہیں اس لئے انہیں ایک
ہی قسم کے نشو و نما ملتا رہتا ہے۔ یہ چیزیں ہر آن پھر پھر رشتہ
ہیں۔ ان کی حالت میں ہر وقت تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ان کی
نشو و نما کے لئے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ رحم مادر کے اندر جنین کی نشو و نما
کا نمائندہ کچھ اور۔ بچے کی پرورش کا نمائندہ کچھ اور۔ بڑے کی پرورش کا نمائندہ
کچھ اور۔ جب تک کہ وہی سب ایک حالت میں رہتے ہیں، خدا کی صفت
رحیمیت کے مطابق اس کی نشو و نما ایک انداز سے ہوتی جاتی ہے۔ لیکن
جو بھی اس کی حالت بدلتی ہے اس کی صفت رحمیت کے مطابق اس کی نشو
و نما کے انداز و طریق میں بھی شگافی تبدیلی آجاتی ہے۔ یوں عمومی ارتقاء
اور شگافی ارتقاء کے قوانین خداوندی کے تحت ہر شے اپنے نقطہ ارتقاء سے
سزا تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے رب - رحیم اور رحم سے مراد۔

رَحِمٌ کے اعتبار سے اس لفظ کا اضافی قرابت (رشتہ داری) نہ بنی کیا جاتا ہے*۔ چنانچہ یہ جاتا ہے۔ بِمَنْزِلَتِهِمَّا رَحِمٌ ان دونوں کے درمیان قریبی قرابت داری ہے۔ اَرْحَامٌ رَحِمٌ کی جمع ہے (۲) یعنی رحمہ مادر۔ نیز اس کے معنی رشتہ داری کے آتے ہیں۔ (نہاۃ نزل) (۱)۔ وَأُولَئِكَ أَرْحَامُ کے معنی رشتہ داروں کے ہیں (۸/۷۵)۔

چونکہ رَحْمَةٌ میں نرمی ہوتی ہے اسلئے یہ لفظ سختی کے مقابلہ میں
 نرمی کہنے میں استعمال ہوا ہے۔ تَبَرُّعٌ عَنِّي الْكَفَّارُ رَحْمَةً لِّلْمُتَّقِينَ
 (۲۴)۔ یہ خلیفہ کے مقابل میں سخت اور بے رحمہ گرا بہت نرم۔ سورۃ کہف میں
 قُرْبٌ رَّحْمَةً (۱۱) ہے۔ اس کے معنی ہیں رشتے داری کا زیادہ پاس
 کرنے والا۔ یکن ابن فارس نے التَّوْحُّمُ اور التَّوْحُّمَةُ توحہ سے لئے ہیں۔
 سر لیخت سے اس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ اور زیادہ کرنے
 والا، نرم ہو ورنہ دشمن۔ ابن فارس نے توحہ سے کہہ دیا معنی دریت
 (نرمی) اور تعطف و میلان کے ہیں۔

حیرت انگیز عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر انسانی جہہ اپنے اپنے مصلحت پسند کے گنہگار (مادش میں) گنہگار رہا ہوتا ہے اور یہ گنہگاروں سے زائل نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کے نزدیک نہایت صرف خدا کے رحم (Mercy) سے مستی ہے۔ رحم کہ یہ تصور شر فرمائی ہے۔ تیسرانے کہہ دیا کہ یہ سے فلاح و فوز (کامیابی و کامرانی) اعمالِ صالحہ کا فطری نتیجہ ہے اور یہ سب آج بھی خدا

کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے جسے قانونِ مکافات عین کہتے ہیں۔ اس قانون کی بنیادی اصول یہ ہے کہ لَيْسَ لِّلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (۱۳)۔ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ جوہر کرے۔ البتہ اس سعی و عمل کے لئے، انسان کو مختلف صلاحیتیں، خارجی کائنات میں سامانِ نشو و نما اور عقل کی راہنمائی کے لئے وحی کی روشنی، خدا کی طرف سے بلا مؤدومہ و نہ مستی ہے، اس لئے یہ سب رَحْمَةً مِّنْ دَاخِلٍ ہے۔ یعنی وہ تمام نشو و نما خدا کی طرف سے مفت ملتا ہے۔ اب جو شخص ان چیزوں سے فائدہ اٹھا کر خدا کے قانون کے مطابق اپنی ذات کی نشو و نما کرے گا جو ایک صحیح معاشرہ کے زور دوسروں کی رغبت سے ہوتی ہے) وہ زندگی کی خوشگوار چیزوں سے بہرہ مند ہو جائیگا۔ جو یہ نہ کریگا، وہ ان سے محروم رہ جائیگا۔ ایسے خدا کا قانون مکافات کہتے ہیں۔ اِنَّمَا اِنْسَانٌ اَنْفِیْ مَنْزِلٍ مِّنْ دُوْنِ تَسْکِیْنِ (۱۴) (Grade) سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے نتائج کی رو سے، خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق پہنچتا ہے۔ عیسائیت اور اسلام کا یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

آں بہشتے کہ خدائے بتوبخشید ہمہ ہیچ

تا جزائے عملِ تست، چنان چیزے ہست

اسی بنیادی تصور سے قرآن کریم ایسی قوم تیار کرتا ہے جو انسانی جنت کے لالہ و لالہ اسے خون جگر سے کھینا لاتی ہے۔ اور جس جہانِ نور خدا کے قانون مکافات کے مطابق اپنی قوت بازو سے پیدا کرتی ہے۔

رخ و

اَلِیْرُخُوْ - نرم جرز - رُخُوْ بَشْمِی " وَاَرُخِی - رُخَا - اُسی چیز کا نرم یہ
 دُعَا اَلِیْرُخُوْ جانا۔ رُخُوْ اُخِی کے بھی بمعنی ہیں۔ اُرُخَا - رُخَا - رُخَا -
 اُسی کے نرم برقیہ اُرُخِی دُ بَشْمِی : اُسے اُسے جانور کی مادہ دھبی گھوڑ
 اُسی در سے سبب مرئی چننے دیا۔ اُرُخَا - نرم رفتار اُسی *
 اُرُخِی اُسی میں اُرُخِی اُرُخِی اُرُخِی اُرُخِی (وہ اُسی) اُس کے
 حکم سے نرمی اور سبک رفتاری اور اُسی سے دھبی تھی۔ اُرُخِی اُرُخِی -
 سبک رفتار اور نرم خو گھوڑے کو کہتے ہیں *

۱۵۷

* تاج و راغب و محیط -

دی۔ مسدود بن گیا۔ اصل میں آتش دُعا مسدود، معین اور ناصر کہہ تے
ہیں۔ جب کسی جانور پر سوار ہو جاتا جائے کہ اس کے دونوں طرف
کے بیوی بچہ و نسل ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو آتش دُعا کہتے ہیں۔ وہ
اس طرح ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔*

قرآن کریم میں ہے "فَاَرْسَلْنَا رُوحَنَا فِي الْقُرْآنِ" اور "وَاَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ"۔
مددگار بنا کر بھیج دے۔"

[illegible]

۵۵۵

[illegible]

* تاج - ** راغب -

رد ف

الرَّادِفُ - السَّرْدِفُ - سوار کے پیچھے جو دوسرا شخص سوار ہو وہ اس کا رَدِیْفَت یا رَدِفَت کہلاتا ہے۔ ایسے ہی ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے پیچھے ہو۔ رَدِفَتہ و رَدَفَتہ - اس کے پیچھے پیچھے ہونا* - قرآن کریم میں ہے عَسَىٰ أَنْ يَتَّخِذُوا رَدِفًا لَّكُمْ (۲۱)۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے رہی ہو“۔ تمہارے بالکل قریب ہو۔ ساتھ لگی ہوئی ہو۔ مَرْدِفَت - اسے پیچھے کسی کو سوار کرنے والا نیز کسی کے پیچھے لگنے والا* - مِّنَ الْأَمْثَلِ كَمَا مَرْدِفَتُنِ (۹)۔ ”اسکے بعد دیگرے مسلسل آنے والے“۔ راغب نے کہا ہے کہ الْمَرْدِفَت اگے سوار کو کہتے ہیں جو اپنے پیچھے دوسرے شخص کو بٹھائے* - رَادِفَت - پیچھے (بہا قریب) آنے والا - تَتَّبَعْنَهَا سَرَادِفَتًا (۱۰)۔ ”پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئیگی“۔ یعنی جزا و سزا کی سعادت - خدا کا فرمانوں مکافات - ظہور نتائج کا وقت - ہر عمل کا نتیجہ جو اسکے پیچھے لگا رہتا ہے۔

رد م

الرَّادِمُ - کسی خلا یا شکاف کو بند کر دینا - مَدَّةٌ بَنِي اس کا مرادف ہے۔ لیکن رَدِمٌ میں مَدَّةٌ سے کچھ زیادہ مضبوطی پائی جاتی ہے۔ رَدِمٌ التَّجَابُ - دروازہ بند کر دینا۔ اسکا ایک تہائی حصہ بند کر دینا** - ابن فارس نے کہا ہے کہ س کے بنیادی معنی کسی شکاف کے بند کر دینے کے ہوتے ہیں۔ سورہ کہف میں ہے أَجْمَلُ بَيْنَكُمْ* وَ بَيْنَهُمْ رَدِمٌ (۱۰)۔ اس سے پہلی آیت میں سَدًّا کہہ گئے تھے (۹)۔ یعنی اس قوم نے ذوالقرنین سے کہا کہ ہمارے لئے ایک روک سی (سَدًّا) بنا دے۔ اس نے کہا۔ ”ہاں روک سی دیوں! میں تمہارے لئے اچھی خاصی اونچی دیوار رَدِمٌ بنا دیتا ہوں۔“

ردی

رَدَايَ وَ تَرَدَاتِي - (فی البیئرت) وہ کنوئیں میں گر سزا اس معنی میں رَدَايَ کے ساتھ رَدَايَ بھی بولا جاتا ہے۔ نیز اس سے گر کر مر گیا* - مَا يَنْفَعُنِي عَمَلُهُ مَا نَسَهُ نَذَرَدَايَ (۱۱)۔ جب وہ نبیوں کے جہنم میں سر کے بل

* تاج - ** راغب - *** تاج و راغب -

گریگا تو اس کا جمع کردہ مال اس کے کسی کام نہہ سکیگا۔ راغب نے کہا ہے کہ تَرَدَدَی کے معنی ہیں اپنے آپ کو تباہیوں کے سامنے بٹ کر دینا۔ یعنی جو شخص مال سمیٹ کر رکھتا ہے اور سے انسانیت کی بہبود کے لئے کھلا نہیں رکھتا وہ تباہیوں کو آوزد کر اپنے گھر ہلاتا ہے۔ اَلْمَمَرُ دَرَدَیَ۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو گر کر مر جائے۔ اسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے (۵)۔ اس کے بعد اس لفظ کے معنی عام ہلاکت کے بنی لئے جاتے ہیں۔ رَدِیَ فُلَانٌ۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ فَتَمُورَدِی۔ وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اَرْدَاهُ غَیْرُهُ۔ اسے کسی نے ہلاک کر دیا۔ اَلْمَرْدَی۔ تباہی بربادی۔ ہلاکت۔ (اَلْمَرْدَی۔ چادر)۔ سورۃ طہ میں ہے فَتَمُورَدِی (۱)۔ تو ہلاک ہو جائے۔ سورۃ حم السجہ میں ہے اَرْدَاکُم (۲)۔ اس کے معنی تباہ و برباد کر دینا ہیں۔ اَلْمَمَرُ دَرِی۔ پھینکے ہوئے پتھر کو کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں بنیادی معنی پھینکنے کے ہوتے ہیں۔ ابن فارس نے اَلْمَمَرُ دَرِی کے معنی لا ابالی پن سے کسی ہلاکت زدہ میں گر جانا بھی لکھے ہیں۔ رَادَی عَن اَسْتَوْم کے معنی ہیں اس نے قوم کی مدافعت میں پتھر پھینکے۔ (رَدْعٌ۔ کے لئے عنون دیکھئے ردأ)۔

ر ذ ل

اَلْمَرْدَی۔ وہ چیز جس سے اس کے ردی اور نکما شونے کی وجہ سے بے رغبتی کی جائے۔ اَلْمَرْدَی۔ اَلْمَرْدَی۔ اَلْمَرْدَی۔ اَلْمَرْدَی۔ وہ آدمی جو دوسروں سے کمتر درجہ کا ہو۔ حنیر اور کیم مرتبہ انسان۔ نیز ردی اور نکمی چیز جس میں سے اچھی چیزیں نکال لی گئی ہوں۔ ***۔

اَلْمَرْدَی۔ بہت زیادہ حنیر گنہگار اور نکما۔ اس کی جمع اَرْدَی۔ در اَرْدَی۔ قرآن کریم میں ہے کہ قوم نوح کے سرداروں کے حضرت نوح سے کہہ۔ تباہ کہ جو لوگ تیری جماعت میں شامل ہوتے ہیں اُنہیں اَلْمَرْدَی۔ وہ ہمارے معاشرے کے حنیر اور ردی لوگ ہیں۔

رَذَلُ الْمُؤْمِنِ (۱)۔ عذر کا ردی حصہ۔ بڑا حصہ جسے کہ وہ حصہ جس میں حصہ نہ ہو جاتی ہے کہ لا یَعْمَلُ بِعَمَلِ عِبَادِہ۔ انسان ان حوزوں کے نہیں ہیں جن کا اسے ہمے علم ہوتا ہے۔ حافظہ جانا رہتا ہے۔

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔

اس نے کہا ہے کہ یہ رزق ہماری طرف سے مس ہے۔ نَحْنُ رَزَقُوكُمْ
وَاٰیٰتِہُمْ اٰیٰتٌۭاٰ۔ ”ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہاری اولاد پر
ہوئی۔“ اس طرح خدا کی یہ ذمہ داری کہ وہ ہر مومن (جنسے ہونے) کو رزق
دیتا ہے (۱) بطریق احسن پوری شوقی جی جی ہے۔ ورنہ (گر ایسا معسرہ
تو نہ ہو اور رزق کی تقسیم انسانوں کے خود ساختہ نظام کی رو سے ہو تو جسم
کہ ہم دیکھتے ہیں) لاکھوں انسان بیوک سے مرجاتے ہیں اور بیروزوں
بیسے ہیں جنہوں میں بہت کم کر رہا ہے۔ نہ تو نہیں۔ خطہ معاشرہ میں رزق کی
ذخیرہ اندوزی شروع ہو جاتی ہے اور نچے طبقہ کے لوگ تنوونہ سے محروم رہ
جاتے ہیں۔ صحیح (قرآنی) معاشرہ میں رزق کے ہر جسمے تمام ضرورت مندوں کے
لئے یکساں طور پر پہلے دیتے ہیں (۲)۔ اس لئے کہ جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا
ہے اس میں انسان کی صرف خنت (۳) شوقی ہے۔ باقی سب کچھ قبائلیوں
خرواری کے مطابق ہوتا ہے۔ لہذا انسان صرف اپنی خنت کے ماحصل کا
حصہ رہتا ہے۔ باقی سب کچھ خدا کا ہے اور اسے اس کے احکام کے مطابق تقسیم
ہو جاتا ہے۔ (۴)۔ (۵)۔ (نقصانی ان امور کی میری کتاب نظام ریویس
میں ملیگی جس میں قرآنی معاشرہ میں تقسیم رزق کے اہم مسئلہ کے مختلف
نہاں سے بحث کی گئی ہے۔) پھر حل اسے ایک مرتبہ پیر میں رکھنا چاہئے
کہ جو حکومت قرنین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہونی ہے اسے
اسلامی حکومت کہتے ہیں (۶) اس کا بنیادی منشور یہ ہونا ہے کہ تمام افراد
ممکن کی بنیادی ضروریات زندگی (ساکنان رزق) بہم پہنچانے کی ذمہ داری
ممکن کے سر ہے۔ اس نظام میں رزق کے ہر جسمے افراد کی ممکنیت میں رہنے
کے لئے بہت کی چیزیں ہیں اور فاضل دولت بھی کسی کے پاس
نہیں رہتی۔ یعنی اس میں ہر شخص پوری پوری ممکنیت سے کام لے رہا ہے۔ اپنی
مجبب کے ماحصل میں سے اپنی ضروریات کے مطابق ریکر باقی سب دوسروں
کی ضرورت کے لئے عام کر دیتا ہے۔ ہوں ممکن ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری
سے عہدہ برا ہوتی ہے۔ خدا کے لئے ہونے رزق کی خدا کے بندوں کی ضروریات
کے لئے تقسیم ہوتا ہے اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد۔

سورہ واقعہ میں ہے وَنَجْعَلُکُمْ رِزْقًا کَثِیْرًا۔ ”راغب نے کہا
کہ رزق اس کے معنی تَصْیِیْبُ بمعنی حصہ کے ہیں۔ لیکن اس کے
سبب معنی ہیں کہ وہ کسی جیسی کتاب میں ہے جیسے جہاں لکھا ہے

اس سے تمہاری روٹی چلتی رہے!

**راغب۔

ر س س

رَسَّيْخَ - يَرْسُخُ - رَسَّوْجًا - دسی جیسز کا ایسے مقام پر محکمہ اور
جائے گہر ہو جانا۔ رَسَّيْخَ - يَرْسُخُ - بارش کا پانی زمین میں جذب ہو گیا *۔
یہ اسوقت ہونے لگے جب بارش کا پانی اس حد تک زمین کے سر چلا جائے کہ
وہ زمین کی نفی سے جا رہے۔

قرآن کریم میں اَلْاَسْمِیْخُوْنَ فِی السَّعِیْمِ کیا ہے (۱۳۱)۔ اس کے معنی
ہونگے وہ لوگ جو عجم میں بختکی حاصل کر رہے ہیں اور عجم کی سہلہ میں
اندر جائیں۔ رعب نے کہا ہے کہ رَسَّيْخَ فِی السَّعِیْمِ وہ ہے جو عجم میں اس حد
تک تحقیق کر چکا ہو کہ مکہ کوئی سہلہ باقی نہ رہا ہو *۔

قرآن کریم اپنی دعوت میں وجہ بصیرت میں کھڑا ہے اور اسے غور
و فکر اور عجم و تحقیق کی رو سے سائنس کی تہنیں کرتا ہے۔ لہذا رَسَّيْخَ
فِی السَّعِیْمِ وہ شخص ہے جو اسی تحقیق کی رو سے تہنیں نتائج تک پہنچ
جائے اور سترح سنا ایمان دہی وجہ بصیرت محکمہ ہو جائے۔ رعب نے
منہوم کے لئے، عنوان ح - ک - م کے تحت، محکمہ و متشابہات کی بحث دیکھائی۔

ر س س

اَلرَّسَّیْ - اَلرَّسَّیْ - دیر دینا - بہن سے موت کے دفن کرنے کی رو سے رَسَّیْ
کہتے ہیں۔ پرانا انسان خود و جسم ہو یا نہ ہو۔ نیز رَسَّیْ کسی چیز کی
ابتدا کو بھی کہتے ہیں۔ رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
علامت - جسے انگریزوں نے رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
سے اثر کے ہوتے ہیں جو کسی چیز میں موجود ہوتا ہے۔ رَسَّیْ - رَسَّیْ -
ان رنگوں کو کہتے ہیں جو ابتدا سے ہی ہوئی ہیں۔ رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
تسمیہ کریں۔ یہ دراصل رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
اور صداوت پیدا کرنے کے ہوتے ہیں۔ رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
معنی چم جانے کے ہیں۔

قرآن کریم میں اَلرَّسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
مابعد قیوم کے لئے کیا ہے۔ اس کے معنی لغت میں بہت سے اقوال ہیں۔ ایک
قول یہ ہے کہ رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
پرانا کھڑا ہو جس سے اس کا نام ایسا ہو کہ وہ ہو۔ رَسَّیْ - رَسَّیْ - رَسَّیْ -
* ناسخ - رعب -

مخصوصت مراد لی جائے تو اس سے مراد یہ ہے۔ وہی کہ وہ قوم غلط باتیں وضع کر کے لوگوں میں فساد ڈالوایا کرتی تھی۔ یا ایسی قوم تھی جس میں انکے نبی کی تعلیم کا یونہی سا اثر باقی رہ گیا تھا۔

درس ل

رِسْوَلٌ کے اصلی معنی ہیں (کسی چیز کے سامنے جو رکوت ہو اس کا دور
تر جانا اور اس طرح اس کا اطمینان اور نرمی و سکون کے ساتھ میں بڑھنا۔
جس کا ترجمہ تَفَقُّتٌ رِسْوَةً۔ نرم رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں۔ بیل تَفَقُّتٌ رِسْوَةً۔
نرم رفتار اونٹوں کو۔ اسی سے رِسْوَالٌ ہے، جس کے معنی ہیں حل بڑھنے والا،
پور نہ ہونے والا۔ پھر کبھی صرف نرمی اور سکون کے لحاظ سے عادی رِسْوَالِک
کہہ دیتے ہیں، یعنی تھوڑے حال در سکون اور اطمینان سے جس طرح جی چاہے
رہے۔ اور کبھی صرف حل بڑھنے کے لحاظ سے رِسْوَالٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ نرمی
کے اعتبار سے اَرْسَمٌ۔ نرم رفتار کو کہتے ہیں۔ اَرْسَمٌ رِسْوَالٌ کے معنی
ہیں جانور کی رفتار میں آہستگی۔ **۔

اپن فرس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی یہ ہیں۔ یعنی چل
 اٹنا۔ اسے اعتبار سے جماعت اور گتہ کہہ سکتے ہیں۔ جماعت
 الخیرمیل آرسلا۔ گھوڑے۔ کہانی نکیزی آئے۔ اس میں تیسس کا
 ہم ہو رہی ہے۔ (الارسلال۔ کسی کی طرف) بھیجا۔ آرسنہ غنیمہ۔ اسنے
 اسے کسی سر مشق کر دیا۔ (الارسلال)۔ جو شخص خدا کی طرف سے رسول
 کی طرف بھیجا جائے۔ خود وہ شخص بھی رسول کہلاتا ہے اور اسکا پیغام
 بھی رسول کہلاتا ہے۔ یعنی نزلت رسول۔ رسالت اور رسول
 دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یعنی پیغام اور جسے پیغام دیکر بھیجا گیا ہو وہ
 الخیرمیل فی التقرانقر کے معنی ہوتے ہیں۔ آرسنہ آرسنہ منوار کس
 پہننا۔ (لہذا الترسول کے معنی ہوتے ہیں) شخص اپنے پیغمبر والے کی
 طرف سے تیسس بتا رہا ہے نہایت نور و روشن سے پیغام دے۔ (الارسلال) پیغام بھی
 الترسول ہے۔

۱۰ حضرات جن میں خدا کی طرف سے وحی مسمیٰ ہے اور اس وحی کو فوق
انہماک سے لے کر ہیں خدا کے رسول کہلاتے ہیں۔ اور ان کے لئے انہیں
تقریباً عظیمی کہہ سکتے ہیں۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں
ہوتا۔ یہ ایک ہی ذات کے دو منصب ہیں۔ منصب خدا کی طرف سے وحی کا

میں ہے اور رسالت اس وحی کا آگے پہنچانا۔ نہ نبوت بغیر رسالت کے ہو سکتی ہے اور نہ رسالت بغیر نبوت کے۔ اتنے فیصل اس اجمال کی ن۔ ب۔ ا کے تحت مذکور ہیں یہ بات کیا ہے کہ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی بالشریعت، یہ خیال غیر قرآنی ہے۔ قرآن کریم نے رسول اور نبی میں اس قسم کی کوئی تخصیص نہیں کی۔ شرعی صاحب کتاب تھا (۲۱) اور ہر رسول بھی (۲۵)

جیسا کہ سورۃ کہف میں ہے، رسول کا فرض یہ ہے کہ وہ خدا کے پیغام رسالت کو اپنے ہر ایک مدنی میں انسانوں تک پہنچائے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے رسول ہوں۔ اُتِیْتُ فَاُکَلِّمُ رَسْمًا رَاسِمًا (۲۱)۔ میں اپنے شیعوں کو دینے والے کے پیغام رسالت تک پہنچاؤں ہوں۔ نبی اکرمؐ کے ہمتیٰ ہے بِسْمِیْهِ مَا اُنْزِلَ لَیْسَ لَکَ رَیْبُکَ (۲۲)۔ جو بحدیث تہرے شیعوں کو دینے والے کی طرف سے تیری طرف سے نازل ہوتا ہے سے دوسروں تک پہنچا دے۔ اُنہی رسول اللہؐ کو جو اپنے خدا کی طرف سے ملا تھا، آپ نے خود آپ خود پکڑ گئے تھے۔ اسے دوسروں پر نہیں چھوڑا تھا۔

رسول و مدد میں انسانوں تک پیغام پہنچانے کے لئے چند جہات تھیں، انسان ہرنے تھے (۱) اور انسانوں میں سے بھی مرد (۲) و عورت (۳)۔ رسول سب سے پہلے خود اپنی وحی پر ایمان لاتا تھا۔ کہ وہ میں جناب اللہ کے رسول ہوں سے معمور (۴) اور سب سے پہلے اس پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ بعض اس جماعت کا سب سے پہلا رکن ہوتا تھا جسے وہ قوانین خداوندی کی تعلیم اور اللہ خداوندی کی تسکین کے لئے وجود میں لاتا تھا، وہ خود بھی اپنی وحی کا اتباع کرتا تھا، اور اس وحی کو ایک عمومی نظام بنانے کی بجائے دوسروں سے اسکی صحت کراتا تھا، وہ اپنے حکم کے احکامات کسی سے نہیں کراتا تھا۔ نہ ہی یہ چیز کسی رسولؐ کے مسابقت میں تھی کہ وہ انسانوں کو قوانین خداوندی کی پیروی کے احکام کا محکمہ بنائے (۵)۔ اس طرح رسولؐ کی وصالت سے قوانین خداوندی کی اشاعت، خود خدا کی اشاعت قرار بنا جاتی تھی۔ اگرچہ یہ صفت اس نظام کی اشاعت حقوق تھی جو رسولؐ کے ہاتھوں قوانین خداوندی کی عمومی اشاعت کے لئے مشکل ہوتا تھا۔

وحی کا مذکورہ نہیں اکرمؐ کی ذات گرامی پر ختم ہوتا تھا۔ بلکہ وہ نظام کے چلا جانے والی قوانین کی رو سے قائم ہوتا تھا۔ اس نظام میں

حبیئۃ رسولؐ وہ فرائض سرانجام دیتا تھا جنہیں اپنی زنتؐ میں رسولؐ سر انجام دیتا تھا۔ یعنی منظم اور اجتماعی طور پر قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا اور کرنا۔ اس طرح "اطاعت خدا و رسولؐ" کا یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک باقی نہ رہا۔ اب اگر پھر اسی قسم کا نظام قائم ہو جائے جس میں قرآنی قوانین عملاً نافذ ہوں تو پھر اسی اطاعت کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے جسے "خدا اور رسولؐ" کی عملی اطاعت کہہ جاتا ہے۔ (۱) ان امور کی تفصیل مری مکتب "اسلامی نظام" میں مہملی جسم میں بتایا گیا ہے۔ یہ قرآن و کربہ کے متعدد مقامات میں "اللہ اور رسولؐ" کا ذکر آیا ہے لیکن اس کے بعد ضروریہ صغہ واحد کا استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ اور رسولؐ" کی اطاعت دو الگ الگ اطاعتیں نہیں ہوتیں۔ اس سے مراد ہوتی ہے قوانین خداوندی کی اطاعت جو اس نظام کی وسعت سے کی جاتی ہے جسے رسولؐ متشکل کرتا ہے اور جو رسولؐ کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کے ذریعہ آگے چلتا ہے۔

صاحب تاج العرب نے لکھا ہے کہ آل رسولؐ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو تمہارا ساتھی اور موافق ہو۔ گرجہ لسان العرب میں ہے کہ اس معنی میں رسولؐ کہلاتا ہے۔ رسولؐ نہیں۔ لیکن خدا اور رسولؐ درجہ اول و درجہ ثانی ہیں۔ ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں۔ انہوں نے دین و دنیا کے احکام رسولؐ اور اس کے متبعین کی جماعت کے دست و پاؤں کی قرب سے عملاً نظام دنیویہ بنائے ہیں۔ اسی لئے ہمیں رسولؐ کی جنک کے متعلق یہ حدیث ملتی ہے کہ "وَمَا رَمَيْتُ ذُرِّيَّةً لَّا يَكُونُ الْإِسْلَامُ بِإِسْلَامِي"۔ "وہ نہ تو کسی کو نہیں جلا رہے تھے خود خدا چلا رہا تھا۔" اور رسولؐ اور اس کی جماعت کی یہی یہی رفائیت ہے جس سے ہم میں خداوندی کا تمام عمل میں آتا ہے۔ (اس کی مزید تفصیل کتاب قوسین (۹۳) میں دیکھئے۔ عنوان ق۔ و۔ س۔)

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ چاہے قرآن و کربہ کی رو سے نبی اور رسولؐ ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بڑا فرق نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن و کربہ کے نبی یا رسولؐ کی جو خصوصیات ہیں وہ نبی اور رسولؐ کی دونوں خصوصیات ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن و کربہ کے مختلف مقامات کو "نبی" کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور رسولؐ کے لیے مخصوص ہیں۔

*** تاج و محیط۔ *** لسان العرب

دیکھئے جہاں نبی یا رسول کی خصوصیات یا تفصیلی تذکرہ آیا ہے۔ مثلاً رسول کسی سے اس حکم نہیں منواتا، صرف کتاب خداوندی کی اطاعت کرنا ہے (۱۰۰)۔ وہ اگر کسی معاملہ میں غلطی کرتا ہے تو وہ اسکی ذاتی غلطی ہوتی ہے۔ صحیح راستہ وحی کے ذریعے دکھاتا ہے (۱۰۱)۔ رسول خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا (۱۰۲)۔ وہ کسی سے اجر رسالت نہیں مانگا (۱۰۳)۔ رسولوں کے ہوتے بچے ہوتے تھے (۱۰۴)۔ تمام رسول اپنے اپنے وقت پر آئے اور سربراہ بن گئے (۱۰۵)۔ لیکن نبی آخر الزمان کی بعثت کے بعد، نجات و سعادت حضور پر ایمان اور قرآن کریم پر عمل کرنے ہی سے مل سکتی ہے (۱۰۶)۔ رسول ہمیشہ مرکزی مقامات میں آیا کرتے تھے (۱۰۷)۔ رسول کلمہ رسالت منے سے پہلے قطعاً عدم و احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے رسالت منے والی ہے (۱۰۸)۔ نبی اکرمؐ نبوت منے سے پہلے ان پر نہیں تھے (اس کے بعد نہیں)۔ (۱۰۹)۔ نبی اکرمؐ خدا کے آخری نبی تھے (۱۱۰)۔ اس لئے اب نہ کوئی نبی آسکتا ہے نہ رسول۔ رسول صرف خدا کا رستہ دکھاتے تھے۔ دوسروں کو اس راستے پر لگانا ان کے ذمے یا اختیار میں نہیں تھا (۱۱۱)۔ بعض رسولوں پر ایمان لانا اور بعض پر نہ لانا کفر ہے (۱۱۲)۔ یہ اور اس قسم کی دیگر خصوصیات، انبیاء کرام اور رسولوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حتکہ نہ بھی کم، گیا ہے کہ اگر (بذریعہ مجال) رسول نبی مدد منت پرتے یا اپنی وحی میں کسی قسم کی تبدیلی کر لے تو اس پر خدا کا عذاب آجائے (۱۱۳؛ ۱۱۴؛ ۱۱۵؛ ۱۱۶)۔

چونکہ قرآن کریم کی حقائق کا ذمہ خدا نے خود اپنے لئے لیا ہے اور وہ دین کا مکمل ضبط ہے، اس لئے نبوت کے ختم ہونے سے انسانوں کو اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی کھی و توج نہیں ہوئی۔ رسول صرف اس نظام کے قائم کرنے کا ہے جسے رسول اللہؐ نے قائم فرمایا تھا۔ وہ اس میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

اَرْسَالٌ کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں نہیں۔ اَرْسَالٌ تَخْفِضٌ فی التَّخْرِيقِ۔ حصہ میں گھوڑوں کی دو گئی کیلی چھوڑ دینا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ مستاک (روک لئے) کے متبادل میں آیا ہے جہاں اس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں۔ اَرْسَالٌ عَنَى کے معنی ہیں کسی پر مسلط کرنا (۱۱۷)۔

دے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ رَشَدٌ صرف صحیح راستے کی طرف راہنہ ٹی ہی نہیں بلکہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری تدابیر اور انکی کامیابی کے لئے آسانیاں بہم پہنچانا بھی ہے۔ چنانچہ اَنُحْمَرِشِدُ ن راستوں کو کہتے ہیں جو منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ قرآن کریم میں رَشَدًا - خَرَجَ (نقصان) کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۲۱)۔ لہذا رَشَدٌ ایک جامع لفظ ہے جس میں ہدایت، حکمت و بصیرت سے لے کر منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے عملی تدابیر و راستے کے خطرات اور نقصانات سے بچنے کے سامان سب آجاتے ہیں۔ اسی لئے انبیائے کرامؑ (نملاب خداوندی کی طرف دعوت دینے والوں) کو رَشَدٌ عطا ہوا تھا (۱۱۱)۔ اور جماعت مومنین رَشِدُوْنَ کی جماعت شوقی ہے (۱۲۰)۔ یہ سب کچھ قوانین خداوندی کی اطاعت سے ملتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ خدا کے سوا نہ کوئی وِلٰی ہے اور نہ کوئی مُرْشِدٌ (۱۱۰)۔ لیکن ہم ہیں کہ انسانوں کو اپنا ہیں و مرشد بناتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بھی بھگت رہے ہیں!

وصد

رَاصِدٌ - وہ اس کے انتظار میں رہا۔ اَلرَّاصِدُ - منظر و کسی کی نقل و حرکت پر نگہ رانی کرنے والا۔ اَلرَّاصِدُ - درندہ جو حملہ کرنے کا منتظر رہے*۔ قرآن کریم میں ہے یَجِیْدُ سَہْ شَیْئًا رَاصِدًا (۱۲۰)۔ وہ ایک شے کو اپنے انتظار یا گہات میں بیٹھا ہوا پائیگا۔ اَرْصَادٌ کے معنی ہیں کسی کا انتظار کرنا اور (انتظار میں) تیار کرنا*۔ اَرْصَادٌ رَاصِدٌ حَرَبٌ رَبَّ اِلٰہَ وَ رَاصِدٌ (۱۰۰) "خدا و رسول" (خداوندی کے خلاف جنگ کرنے والے کے لئے گھات بسنے اور تاک میں رہنے کے لئے۔ نیز سزا دینے کا روایہ کرنے کے لئے۔ اَلْمَرْصَدُ - اَمْرِصَادٌ (۱۱۰) وہ راستہ یا جگہ جہاں بیٹھ کر دشمن کی تاک لگائی جائے*۔

خدا کے مِرْصَادٌ (گہات) میں ہونے (۱۰۰) کے یہ معنی ہیں کہ اس کا قانونِ مکذات ہر ایک سرنگار کویت ہے اور جب نہ زورِ نفع کا وقت آتا ہے تو اسے فوراً دہوج دیتا ہے۔ کئی سختی اس قوموں کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی یہ ہیں کہ جس راستے سے کسی چیز کو گزرنے والا ہو اس کی تاک میں بیٹھنا۔ انسان

کا ہر عمل ، قانونِ خداوندی کے معین کردہ راستے سے گذر کر اپنی منزل و مقصد تک پہنچتا ہے ، جسے اس کا نتیجہ کہا جاتا ہے ۔ لہذا کوئی عمل بلا نتیجہ رہ نہیں سکتا ۔

ر ع ع

رَحْمَتِہ - بِرَحْمَتِہ - رَحْمَت - اس نے کسی چرنے احقر کو ایک دوسرے
 میں بہت کر دیا اور 'تمہیں باہم گر بخیر و برائی سے حوڑ کر ہٹا دیا' جسے
 تمہیں سب سے ہٹا دیا گیا ہو۔ اُن رَحْمَتِہ سے کہہئے کہیں *۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اس طرح صرف بسمہ قرآن
میں کائناتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۱)۔ گویا وہ ایک ایسی میٹھی
ذیور ہیں جسے بسمہ پڑھا گیا ہو۔ یہ بات ایسی ضرورت نہیں ہے کہ خود بخود
ہے جب نبی ایک دوسرے سے ہوسٹ ہوں۔ اور نبی کی ہوسٹگی، ہوسٹ
زبان اور نہ بطن کے ایک ٹوٹے سے ہوتی ہے۔ اب غور فرمائیے کہ جس
جہاں امت مسلمہ کی کائنات یہ ہوتی ہے، وہ کس طرح ترقیوں
میں بنی ہوئی ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو حاکم قرآن سمجھ رہی ہے!

رضع

[illegible]

* تاج و راغب - ** تاج - *** کشاف -

رضی

رَضِیَ رَضُوْا اَنْ وِرَضًا کے معنی ہوتے ہیں کسی سے متفق ہونا۔ کسی کی بات کی تصویب کر دینا۔ (Approve) کر لینا۔ لیکن اس میں دل کی رضامندی اور رغبت و خوشی کا پہلو پایا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی کراہت اور جبر نہ ہو۔ تَرَاضَیَاہُ۔ دونوں نے کسی بات پر آپس میں برضا و رغبت اتفاق کر لیا۔ اسے باہمی (Agreement) سے کہنا۔ اس پر دونوں کی رضامندی ہو گئی۔ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِمَا تَعَرَّوْا (۲۲) جب وہ (میاں بیوی) قاعدے کے مطابق ایک دوسرے سے رضامندی کے ساتھ متفق ہو جائیں۔ * رَضِیَہُ لِمَہَذَا اَلَا مَرٌّ۔ اسے اس کام کا اہل سمجھنا۔ اِرْتَضَاہُ لِحُبَّتِیْہِ وَخِیدُ مَتِّیْہِ۔ اسے اپنی صحبت اور خدمت کا اہل سمجھنا اور اس کے لئے منتخب کر لینا۔ رَضِیْتُ اَلشَّیْءَ وَبِہِ۔ میں نے اس چیز کو پسند کر لیا اور اسے اختیار کر لیا *۔ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ اَلْیَہُودُ وَلَا اَلنَّصَارٰی (۱۲۰)۔ ”تجھ سے یہود اور نصاریٰ کبھی متفق نہ ہوں گے۔“ تجھ سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔

قرآن کریم میں مومنین کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرْضُوْا عَنْہُ (۱۰۱)۔ اس کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے ”اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے“۔ چونکہ راضی ہو جانا اور ناراض ہو جانا انسانی جذبات ہیں اس لئے اس سے ذہن اسطرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہی جذبات خدا میں بھی ہیں۔ وہ بھی کسی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی سے ناراض ہو جاتا ہے۔ خدا خوشی اور ناراضگی کے ان انسانی جذبات سے مبرا ہے۔ اس لئے رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرْضُوْا عَنْہُ کا مفہوم اس سے مختلف ہے۔ اس کا صحیح مفہوم سوجھنے کے لئے ایک بات کا تمہیداً سمجھ لینا ضروری ہے۔ جب ذہن انسانی اپنے علم و ضوابط میں تھا تو اس نے دینی دیوتا یا خدا کا تصور ایسا ہی پیدا کیا جیسا وہ نے سمجھنا بادشاہ کو دیکھتا تھا، اس لئے کہ اس کے نزدیک بادشاہ سے بڑا کونسا اور اقتدار کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی ہر بات میں اس کے ذہن نے اس کا وہی (بادشاہ کی طرح) ایک تخت پر بیٹھا۔ یہی یہ مسجیت کہ بادشاہ کے امراء و وزراء کی طرح خدا کے بھی مقربین ہیں جنہیں اس کے کارو۔ ر میں عمل دخل ہے۔ نیز اس کے حاجب و دربان بھی ہیں۔ ہمارے اسکی رعایا اس جنم میں اس

کے سامنے دم مارنے کی جا نہیں۔ اگر انسان نے اپنی کوئی درخواست اُس کے حضور پیش کرنی ہو تو اس کے ساتھ کوئی نذرانہ بھی پیش کرنا ضروری ہوگا۔ نیز اس درخواست کو، بادشاہ کے مقربین میں سے کسی کی وساطت سے وہاں تک پہنچنا ہوگا تا کہ وہ سفارش کرے۔ ان درخواستوں کے فیصلے (یسا بادشاہ کے دیگر احکام) کسی قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس کا انحصار بادشاہ کے مزاج پر ہوتا ہے۔ اگر وہ خوش ہو گیا تو گواں بخش دیا۔ اگر ناراض ہو گیا تو گدھوں کے ہل چموا دئے۔ بادشاہ کی خوشی اور ناراضگی بھی کسی اصول کے مطابق نہیں ہوتی۔ سعدی کے الفاظ میں، مزاج شاہاں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ”گھے بہ سلامے برنجند و گھے بہ دشنامے خلعت بہ بخشند۔“ کبھی سلام کرنے پر ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی دینے پر انعام دیتے ہیں۔ لہذا بندوں کی تمام تر کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح خدا کو راضی رکھیں۔ اسے خوش کر لیں۔ ایشور کی بھگنی۔ دُندوت۔ دوجہ۔ پناہ۔ اس کے چرنوں (قدموں) میں سر دھا (عقیدت) کے بھول چڑھانا۔ دیوتوں کے استھانوں پر قربانیاں دینا سب اس غرض سے تھا کہ کسی طرح ایشور پر ماتما کو خوش رکھا جائے۔ وہ اپنے بھگتوں سے راضی رہے۔

قرآن کریم نے (اور اس سے پہلے انبیاء سابقہ^۴ کیطرح وحی نے) اس
نوشہ پرستانہ تصور کو مٹا کر، اسکی جگہ خدا کا صحیح تصور دیا۔ اس
تصور کی رو سے بتایا گیا کہ خدا مستبد حکمرانوں کیطرح نہیں۔ اس نے ہر
بات کے لئے قاعدہ، ورق قانون مقرر کر رکھا ہے اور کائنات کے تمام امور اس کے
منعین کردہ قوانین و اصول کے مطابق سرانجام پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے
لئے بھی اس نے قوانین مقرر کر رکھے ہیں (جن کا عنہم انسان کو انبیاء کرام^۵
کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے اور اب وہ قوانین قرآن کریم کے اندر محفوظ
ہیں)۔ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ان قوانین کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ وہ
بدشاہوں کی طرح (یونہی خوش ہو کر نہ کسی کو نعم دیتا ہے، نہ یونہی
ناراض ہو کر عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

اس کے۔ تو ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ خدا نے انسانی زندگی کے سامنے ایک منصوبہ رکھا ہے اور اس نے جو قوانین عطا کئے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسان کے مطابق زندگی بسر کر کے، انسانی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ انسانوں کے لئے یہ راستہ خدا کا ہمسرا ہے۔ یعنی اگر انسان اس راستے پر حسبِ توفیق خدا کی منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر اس کے

[illegible][illegible]

ہو جیسا کہ۔ یعنی لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (۲۰۸)۔ خبر خدائی قبولیتوں کے احکام و قوانین کا اتباع مت کرو۔ ان تمام ڈکڑوں کو سامنے رکھنے سے مَرْضَاتِ اللہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کے احکام و قوانین کی پوری پوری اور برضا و رغبت اطاعت۔ یہی معنی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرْضَوْا عَنْهُ کے ہیں۔ یعنی یہ لوگ قوانین خداوندی کے ساتھ بطیب خاطر پوری ہم آہنگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی ان قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ اور قوانین خداوندی کے خوشگوار نتائج ان سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ان کی سعادتیں اور برکتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔ اس سے ان کے دلوں میں قوانین خداوندی کی محبت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اسی کو انشَبَعَ رِضْوَانُ اللہ (۱۰۶) سے تعبیر کہا گیا ہے جس کے مقابلہ میں بَاءٌ بِسَخَطٍ مِّنَ اللہ کہا ہے (دیکھئے عنوان س۔ خ۔ ط)۔ سورۃ محمد میں واضح کر دیا ہے کہ رِضْوَانُ اللہ کے معنی ہیں مَا نَزَّلَ اللہُ یعنی قرآن۔ پہلے کہا گیا ہے کَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللہُ (۲۰۸)۔ اور اس کے بعد ہے کَرِهُوا رِضْوَانُ اللہ (۲۰۸)۔ یعنی رِضْوَانُ اللہ قرآن کریم (مَا نَزَّلَ اللہُ) کا اتباع ہے اور سَخَطٌ غیر قرآنی احکام کا اتباع۔ لہذا مومنین کا شعار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم (مَا نَزَّلَ اللہُ) کا پورا پورا اتباع کرتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اس سے پورے طور پر ہم آہنگ اور متفق رکھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے قانون مکافات کے مطابق زندگی کی خوشگوار دن اور سادابیان ان کے ہمارکب ہو جاتی ہیں۔ اسی زندگی کا نام عِيشَة رَاضِيَة (۱۰۱) ہے۔

سورۃ مریم میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے خدا سے بیٹے کی دعا مانگی اور رَبِّ اجْعَلْ لِّي رَاضِيَةً (۱۰۱)۔ یہاں رَاضِيَة کے معنی یا تو محبوب و مقبول کے ہیں۔ اور یا یہ کہ وہ تیرے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والا ہو۔ تاج میں رَضِيَ اللہ کے معنی مطیع بھی لکھے ہیں۔

سورۃ توبہ میں ہے کہ اللہ نے مومنین سے جَنَّتَاتٍ اور مَسَاكِينٍ مُّتَّبِعِينَ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللہِ اَكْبَرُ ذَٰلِكَ مَوْءُوذٌ لِّلْعَصِيْمِ (۱۰۱)۔ اللہ کی "رضوان" ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ ایک عظیم کامرانی (Achievement) ہے۔

یہ آیت جیسے ایک عظیم حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایمان و اعمال صالحہ سے ہوتا کیا ہے؟

انسان نام ہے اس کی طبعی زندگی (Physical Life) اور انسانی ذات (Self) کا۔ زندگی کی کامیابی سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی طبعی زندگی بھی خوشگوار رہے اور اس کی ذات کی بھی نشو و نما ہو جائے۔ انسان کی نشو و نما سے مراد یہ ہے کہ اس میں جس قدر مضمحل صفتیں ہیں وہ بیدار ہو جائیں۔ خدا کی ذات ایک مکمل ترین ذات ہے جس میں اس کی تمام صفات بطریق احسن جلوہ فرما رہی ہیں۔ وہی صفت انسان کی ذات میں بھی ہے لیکن غلی قدر بشریت۔ یعنی حیوانی سمیٹے پر۔ انسانی ذات کی نشو و نما کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ان صفت کی نمود ہوتی جائے۔ اب ظاہر ہے کہ انسانی ذات کو جس قدر زیادہ نشو و نما حاصل ہوگی وہ اتنی ہی زیادہ صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوتی جائے گی۔

ایمان و اعمال صالحہ سے ہونا یہ ہے کہ انسانی ذات کی اس طرح نشو و نما ہوتی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اُسے زندگی کی خوشگواریاں بھی ملتی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ زندگی کی یہ خواہشگاریاں بڑی خوش آئند اور بہرک ہیں اور ان کا حاصل ہو جانا بھی بڑی چیز ہے۔ لیکن حقیقی کامرانی وہ ہے کہ اس سے انسانی ذات، صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ ذریعہٴ "هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ"۔ ان اعمال کا بدلہ (یا نتیجہ) ایک تو اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ انسان کی خارجی دنیا حسن و خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی داخلی دنیا میں بھی ایک عظیم بہرہ حاصل ہے۔ یہ بہرہ (یعنی انسانی ذات کا نشو و نما) جتنا بہت بڑی کامرانی ہے۔ یہی چیز ہے جسے بلند آواز دیکر یوں کہہ دیا گیا ہے کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مَا كَانَ يَوْمُكُمْ مَعَهُ يَوْمَ أُتُوا بِالْبُيُوتِ وَأَمْشَرْتُمْ فِيهَا وَكُنْتُمْ تُخَالِفُونَ"۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے بھی بڑے درجہ (بہرہ) حاصل ہے۔ یعنی انسان کی خواہش اس کے غم و غمگینی کی موجودہ سطح کے مطابق ہی ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب جنت کی زندگی میں یہ سطح بھی بلند ہو جائے گی تو وہاں جو نچے مسکاوہ ان کی سرمود، خواہشوں اور آرزوؤں سے نہیں زیادہ ہوں۔ اس کی ذات کی نشو و نما بدین نمط ہوگی کہ اس کے شعور کی موجودہ سطح اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔

لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسانی ذات کی یہ نشو و نما صرف اس معاشرہ کے اندر ہو سکتی ہے جو قرآن کریم متشکیک نہ رہے۔ خاندانوں کی نچر دنگیوں میں نہیں ہو سکتی۔ لہذا بہت ضروری ہے کہ

ہے کہ رضوان من اللہ یا مرخات اللہ، قرآن کریم کے مصنفی زندگی بسر کرنے اور اس کے خورشکوار ناسخ کا نام ہے۔

سورۃ انباء میں ہے وَلَا يَشْنَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ (۲۱)۔ اس کے لئے عنوان تر۔ ف۔ ع دیکھئے۔

ر ط ب

الرَّطَبُ - یَسَابِسُ (خشک) کی ضد ہے۔ یعنی تر و تازہ چیز جس میں نمی ہو۔ نرم و نازک شاخ۔ ہری پھری گھاس۔ سرسبز زمین۔ الرَّطَبُ - گدیری کھجور*۔ قرآن کریم میں رَطَبًا جَنَّتِ (۱۹) کہا ہے۔ چنی ہوئی گدیری کھجوریں۔ سورۃ انعام میں ہے وَلَا رَطَبٍ وَلَا يَاسَسٍ (۱۹)۔ اس کے معنی تازہ اور خشک پھل کے بنی ہو سکنے ہیں، لیکن اس کا مطلب ہر تر اور خشک چیز ہے۔ یعنی کائنات کی مختلف چیزیں۔ ور رَطَبٌ مِّنْ صَّحِيفَةٍ فَطُرَتْ بِهَا كَأَنَّهَا كِئَافٌ زَاجِلَةٌ ہے۔

(رَطَبٌ وَ يَسَابِسُ کے لئے ی۔ ب۔ م کے عنوان بنی دیکھئے)۔

آیت (۱۹) کو سامنے لائے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اس موسم میں ہوئی تھی جب درختوں پر ہلکی ہوئی کھجوریں لٹک رہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ۱ دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوئی تھی۔ اس زمانے میں فلسطین میں سخت سردی ہوتی ہے اور تازہ کھجوروں کا موسم نہیں ہوتا۔ اب عیسائی مورخ خود اس کے قائل ہو رہے ہیں کہ ۲۵ دسمبر حضرت عیسیٰؑ کا یوم پیدائش نہیں۔ عیسائیوں نے بعد میں یہ عقیدہ ایرانیوں سے مستعار لیا تھا جن کے ۵ دسمبر متھرا کا یوم پیدائش تسیم کیا جاتا تھا۔ اور ۲۵ مارچ اس کے مرا کر جی انہنے کا دن۔ ان کا یہ عقیدہ بنی تھا کہ متھرا آخری زمانے میں پھر دنیا میں آئے گا۔ (دیکھئے معراج انسانیت صفحہ ۱۵۱)

ر ع ب

رَعَبٌ لِّخَوَاضٍ - حوض کو بہر دیا۔ رَعَبٌ لِّسَبِيلٍ - سوادی۔ سیلاب۔ سوادی کو بہر دیا۔ اس کے ایک معنی تو اس بہر دینا اور دوسرے معنی میں کسی چیز کو کٹ دینا۔ رَعَبٌ لِّلْجَنَّةِ - اسنے کھوٹا کھوٹا کٹ لیا۔ ایتْر غیبہ*۔ کھوٹا کٹا ہوا ٹکڑا*۔

اس اعتبار سے راغب کے نزدیک اِشْرَعِبُ کے معنی ہیں خوف سے بھر جانے کی وجہ سے بول چال سے منقطع ہو جانا*۔ صرف ڈر کہو بھی کہتے ہیں۔ سورۃ کہف میں ہے وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ رُعباً (۱۸)۔ ”تو ان کی وجہ سے خوف کھا جائے“۔

جماعت مؤمنین کو استدر قوت حاصل ہونی چاہیئے کہ میدان جنگ میں مخالفین ان کو دیکھ کر رعب سے کانپنے لگ جائیں۔ لیکن یہ چیز صرف اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں قانون خداوندی کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ جھکے۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اور شرک کا لازمی نتیجہ خوف بتایا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں ہے سَنَسْتَبَيِّنُ رَفِي قُتُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا اَلْاِشْرَعِبُ بِمَا اَنسَرَكُوا بِاللهِ.... (۱۵۰)۔ ”ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دینگے اس لئے کہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں“۔

رع ن

رَعْدٌ بادل کی گرج۔ اس کے معنی کپکپانے اور تھہر تھہرانے کے بھی آتے ہیں۔ مجازاً زجر و توبیخ کو بھی کہتے ہیں۔ اَلرَّعْدَادُ۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو بہت باتیں بناتا ہو۔ زیادہ بڑ بڑ کرتا ہو۔** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت اور اضطراب کے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بادلوں کی آواز کے معنوں میں آیا ہے (۱۹ ذی ۱۳)۔ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ (۱۳)۔ رَعْدٌ اپنے فرائض مفوضہ کی تکمیل میں شمع تن مصروف رہتی ہے اور اپنے تعمیری نتائج سے خدا کی حمد و ستائش کی زندہ پیکر بن جاتی ہے۔ (دیکھئے عنوانات م۔ ب۔ ح اور ح۔ م۔ د)۔ کائنات کی ہر قوت اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی کیمنے سرگرداں رہتی ہے۔ اور ان کی نقل و حرکت کا مجموعی نتیجہ کائنات میں تعمیری اضافے ہوتا ہے۔ ہم جب ان ہوتوں کو انگ انگ دیکھتے ہیں تو ہمیں بعض قوتیں محض ذر اور خوف کا موجب نظر آتی ہیں (جیسے بجلی کی کرک) لیکن یہ ہست مجموعی ان سب کا نتیجہ تعمیری ہے۔ اور یہی چیز خدا کی حمد و ستائش کی مظہر ہے۔

رع ن

الرَّعُونَةُ۔ حماقت کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رَعُونَةُ فکر کی کمی کو کہتے ہیں اور حُمُقٌ بظاہر فکر کو***۔

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط

أَلَا رُعَيْنٌ* - وہ شخص جس کی بیاتوں میں ہے نکا بن ہو - احمق - سست اور ذلیل - رُعَيْنٌ شرجیں* - وہ احمق ہے نکا اور ذلیل - رُعَيْنٌ - وہ بیہوش ہو گیا* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) کے کو ابھرا ہوا اور اوجھڑنا (۲) ہے نکا بن پریشانی اور اضطراب کے شوقے میں -

وَأَعْيَنَ (۳) - ایک کامہ تھا جس سے یہودی رسول اللہ کو مخاطب کیا کرتے تھے - اس سے ان کا مقصد رسول اللہ کو رعوت سے متہم کرنا ہوتا تھا کہ کن وہ اسے اس طرح بولتے تھے جس سے یہ ایمان نہ ہو کہ وہ رَاعِيْنَا کہتے ہیں جس کے معنی میں شہری رعوت فرماتے - ہمارا خدائے رکھنے** - (یوں سمجھئے جیسے انگریزی میں کہتے ہیں (I beg your Pardon) - (رَاعِيْنَا کے لئے عنوان ر - ع - ی بھی دیکھئے)

رعی

الرَّعِيَّ* - گوس - الرَّعِيَّ* - اَلرَّعِيَّ* - گھاس چراگ - الرَّعِيَّ* - مرادہ نیز گھاس جو حری جائے - رَعِيَّ - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - جانوروں نے چراگیا جانوروں کو چراگ اور چرنے کے لئے چھوڑا - رَعِيَّ* - الرَّعِيَّ* - چرواہا - اس کی ایک جمع رَعِيَّ* ہے ذراکھئے (۱) - راعی نے نکلیا ہے کہ رَعِيَّ* دراصل حیوان کی ذہن - بقول نکرانی اور ہر شرح سے اس کی حفاظت کرنے کو کہتے ہیں - خواہ وہ غذا دیکر اس کی زمین کی حفاظت کرنا ہو یا زمینوں سے چراگ - چار** - چار بعد میں یہ ہر چیز کی حفاظت و نگہبانی اور خیال و سہ کے لئے ہونا چاہئے لہذا - مثلاً رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* کا خیال رکھنا اور اس کی حفاظت کی - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - اس کے لئے روئے اور انکی رفتار میں شور کیا اور ان کے خیال رکھا - اس سے مراد خدا کے معنی میں کسی بات کے خاص خیال و توجہ - کسی کی حفاظت و نگہبانی کرنا - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - اس نے اپنے معاملہ کی اچھی طرح نگہبانی کی اور اس کے مال پر نگہ رکھی - رَعِيَّ* - رَعِيَّ* - وہ سوبشی جن کی نگہبانی کی جائے اور انہیں چراگ چاہئے - نیز وہ لوگ جنکے امور کا کیوں و سبب و نگہبانی ہو اور جن پر کوئی نگہبانی و توجہ نہ ہو - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت اور نگہبانی کرنے کے ہیں -

سورة طہ میں ہے وَأَرْعَوْا شِعَارَكُمُ (۲) - "میرے مویشتوں کو نگہبانی کرو" - اور رَعِيَّ* کے معنی میں گوس یا چروہ - سيرة حدیث

میں وہی نیت کے مسک کے متعلق ہے فَمَا رَعَوْا حَقَّ رِشَائَتِهِمْ (۱۰۴) ”وہ میں کی نگہداشت نہ کر سکیں جیسا کہ اس کی نکتہ داشت کا حق تھا۔“ سورہ المؤمنون میں ہے وَٱلَّذِينَ هُمْ لَا يُخْشَوْنَ ۚ وَٱلَّذِينَ هُمْ لَا يُخْشَوْنَ (۱۰۴) ”جو لوگ انہی انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کی نگہداشت رکھتے ہیں۔“

سورہ بقرہ میں جماعت مؤمنین سے کہہ لیا ہے کہ نہ (یہودیوں کی طرح) رِشَائَتًا مِثْلَ كُفْرٍ (۱۰۴) - اور (یہودیوں سے) نہ وہ لوگ (یہودی) رسول اللہ ﷺ کے مخاطب کرتے وقت حفاظت کو توڑ کر اور نہ کہہ کر کے جس سے ان کا مفہوم بدل جائے۔ انہیں انصاف میں رِشَائَتًا کا لفظ بھی نہیں تھا۔ یہ ان کی ذلت کی انتہا تھی کہ جوش و خروش میں عدم ادب و معصرت کو اختیار کر - کل زاری سفاح پر کرتے تھے - بعض نے کہا ہے کہ وہ رِشَائَتًا کہہ کر کرتے تھے جو رِشَائَت سے ہے - (دیکھئے عنوان ر - ع - ن) - لیکن صاحب التفسیر نے لکھا ہے کہ رِشَائَت، مؤخر لغت سے ہے (مؤخرات لغت سے ہے) اور اس بات کی خصوصیت مترک ہے - اس طرح رِشَائَت کے معنی یہ ہوئے کہ نہ تم ہماری رعایت کرو نہ ہم تمہاری رعایت کریں گے - تم ہمہ را خدایا رہو نہ تو ہمہ تمہارا خیال رکھیں گے - اس قسم کے کلمات رسول خدا کی شان میں استعمال کرنا کبھی بے شایستگی ہی ہے - یہی انہیں غیر مشروط طور پر طاعت رسول کا امر کرنا چاہئے، جو دراصل طاعت خدا ہے اور ہمیں ان کا فریضہ طاعت ہے - انہیں رسول سے نہیں کہہ چاہئے کہ اَسْأَلُكَ اَمْرًا بِرِشَائَتِكَ (۱۰۴) ”اگر وہ ہم سے راہ نہ مانے ہیں - اور میں نے بعد ان کا فریضہ طاعت ہے -“ اور جب کہ ان کے بعد احوال میں ان کی طاعت نہیں ہے۔

وَاسْمَعُوا (۱۰۴) -

یہاں ہمہ را خدایا سے کہہ میں اس ایمان کو ایسے قبول کرنا ہے جس سے میں اس کو کہتا ہے جس میں غم اور صحت میں شوق نہیں اور حق و باطل کا فرق واضح نہ ہو - تو اُمی ہوں یا عدل سے نہ تر رسول کا نہ متخصیص نہ ہو - یہہ تک بھی نہ ہوں تو میں سے جدا چاہئے اور مجھے تمکنتی ہو میں کے جز کے لئے کہ میں بنا چاہئے - یہہ میں کی طاعت اور شرع میں کو صاف، واضح اور بین ہونا چاہئے - ان امور میں (۱۰۴) سمعوا سماعتی میں قسم کا لفظ نہیں ہے لکن اس کی شبیہ جہت نہیں ہوتی چاہئے -

ر غ ب

رَغْبَةً کے اصلی معنی کسی چیز کے وسیع ہو جانے کے ہیں۔ رَغْبٌ
 اُسْتَقْبٰی۔ چیز وسیع ہو گئی۔ حَتَّوْضٌ رَغِيبٌ۔ وسیع حوض۔ الرَغْبَةُ
 الرَغْبَةُ۔ بہت زیادہ چاہنا۔ ارادہ کی وسعت۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی
 معنی (۱) طمب کرنا۔ چاہنا (۲) وسعت پتائے ہیں۔ وَاَدِ رَغِيبٌ۔
 بڑی کنسادہ وادی جس میں بہت زیادہ پانی سما جائے۔ تَرَاغِبُ الْمَكَانِ۔
 جگہ وسیع ہو گئی۔ اَرَاغِبُ اِلٰہُ قَدَرُ رَكَبَ۔ خدا تیرے مرتبہ کو بڑھائے۔
 اَلرَّغَابُ بہت دودھ دینے والے اور کثیر المنفعت چاندور۔ نیز شہر وسیع
 و کشادہ چیز نو رَغِيبٌ کہتے ہیں۔** اسی سے رَاغِب نے کہا ہے کہ
 جب رَغِيبٌ فِیْہُ یَا رَغِيبٌ۔ اَلَمْہُ کہا جائے تو اس کے معنی ہوتے
 ہیں۔ (ارادے کی وسعت کے ساتھ) کسی چیز کو چاہنا اور اس کی حرص کرنا۔
 اَلْحَسْبُ اِلٰہُ رَاغِبُوْنَ (۱۰۵) میں بھی یہی معنی ہیں۔ (نیز اُنہی) میں۔ اور
 جب رَغِيبٌ عِنَّمَا کہا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے رغبت کرنے سے
 ہر لینے۔ جیسے وَمَنْ یَّرَاغِبْ عَنِ مِیثَاقِ اِبْرٰہِیْمَ (۱۰۶)۔ نیز
 (۱۰۷) میں رَاغِبٌ کے بعد عَنِ آیا ہے۔ ان مقامات میں اس کے معنی پھر
 جانا۔ رغبت ہٹا لینا ہیں۔

سورۃ نساء میں ہے لَا تَتَّبِعُوا نِسْوٰی الْاٰمِنٰتِ سَاکِنٰتِ رِجَالِہُم مَّا رَزَقْنٰہُنَّ
 اَنْ یَّکْرِہُوْنَہُنَّ (۱۰۸)۔ یہاں تَرَاغِبُوْنَ کا صیغہ آئی ہے اس سے اُنہی
 نہ عَنِ (لیکن سبکی عبارت کا تقاضا ہے کہ اس کا صیغہ اُنہی ہو۔ مطلب یہ ہے
 کہ تم وہ عورتوں اور یتیم لڑکیوں کو وہ کچھ تو ذیبت نہیں جمہ ہتے جو
 قانون خداوندی کی رو سے انہیں مل چکے اور چاہتے یہ ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔
 نوح نے صراحت کی ہے کہ رَغِيبٌ فِیْہُ کے معنوں میں رَغِيبٌ بَغِیرِی کے
 بھی آتا ہے۔ یعنی اُسے چاہنا۔ اس کا ارادہ کیا۔

سورۃ النہل میں رَغِيبًا بَعْدَہُ رَغِيبًا آیا ہے (۱۰۹) رَغِيبٌ کے معنی

خوف کے ہیں۔

ر غ د

عِيسٰی رَغْمًا و رَغْمًا۔ خونگوار کش۔ وہ ورفراخ روزی۔ فراغت روزی۔
 رَغْمًا عِيسٰیہ۔ کی زانیگی خونگوار اور روزی کشادہ ہو گئی۔ اَرَاغْمًا وَا
 مَعًا سِیِّئًا۔ نہ ہونے آزادی سے اپنے مویشی چرنے کے لئے چاندور نہ ہے۔

راغب۔** نوح۔

دعوتوں کے اس سرایک رسمہ بندہ دیر دینا ہے مگر ایسے کئی واسطے کشادہ
مل جائیں گے۔

رف ت

۱۔ فُتَّتْ - پھوٹا۔ نہ مٹی نہیں جو زمیں سے جھوٹ جائے و لا جہہ را۔
 پھوٹا۔ بکڑت ہو رہا ہے۔ نیز رستی کے ٹکڑے۔ رُفَّتْ السَّجَّیں - رسی ٹکڑے
 ہو گئے ہو گئی۔ رُفَّتْ - پکڑا۔ اسی چیز کو توڑنا، ٹوٹنا۔ شہد
 سے بٹھو رہا دینا۔ جیسے مٹی کے ٹکڑے یا سوکھ رہی کو پھر بندھا
 دیا جاتا ہے*۔

سورہ ہی اسرائیل میں ہے۔ اُن کے لئے عیناً مقرر کیا گیا (۱۱)۔ کہ جب
 وہ تئیں دوبارہ آئے اور ہمیں ہوسہ کہ یہ نہیں پتہ پورا ہے۔ اس نے پورا
 پورا شہ جہاں اتنا اس کے بعد بھی انہی کے لئے ہے؟۔ حضور حاضر کے مادہ پرستوں
 (Materialists) کی طرح نہ کہ بھی یہی خیال تھا کہ زندگی صرف طبیعی عناصر
 کے سمہار کے لئے رہ سکتی ہے۔ اگر یہ سمہار کے لئے ہے تو یہ زندگی کا امر
 نہیں رہتا۔ نہ کہ اس میں زندگی کی ترقی کی گئی اور کہ جس میں
 زندگی کے لئے یہ سب کچھ سمہار کے لئے ہے۔ اس میں نہ اس کے
 اندر ہے کہ اسے موجودہ اسمعی سمہاروں کے بغیر بنا سہارا یہ کسے اور شریعت
 کے سمہاروں کے ساتھ اس کے لئے ہے۔ اُن کے لئے یہی نہیں چاہیے۔ اس کے لئے

رف ث

[illegible]

* تاج و راغب - ** تاج

ہے کہ حج کے اجتماع میں کوئی فحش خیال یا ایسی بات یا حرکت سرزد نہ ہو۔ یعنی چاہئے جس میں جنسی میلان پایا جاتا ہو۔ روزوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے اَحْيٰی لَکُمْ لَیْمَتَہُ السَّحْرِ مَہِ الشَّرْفِ اٰی نِیْسَآئِکُمْ (۱۱۱)۔ تمہارے لئے روزوں کی رات میں سنی عورتوں کی طرف رفت حلال کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اٰی نِیْسَآئِکُمْ کا ٹکڑا بڑھا کر وضع کر دیا ہے کہ اس سے کثابہ جماع ہے۔

ر ف د

الرَّفْدُ - غطا - صہ - ایسی چیز جس سے کسی کو سہارا دیا جائے۔
مَدَد، حَصَہ و نصیب - رَفَدَہ - یَرْفِیہ - رَفَدًا - اسنے اسکی مدد کی - اسے دیا - اَلَا رَفَادٌ - مدد دینا - غطا کرنا - اصل میں اَلَا رَفَادٌ زمین یا کجواہ کے نیچے کھڑا وغیرہ (رَفَادَۃ) رکھنے کو کہتے ہیں تاکہ جانور کی پیشہ زخمی نہ ہو جائے۔ اَلَا رَفَادَہ - ڈھیرے کا ٹکڑا یا پٹیاں جس سے زخم کا مسدود کیا جائے۔ نیز وہ غطیہ اور حندہ جو (زمانہ جاشیت میں) دریش اکھوت کرتے اس سے محتاج حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدنا شروع تھے۔
اَلَا رَفَادٌ - کسب کرنا - کمانا *۔

سورۃ ہود میں ہے بَیِّنُ السَّرْفِ اَلَمَرْفُودُ (۱۱۱) کتنا برا غنیہ اور صہ ہے۔ کتنی بڑی مدد ہے جس سے ان کا مداوا کیا گیا ہے اور جس کو انہیں سہارا دیا گیا ہے۔

ر ف ع

رَفَعَ - بَرَفَعَ - بلند کرنا - رَافِع نے کہا ہے کہ رَفَعَ کسی کو مادی چیز جو پڑی ہوئی ہو اسے اس کی جگہ سے اٹھ کر بلند کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ ابھی تعمیر کے وقت دیوار وغیرہ کو کھڑا کرنے اور اُڑنے جانے کے لئے۔ کبھی ناموری اور شہرت پر ذکر ہوتا ہے۔ کرنے کے لئے اور کبھی مرتبہ بلند کرنے کے لئے کہا ہے۔ بن فرس نے کہا ہے کہ اس کے بندہ کی معنی ہیں، اونچا کرنا اور نیا لانا۔ اسی سے اس کے معنی کسی چیز کو قریب کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز پھیلانے اور بڑھانے کے۔

رَفَعَ - متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مفہوم میں شدت یا مبلغ پایا جاتا ہے۔ یعنی جو کام دینا سے تیزی اور شدت سے کرنا۔

* تاج و راغب۔

مَنَالًا رَفَعَ الشَّعِيرَ فِي سَيْرِهِ - اونٹ نے اپنی رنار (بہت تیز) کر دی -
 رَفَعَ النَّوْمُ - لوگ سب کے سب علاقوں پر چڑھ گئے - بَرَقَ رَفِيعٌ -
 بندہ ہی ہر چمکنے والی بجلی - اَلرَّافِعَةُ (را کی تینوں حیرکتوں کے ساتھ)
 آواز کی سخی اور شدت - رَفِيعٌ - رَفِيعَةٌ - شریف اور عالی مرتبہ ہونا* -
 قرآنِ کریم میں ہے رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ النُّجُورَ (۱۲۱) - ہم نے
 تمہارے سر پر طور کا پہاڑ کھڑا کر دیا تھا - یعنی تم اس کے دامن میں تھے
 اور پہاڑ تمہارے اوپر تھا - عمارت کی بندی کے لئے تعمیر کعبہ کے ضمن میں
 ہے اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْكُفُوَاعِيْدَ (۱۲۲) - "جب ابراہیم (اس گھر کی)
 بنیادیں اٹھانا تھا" - رَفَعَ صَوْتًا - آواز بلند کی - رَفَعَ صَوْتَهُ فَوْقَ
 صَوْتِهِ کے لفظی معنی تو کسی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا ہیں لیکن اس
 سے مراد کسی کی رائے پر اپنی رائے کو فائق کرنا بھی ہوتا ہے (۱۲۳) -
 درجات کی بندی کے لئے حضرت ادریسؑ کے متعلق ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا
 عَلِيًّا (۱۲۴) - "ہم نے اسے بلند درجات عطا کر دیے" - خود اللہ تعالیٰ نے
 بنے آپ کو رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ (۱۲۵) کہا ہے - اس میں اگر رَفِيعٌ کو
 مَرْفُوعٌ کے معنی میں لیا جائے تو مطلب ہوگا مَرْفُوعٌ عَنِ الدَّرَجَاتِ -
 یعنی وہ بتدریج اپنے مقام بلند تک نہیں پہنچا بسکہ وہ ہے ہی اسی مقام پر
 مستوی - مطلب یہ ہے کہ وہ تدریج اور ارتقاء کی منازل سے بلند اور بالاتر ہے -
 اس سے فہم دار اعلیٰ اور بالاتر دستی بھی مراد ہے - نیز رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ کے
 معنی عَالِي الدَّرَجَاتِ بھی ہو سکتا ہے - یعنی بلند مرتبوں والا - اور اگر ہم
 رَفِيعٌ کو بمعنی فاعل (یعنی رَفِيعٌ) اس نو اس کے معنی ہونگے "درجات
 کا بلند کرنے والا" - سورہ و بعرہ میں جہاں خَافِضَةً کے مقابلہ میں رَفِيعَةً
 آیا ہے (۱۲۶) وہاں بھی مفہوم ہے - یعنی بلند مدارج و مقام پر لے جانے
 والی - یہاں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہا
 گیا ہے اِنَّہٗ رَفَعَهُ اللّٰهُ سَمِيًّا (۱۲۷) تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ
 اللہ نے ان کے مدارج بسببِ درذیل اور اس طرح اپنے مقرب بنالیا - ورنہ اگر
 رَفَعَ کے معنی جسمانی طور پر اوپر اٹھانے کے لئے جائیں تو سَمِيًّا (خدا کی
 طرف کے لفظ سے بسببِ نما بڑیگا کہ خدا کسی ایک مقام پر ہے - اس لئے
 کہ جب کسی جسمانی شے کے متعلق کہا جائیگا کہ وہ فرائی کی طرف
 کسی شے کی طرف وہ چیز جائیگی اس کا کوئی مقام متعین کرنا ضروری
 ہوتا - خدا کو کسی ایک مقام میں محدود سمجھنا قرآنِ کریم کے خلاف ہے -

اس لئے رَفَعَهُ اللہ تعالیٰ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ نے اس کے درجات
سند اکبر کے اسے اپنا مقرب بنا لیا۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب "شعبہ"
مستور" میں حضرت عیسیٰؑ کے تذکرہ جلد ۱ میں ملے گی)۔ نبی اکرمؐ کے
متعلق ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۱۰۰) ہم نے تیری عظمت کو تیرے
لئے بہت بلند کر دیا۔ اَرْفَعُ اور صَعِدُ کے لئے دیکھئے ص - ع - ہ - ۱۰۰

رف ف

رَفَفَ - کے بہت سے معنی ہیں لیکن قرآن کریم میں (۱۰۱) صرف رَفَّرَفَتْ
کا لفظ آیا ہے (جو نلانی نہیں رہا ہے) اس لئے ہم رَفَفَتْ کی بحث کو ضروری
نہیں سمجھتے۔ رَفَفَتْ الطَّائِرُ و رَفَّرَفَتْ - پرند نے فضا میں ہلچل دی اور
انہیں ہلایا۔ اَرْفَرَفَرَفَتْ - منتشر ہوتے۔ اَلرَّفَرَفَتْ - فرش، بچھونے، گھسنے
نکے، نیز سبز رنگ کے گدیے جو سونے کے لئے دری وغیرہ پر بچھائے جاتے
نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد (خیمہ کے پردے وغیرہ کا) وہ زُرد
حصہ (جہانرا) ہے جو لٹکا رہے لیکن عام طور پر اس کے معنی فرش یا بچھونے
جسی کے ہیں*۔ ابن فارس نے رَفَّرَفَتْ کے معنی پاشیدہ، بچھونے اور سبز
کپڑے کے لکھے ہیں۔

رف ق

الرَّحْمَةُ الرَّحْمَاءُ (جمع مترافق) کہنی - نیز نرمی و مہولت - رَفَّتِ الرَّحْمَةُ -
اونٹنی کے بازو (کہنی) کو باندھ دیا تاکہ وہ بہاگ نہ جائے۔ وہ رسی جس
سے اس کے بازو کو چوڑی ٹانگ کے ساتھ باندھا جاتا ہے رَفَقٌ کہلاتی
ہے۔ اسی سے اَرْفَقَتْ کے معنی ہم سفر جماعت کے ہیں (کیونکہ جسے وقت
ان کی کہنیوں ایک ساتھ جسی ہیں) لیکن جب وہ جماعت ایک دوسرے سے
الٹک ہو جائے تو پھر ان کے لئے رَفَقَتْ کہلاتی ہے، البتہ ان میں
سے ہر ایک ماٹھی کو رَفِيقٌ کہہا جاسکتا ہے۔ اَرْفَقَتْ - جماعت -
رَفَقَتْ - اس نے کہنی پر ٹک لگائی۔ اَلرَّحْمَةُ الرَّحْمَاءُ - جس جز پر ایک
لگائی جائے۔ تکہ، مہار،***۔ چونکہ اس طرح ٹیک لگانے سے رسی میں
اس لئے رَفَقَتْ کہلاتی ہے کہ جسے جس اس سے فائدہ ہو۔ رَفَقَتْ بِيہ، یا
رَفَقَتْ عَمَّہ - اس کے ساتھ نرمی کا برقرار رکھا۔*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ
کے بنیادی معنی سختی اور تشدد کے بغیر ایک دوسرے کے قریب اور رہنا اور ہلچل

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط۔

موافقت کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے حَسَنٌ اُولَئِكَ رَفِیْعَتُ (۹۰)۔ "یہ اچھے ساتھی ہیں"۔ ایسے رفقاء سفر جن کی رفقت سے انسان کی خامیاں پوری ہو کر اس کی ذات کا ور معاصرہ کا توازن قائم رہے۔ اور یہ سب لفظ بطیب خاطر ہو۔ دشمنی کے لئے یہ لفظ (۹۱) میں آیا ہے۔ سورۃ کہف میں ہے یُنَبِّئُكَ لَكُمْ مِنْ اَمْرِ دُنْیَاكُمْ مِیْرَفَتًا (۱)۔ وہ تمہارے پیش نظر مقصد میں انسانوں سے اکر دیکھا۔ اسی سورہ میں جہنم کی وسعت مَرَّتَمًا (۲) اور جنت کو حَسُنَتْ مَرَّتَمًا (۳) کہا گیا ہے۔ یعنی نیک لگانے کی حد۔ جس کے آمرے سے اوپر اٹھا جائے۔ جہنم کی زندگی ایسی ہے جس کے سہارے انسان، زندگی کے ارتقائی منازل طے نہیں کر سکتا۔ جنت کی زندگی ایسی ہے جو انسان کے اوپر اٹھنے اور بندیوں کی طرف جانے کا بہترین سہارا بنتی ہے۔ ایسا سہارا جس سے کہنی تو زن نہیں بگڑتا (حَسُنَتْ مَرَّتَمًا)۔ انسان اسی سہارے سے اوپر اٹھ سکتا ہے جو اس کے توازن کو قائم رکھے۔ توازن بگڑ جانے سے انسان لڑ پھڑا کر گر پڑتا ہے۔ (سَادَتْ مَرَّتَمًا)۔ سہارے کو جہنمی معاصرہ میں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ بڑے ناشموار ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ ان سے اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف جنتی معاصرے کے سہارے ہیں جن سے افراد کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے وہر اٹھتے اور آگے بڑھنے چلے جاتے ہیں۔

رقب

"الرَّقَبَةُ"۔ گردن کو کہتے ہیں۔ رَقَبَةُ۔ اس کی گردن میں رسی ڈال دی جائے تو وہ تابع و متدد ہو جاتا ہے، چنانچہ عرف عام میں الرَّقَبَةُ غلام کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع الرِّقَابُ ہے۔ آیت (۲۰۰) میں اشرِ قَب کے معنی غلام ہی ہیں۔ واحد کے لئے رَقَبَةُ (۲۰۱) وغیرہ میں بمعنی غلام آئے ہیں۔ رَقَبٌ۔ یَرْقُبُ۔ کے معنی انتشار کرنا، اور حَفَاتٌ و نكْمِدَاتٌ کرنا، دونوں آتے ہیں۔ جیسے وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي (۲۰۲) میں اس کے معنی چھوٹا ہونا، نہ مانگنا، نہ سننا اور نكْمِدَاتٌ کرنا، اس اور (۲۰۳) میں یَرْقُبُ کے بھی یہی معنی ہیں۔ لیکن یہ خاصیت کے لحاظ سے اس میں بار بار کونش اور تجسس سے

کسی چیز کا انتظار کرنا اور نگہداشت کرنا مراد ہوتا ہے۔ تاج میں اس کے معنی کسی چیز کی توقع کرنا اور اس کا انتظار کرنا لکھے ہیں۔ راقب نے اس کے معنی انتظار کرتے ہوئے کسی چیز سے بچنا لکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں بار بار اس کا خیال آتا تھا اور گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کوئی آتا تو نہیں رہا۔ رَقِيب کے معنی ہیں کسی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کرنے والا اور کسی چیز کا انتظار کرنے والا۔ نگران اور حفاظت کرنے والا۔ ان معنوں میں وَكَانَ اِنَّهُ عَمِي كَرَّ شَمِي رَقِيبًا (۳۳ و ۳۴) آیت ہے۔ (۱۸) میں رَقِيب بھی انہی معنوں میں آیا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی دیکھ بھال کے لئے کھڑے رہنے کے ہیں۔ گردن کو بھی الرَقِيبَةُ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایستادہ رہتی ہے۔

بات کا لحاظ رکھنے اور پاسداری کرنے کے لئے یہ لفظ (۱۸) میں آیا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، (۳۳) میں بھی اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔ اِرْتَقِبَ الشَّيْءُ کسی چیز کا انتظار کیا۔ اِرْتَقِبَ الْمَدَانُ کسی جگہ کے اوپر چڑھنا۔ بندھونا۔ مَرَقِبَةً چڑھنے کی جگہ۔ اِرْتَقِبَةً تحفظ اور ڈرنے کو ہرائے، دونوں معنوں میں آتا ہے۔ سورۃ دخان میں فَارْتَقِبْ آیا ہے (۱ و ۲)۔ اس کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ سورہ یونس میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان دیا گیا ہے قُلْ فَاسْتَغْفِرُوا لِيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِ (۱۰۲)۔ "اے میرے کہو کہ تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔"

رق د

اَرْتَقِدْ اَرْتَقِدْ اَرْتَقِدْ۔ سونا اَنُومُ*۔ قرآن حکیم میں یہ مادہ يَنْتَفِ (بیداری) کے مقابلہ میں آیا ہے۔ وَتَجَسَّيْتُمْ اَبْتَانَاوَعَمَّ رُقُودٌ (۱۸)۔ "تو خپل کرتا ہے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں،۔ مَرَقَمٌ۔ خوابگاہ (سوئے کی جگہ)۔ سورہ یس میں اَمَّنْ بِمَعْنَى مِّنْ مَّرَقَمِنَا (۳۳)۔ "ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کسی نے اٹھا دیا،۔"

راقب نے کہا ہے کہ اَرْتَقِدْ تہوڑی سی خوشگوار نیند کو کہتے ہیں۔* ان معانی کے اعتبار سے سورۃ کہف کی آیت (۱۸) کا مفہوم واضح ہو

جس نے کتبہ وہ لوگ زیادہ دیر تک نہیں سہوتے تھے۔ تھوڑی سی نیند کمر لگنے لگے اور وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ باہر سے نیکہنے والا یہی سمجھنے لگے وہ جاگ رہے ہیں۔ وہ اپنی حفاظت سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

رق ق

لُثْرِقٌ - اَلْثَرِيقُ - باریک جھلی یا کپل جس پر لکھا جاتا ہے۔ اَلْثَرِيقُ - سفید صحنہ۔ سفید ورق جس پر لکھا ہوا ہو*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہتلا پن اور نرمی ہیں۔

لُثْرِقٌ - اَلْثَرِيقُ - یہی اور باریک چیز۔ لُثْرِيقَةٌ - طبیعت کی نرمی۔ اَلْثَرِيقُ - غلامی*۔

قِرآنِ کَرِیمِ میں ہے وَ کَتَبَ مَسْنُونٌ فِی رَقٍّ مَّنشُورٍ
ہاں۔ "لکھی ہوئی کتاب" پھیلی ہوئی باریک جھلی پر۔"

رق م

رَقْمٌ - رَقْمٌ - لکھنا۔ رَقْمٌ اِیکہ ب : کتاب کو اس طرح لکھنا کہ حروف، نشانات، اسرار وغیرہ کے اجتماع سے وہ واضح اور مہین ہوئی**۔
قِرآنِ کَرِیمِ میں ہے کَتَبَ مَسْنُونٌ رَقْمٌ اِیکہ ب : واضح عبارت میں لکھی ہوئی کتاب یا نشان زدہ کہ ب، نمونہ کے رَقْمٌ اِیکہ ب کے معنی ہوتے ہیں نمونے دکھانے پر اور بیعت کے نعت کے لئے نشان لگانا۔ ذَا بَعْدَ مَرَقْمٌ مَتَّعَ۔
وہ حروف جس کے اُٹھانے پر دُشمنی کے نشانات اور دُشمنوں کا وجود ہوں گے۔ ابن عرب نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تحریر اور لکھنا ہیں۔
وہ نمونے کے حروف سے لکھا ہے کہ اَلْثَرِيقُ کے معنی ہیں عبارت کو علامت کے ذریعے واضح کرنا۔ اور کَتَبَ مَسْنُونٌ رَقْمٌ اِیکہ ب کتاب کو اس وقت کہ جس کے حروف پر دشمنوں کے ذریعے علامات لگادی جائیں۔

قِرآنِ کَرِیمِ میں صُحُفٌ اَلْکُتُبُ وَاَلْثَرِيقُ (۱۹) آیت ہے۔ اس کے معنی عام طور پر یہ کہئے جاتے ہیں کہ ان ساروں کے معنی ہیں اُن کی دھت کی بجائی۔ لکھنا کرنا کے معنی ہیں۔ شہر کا دہانے لئے تھے اس لئے انہیں صُحُفٌ اَلْکُتُبُ کہئے گئے۔ جو عامہ صُحُفٌ اَلْکُتُبُ کے معنی ہیں۔
اس آیت میں ہے اَلْکُتُبُ وَاَلْثَرِيقُ اَلْکُتُبُ کے معنی ہیں۔

مَرْقُومٌ آیا ہے۔ یعنی لکھی ہوئی۔ لیکن حال کی تحقیقات کا رخ اس طرف گیا ہے کہ یہ لفظ وہی ہے جسے تورات میں رَقِیْبُمْ کہا گیا ہے۔ یہ ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر پیٹرا کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے بشارہ کہنے لگے۔ یہ جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ کے شمال کی طرف منبج مرتفع پر واقع تھا۔ جب دوسری صدی عیسوی میں روموں نے شام اور فلسطین کا الحاق کیا تو اس شہر نے رومی نوآبادی کی حیثیت سے بڑی سہولت اختیار کر لی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس علاقہ کے اثری انکشافات کا سلسلہ شروع ہوا تو وہاں بڑے بڑے وسیع غار ملے، جن کے اندر اور باہر عمارات کے نشان ملتے ہیں۔ خیال غالب یہی ہے کہ أَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ (۱۸) انہی غاروں میں سے ایک غار میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے جہاں بعد میں انکی یادگار کے طور پر معبد بنایا گیا تھا۔ (نیز دیکھئے عنوان اصحاب الکھف والرقیم)۔

رق و

الرَّقِیْمُ۔ ریت کا چھوٹا سا ٹیلہ۔ الرِّقْیَہ۔ حنفی کے نیچے سینے کا باری حصہ جہاں سانس پہنچتا دکھائی دیتا ہے۔ ہنسی (کی ہڈی)۔ اسکی جمع تَرَاقٍ اور الرِّقَاقِ آتی ہے *۔ اِذَا بَتَغَتِ الرِّقَاقِیَّ (۱۸) قرآن کریم میں آیا ہے۔ یعنی "جب جہاں سننے کے اوپر کے حصے تک پہنچے گی"۔ آخری وقت پہنچے گا۔ اصل مفہوم اس میں اوپر چڑھنے کا ہے۔ چنانچہ رَقَّ الرِّقَاقُ کے معنی ہیں رنہ اپنی اڑن میں بنسہ ہو گیا۔ (اس کے سننے عنوان ر۔ ق۔ ی بھی دیکھئے)۔

رقی

رَقِیَ۔ یَرَقِی۔ رَقِیًّا۔ رَقِیَّتْ اوپر چڑھنا۔ نیز ارْتَقِی و تَرَقَّی۔ اوپر چڑھنا *۔ قرآن کریم میں ہے اَوْ تَرَقَّی فِی السَّمَاوَاتِ (۱۸) یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ الرِّقْیَہ۔ ہنسی، نیز سینے کے اوپر حنفی کے آگے حصہ جہاں سانس چڑھتا ہے۔ جمع تَرَاقٍ اور الرِّقَاقِیَّ **۔ قرآن کریم میں ہے اِذَا بَتَغَتِ الرِّقَاقِیَّ (۱۸)۔ نیز دیکھئے عنوان (ر۔ ق۔ ی)۔ اِشْرَاقٌ۔ چہرہ پھونک۔ رَقَّہ رَقِیًّا۔ وَرَقِیَّتْ۔ اسے س۔ ر جوڑ پھونک کی۔ رَاقٍ۔ جھاڑ پھونک کرنے والا۔ * قرآن کریم میں ہے مَسَّنْ رَاقٍ (۱۸)۔ * تاج و ہجیمہ۔ * بعض اہل لغت نے لفظ راقی کی تفسیر میں یہ لکھا ہے لیکن اشارہ راجح خیال یہ ہے کہ اس میں ب زائد ہے اور اس کا مادہ ر۔ ق۔ و ہے۔

کون ہے جو جہاز نہونک سے اسکی جان بچائے ؟ ابن فارس نے کہا ہے کہہ
رَقَّی کے بنیادی معنی میں (۱) چڑھنا اور (۲) تعویذ منتر وغیرہ۔ مثلاً میں -
الْمَرْقَاهُ وَالْمَرْقَاهُ - سڑھسی سڑھتے ہیں * - اَلْمَرْقَاهُ - پہاڑوں
پر چڑھنے والا *۔

ر ک ب

رَكِبَہُ بَرٌ نَبَہُ - رَكَّوْبًا - کسی حمز پر چڑھا، بند ہوا، سوار
ہو *۔ خواہ جب سوار ہو۔۔ کشنی وغیرہ۔ اِذَا رَكِبَہُ فِي السَّيْفِ نَبَہُ
الْمَرْقَاهُ - جب وہ دونوں نشتی پر سوار ہوئے۔ رَاکِبٌ - سوار۔ اسکی
جمع ہے اَشْرَکِبٌ (۱) اور رُکَبَانٌ (۲) بمقتابہ رَجَلًا - یعنی بدل -
سَرَّکَابٌ - وہ اونٹ جن پر سواری کی جائے (۳) اور سکا واحد رَحِیۃٌ ہے
جو اس سادہ سے نہیں ہے۔ اَلْمَرْکَبُ (جمع اَلْمَرْکَبَاتِ) - جس پر
سواری کی جائے۔ رَنُوبٌ - سواری کا جنور (۴)۔

رَکَبَ - ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھنا۔ جہان *۔ چڑھنا *۔
تَرَکِبَ دینا۔ (۵) - مُتَرَاکِبًا - ایک کے اور دوسرا چڑھا ہوا (۶)۔

نسان کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ مختلف ارتقائی منازل طے
کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا ہے اور اب اسکی بعد مزید ارتقائی منزل طے کرتا
ہوا کے بڑھتا اور اوپر بڑھتا جا رہا ہے۔ اسکی لئے سورۃ النشۃ میں ہے
اَلْاَنۡرَکِبۡنَ صَبَہَاۃً عَنۡ صَبَہَاۃٍ (۱)۔ "تو ایک حیات سے دوسری حیات
پر چڑھتے ہوئے درجہ بدرجہ اوپر بڑھتے جاؤ گے"۔ انسانی زندگی کا موجودہ
مقام اس قدر انتہائی نہیں ہے۔ اسے اپنی بہت کچھ بڑھنا اور بند ہونا ہے۔ اس لئے
موت سے بعد حیات ختم نہیں ہو جائے۔ خاک کے ذرے - ذرات - ذرات -
(۱) ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے انسانی تک پہنچے ہیں۔ لیکن
اس میں انسانی ذات طبعی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس میں
ارتقاء (۲) کی نئی منزل شروع ہوئی ہے۔ یعنی انسانی جسم کے بڑھنے
انسانی ذات (Human Entity) کا ارتقاء۔ یہ ارتقاء ہی انسانی میں شروع
ہوا۔ اس موت کے بعد نئی جاتی رہتا ہے۔ یعنی اس کے راستے میں طبعی موت
(Physical Death) کوئی رکاوٹ نہیں۔

اس میں یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ خود انسانیت (Humanity)
تو بہت کم اور کثیر النسی جی آرہی ہے۔ تاریخ انہی تہذیب کا ریکارڈ ہے۔

* تاج - ** محیط -

رک س

اَشْرَکُوْا دُۡمًا سَاکِنٌ مِّنْهُمۡ یَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ
نہ ہو۔ رَکَّزَتِ السَّیۡفَ مَکَّةَ ۚ اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ وَکُنۡی *۔

تَبَرُّواْ کِرۡمًا ۚ حَوَاسِیۡہِمْ کَ تَبۡنٍ یَّتَدَرَّجُوۡا فِیۡہَا بِرُءُوسِہِمْ اَسۡتَعۡمِلَ کُلُّہُمۡ شَہۡمًا
(کیونکہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں) **۔

قرآن حکیم میں مذکوروں کے معنی یہ ہیں کہ کِرْمًا عَمَلِی نَمَہُ رَہ (انداز
"سمندر کی بہت بڑی غوری کی کھڑی رہ جانی"۔ حلی نہ ساکن۔ یعنی اگر
خدا کے ہاتھ سے کسی کو بھی ہو جائے گا کہ وہ جہاں سے چاہے وہاں سے
والی کشتیاں ساکن رہ جائیں۔

رک ز

اَشْرَکُوْا دُۡمًا سَاکِنٌ مِّنْهُمۡ یَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ
کی وہ آواز جو سب سے اونچی ہے، جیسے شہری کی آواز کے لئے آواز ہے۔
سُورۃ مَرۡیَمَ مِّنْہَا اَوۡفَیۡنَا سَمۡعَہَا اَنۡ تَقۡرَأَ اٰیٰتِہَا ۚ وَتَقۡرَأَ اٰیٰتِہَا ۚ وَتَقۡرَأَ اٰیٰتِہَا ۚ
آواز (بیشک) یہی تمہیں سنائی دیتی ہے، یہ "خفیس" کے ساتھ ہے
رَکَّزَتِ مَکَّةَ ۚ اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ وَکُنۡی *۔ اسے بیٹھنے کی اور سر کو اٹھانے
اور اس کے زلزلہ میں مدد کرنے کہتے ہیں۔ اور بعد ازاں کھڑے ہو کر خدا
کے زمین میں موقوف رہا ہے۔ کیونکہ جس چیز کو دیا اور رکھا جائے
ہے وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہے اور نہ اس کے سامنے نہ اس کے پیچھے نہ اس کے
وہ اپنی جگہ قائم اور بہت بڑا ہے۔ اسی سے رَکَّزَتِ مَکَّةَ ۚ اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ
ہیں اس نے نواز سب سے زیادہ زمین میں رکھا ہے۔ اور اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ کی
جگہ کو چاہئے ہے۔ ان میں سے تمہارا ہے کہ اس کی بہت سی معنی ہیں
(۱) کسی چیز کو دوسری چیز میں اس طرح اتار دینا یا رکھ دینا کہ وہ اس
میں مستحکم ہو جائے۔ (۲) آواز۔ آہٹ۔

رک س

اَشْرَکُوْا دُۡمًا سَاکِنٌ مِّنْهُمۡ یَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ وَیَسۡتَکۡبِرُ سَوۡیًا ۚ
مڑ کر پیچھے ہٹنے کے ساتھ ہے۔ کسی چیز کو اٹھانے کے لئے اور اسے
کے اوپر رکھ دینا۔ رَکَّزَتِ مَکَّةَ ۚ اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ *۔ اس کے معنی ہیں کہ جس نے اس
پناہ و مدد اور مدد کے لئے۔ رَکَّزَتِ مَکَّةَ ۚ اَسۡتَیۡنَاکَ اِنۡمَازَہُ *۔

اونٹ کی نکیل میں باندھ دیا جاتا ہے اور دوسرا سہرا اس کے پٹاؤں سے اور اسے
اتھ تگ رکھا جاتا ہے کہہ اونٹ کا سر ہری طرح جھکا رہے اور وہ اس طرح
سیخت تکیوں میں رہے۔ یہ کچھ اسے سمجھنے کیلئے کرتے ہیں۔ اور تم کہیں کہ
اس کا سر جھک گیا۔ وہ الٹ گیا*۔

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے وَأَنَّهُ أَرَاكَ سَيِّئًا بِحَسَبِ
كَسَبُوكُمُوهَا (۲۸)۔ ”اللہ نے انکے اعمال کی وجہ سے انکا سر جھکا دیا“۔ انہیں
ذلیل و خوار کر دیا۔ انہیں سخت مصیبت میں ڈال دیا۔ یہاں انہیں پھر کفر
میں پلٹا دیا۔ یہی معنی (۹۱) میں بھی ہیں۔

ر ک ض

آثَرُ كُفْرٍ۔ گھوڑے کو تیز دوڑانے کیلئے ایڑھ لگانا۔ پرنسٹ کرنے کیلئے
سروں کو متحرک کرنا۔ آثَرُ كُفْرٍ۔ تیز دوڑنا۔ قرآن کریم میں ہے مِثْلُهَا
بِرَّ كُفْرٍ وَلَا تَرَوْا كُفْرًا (۱۱۱)۔ اسکی معنی تیزی سے بھاگنے کے ہیں۔
اُمِّرَ كُفْرًا۔ وہ جہز جس سے آگ کو حرکت دیکر پھڑکا جائے*۔ سورۃ
ص میں حضرت ایوبؑ کے قصہ میں ہے أُرْ كُفْرًا بِرِّ جَلِيلٍ (۲۴)۔ اس کے معنی
حنسے کے ہیں۔ اپنے پاؤں کو تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں
کہہ اپنی ٹانگ کو اپنی میں دل کر اسے حرکت دے۔ ابن فارس نے کہا
ہے کہ ر ک ض کے بنیادی معنی آگے کی طرف متحرک ہونا یا متحرک کرنا ہیں۔

سورۃ النبیاء کی آیت (لَا تَرَوْا كُفْرًا)۔ ”اے کافر! تم کو حقیقت کی
ترجمہ ہے۔ مسابقت آیت میں ہے کہ جو قومیں اپنے معاشی نظام کو قوانین
خداوندی کے تابع رکھنے کی بجائے اپنی تدابیر کے تابع رکھتی ہیں وہ معاشرے
میں فساد برپا کر رہی ہیں۔ اس سے دولت کی تنظیم سخت ناممکن ہو جاتی
ہے جس کا خسران امر نہ جہ تباہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ دولت کے نشے میں
پرست اس کا احساس نہیں کرتیں کہ وہ کس تباہی کی طرف کشاں کشاں
ہو رہی ہیں۔ لہذا کہ جب وہ تباہی محسوس ضرور پرانے لوگوں کے سامنے
آتی ہے تو وہ اس سے بچنے کے لئے تیزی سے بھاگنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ لیکن اس وقت حصار کا قانون ملتا ہے۔ انہیں کوڑا دیے جاتے ہیں
وَأُرْ كُفْرًا۔ ”میں نے گئے کی کوشش کر رہا تھا اب یہ گے نہ نہیں جاسکتے۔
وَأُرْ كُفْرًا۔ ”میں نے تیرے لئے تیزی سے بھاگنے کی کوشش کرتے
ہیں۔“ اس میں اور آیتوں کے مساوات میں جنہیں تم نے غور جموں کے

دائیں بائیں میں جاتا ہے اور جب ”ہاں“ کہتے ہیں تو اس کی حرکت خود بخود
 اوپر نیچے ہو جاتی ہے۔ اس لئے قوانین خداوندی کے سامنے مرتسمیم خم کرنے
 کی محسوس ترجمانی اجتماعاتِ صلوٰۃ میں رُکُوع اور سَجْدۃ کی شکل
 میں ہوتی ہے۔ تَرَاۤءُہُمْ رُکُوعًا سَجْدًا . . . مِمَّا دُۡرِیٰ وَجُوہِہِمْ
 مِّنْ اَشْرِ السُّجُوۡدِ (۲۹)۔ ”تو انہیں رُکُوع و سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا
 ہے۔ . . . اطاعت کے اثر سے ان کی قبیح کیفیات ان کے چہروں پر (ظاہر) ہیں۔“
 ظاہر ہے کہہ اگر کوئی شخص نماز میں رُکُوع اور سجدہ تو کرے لیکن
 اپنی زندگی غیر خدائی قوانین کے تابع بسر کرے، تو اس کے یہ رُکُوع
 و سجدہ منشاء خداوندی کے مطابق نہیں ہوں گے۔ یعنی وہ چند منٹ کے لئے
 (اور وہ بھی بظاہر) خدا کے سامنے جھکتا ہے لیکن اپنی پوری زندگی میں عملاً
 غیر اللہ کے سامنے جھکتا رہتا ہے۔ اس لئے اس کے یہ رُکُوع اور سجدہ خدا
 کی اطاعت کی علامات نہیں ہیں۔ سچا رُکُوع اور سجدہ یہ ہے کہ انسان کا
 دل قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائے، اور دل کے جھکنے کے ساتھ اس
 کا سر بھی تعظیماً جھک جائے۔ اجتماعاتِ صلوٰۃ کی محسوس حرکت سے یہی
 مقصود ہے۔

رک م

الرَّکْعۃُ ثَمَّ۔ کسی چیز کو اوپر سے رکھنا اور جمع کرنا، حتکہ وہ تہ بہ
 تہ ڈھیر کی شکل اختیار کر جائے۔ فَبَیِّنَ رُکْعَہُ (۱۷)۔ ”وہ ان سب کو
 اوپر تلے ڈھیر بنا دیا۔“ رُکْعۃ۔ اور تمہیں رکھی ہوئی چیزوں کا ڈھیر*۔
 ثُمَّ یَجْعَلُہُ رُکْعًا۔ (۲۲)۔ پھر انہیں اوپر سے رکھ کر دینز بادل کی شکل
 دیتا ہے۔ سورہ طور میں ہے سَدَحَبٌ مَّرْرٌ کُوءٌ (۲۲)۔ تہ بہ تہ بادل۔
 نَاقِلٌ مَّرْرٌ کُوءٌ اس ونسی کو کہتے ہیں جو بہت فریبہ ہو جس پر چربی
 کی تہیں چڑھی ہوئی ہوں*۔

رک ن

رَکِیۡنَ۔ بِرُکْنِ (النَّیۡۃِ)۔ کسی کی طرف مائل ہونا اور سکون
 پانا۔ سورہ ہود میں ہے وَلَا تَرُکُّوۡا الّٰی الّٰیۡنَ فَتَمۡوُۡا (۱۱)۔
 جو لوگ سرکش ہیں ان کی طرف مت جھکو۔ ان کی طرف مائل مت ہو۔

* تاج و محیط و راغب۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "وَلَوْ لَا أَن تَبَيَّنَ لَكَ لَدُنَّا تَوْرُ الْفَرِّغِ
الْبَهِيمِ مُبَيَّنًا قَدِيمًا (۱۶)۔" اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ رہنے دیا تو
تو نہوڑا یا ان کی طرف جھٹک جاتا۔ رسول کا مقام یہ ہوتا ہے کہ جبہ ن عدم
انسان (اپنے مشن کی حد سے بھی مسمی) زچہ نہ کیجیے۔ دو۔ روں کی خاطر جھٹک جائے
ہیں، رسول ایسا ابھی نہیں آئتا۔ (دیکھو) ۱۶ و ۱۷

الرَّحْمَنُ - وہ چیز جس سے کسی کو تقویت پہنچتی ہو۔ سمرا - بن
 فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت کے ہیں۔ رُحْنُ کسی چیز
 کے قوی ترین حصہ کو کہتے ہیں۔ سورد ہونہ میں ہے وِثْرُ سی رُحْنُ
 شَمْرِيَّةُ (۱۱۱) میں ایک خراجہ سہارنے کی بناء ہے لہٰذا۔ ان فارس نے رُحْنُ
 شَمْرِيَّةُ کے معنی عزت و غلبہ بتائے ہیں جس کی وجہ سے کسی کو تاج
 مخالفت نہ ہو سکے۔ اَرْكَانُ الشَّيْءِ - چیز کے احواف و جوانب۔ وہ سمرا نے
 جن پر وہ چیز قائم ہو*۔

三

السرمانج - (جمع رمانج) - نیزہ - قرون عربیہ میں سے تھا۔
ایکریکیم - (جمع رمانج) - (جس تک تمہارا زمانہ اور زمانہ)

(مہج زاً عربیوں میں فقر و فاقہ کو بھی اَلرَّمْضَحُ کہتے ہیں۔**) - قاجار میں اس معنی کے لئے بجائے رَمَضَح کے رَمَضَح لکھا ہے۔)

رمز

الرماد* - رنہ نو نہتے ہنس - خا دستر* - این رس نے نہتے ہے
کہ اَلَا رَمَادُہر اس خیز نو نہتے ہنس جس کا رنگ سفید لوند و زگنہ ہے۔ معنی
خا دستری رنگ۔ رَمَادُہے۔ ہلاٹ - تباعی - اَوَمَادُ شَوَامُ - ہوا خشک
مالی میں مبتلا ہونے ورن کے مویشی نبہ ہو گئے۔

قرآنِ کریم میں غمہ روتی زندگی سرجمے و ایشوں کے غمہ شوق سی
رَمَآد سے نشیبہ دی گئی ہے جس پر سیخ تیز نور جمے ۱۲ ۔ ۔ ۔ شرف
ایسے جھپکڑ میں اس خطِ کسبتر نام و نشان تک پای نہیں رہ سکتا ۔ غمہ سدا
ور غمہ دھن ، زمانے کے غمہ و بیز بہ محو و زبانیہ حواس ۔ ۔ ۔ غمہ نے چہرہ
نہیں سکتے ، اگرچہ ار دھم کے زخم پرک سرج ۱۳ وہ بہت بڑا اور زہاد ہمارے آسے ۔

*ماج و راغب و محیط - ** محیط -

ر م ز

الرَّمْزُ کے معنی جنبش و حرکت کے ہیں*۔ ابن فارس نے اس کے
نسبہ معنی حرکت و اضطراب بتائے ہیں۔ الرَّمْزُ - کثر الحركات کو
کہتے ہیں۔** اسی سے اس کے معنی اشارے کے ہیں خواہ وہ ہونٹوں سے کیا
جائے یا انگلیوں سے یا ابروؤں سے یا منہ، ہاتھ اور زبان سے۔ اور اس کے ساتھ
آواز نہ ہو۔ اور اگر آواز ہو تو وہ کی سی، جسے کنا پھوسی میں ہوتی ہے۔**
سورۃ آل عمران میں حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے..... اَرْسَلْنَا
رُوحَنَا بِالنَّفْثِ الْمَلَكِ اَيُّهَا الرَّمْزُ (۳۱)۔ "تو تین دن تک لوگوں سے
اندر کے مواہبات نہ کرے گا، - شریعت یہود میں، روزے میں بات کرنا
بھی منع تھا۔ یا اسے روزے بھی رکھے جاتے تھے جن میں چپ رہنے کی نیت
کی ہو (دیکھئے، ۲۶)۔

ر م ض

الرَّمَضُ - ریت وغیرہ کا سخت دھوب سے تپ جمانا۔ الرَّمَضُ -
الرَّمَضَاءُ - سخت گرمی اور تشنہ**۔ شَهْرُ الرَّمَضَانِ - (رمضان کا مہینہ)
یہ بھی گرمی میں اس مہینے کو نشانہ کرتے تھے۔ جب مہینوں کے نام بدلے
گئے (یہ بھی زمانہ قبل از اسلام کی بات ہے) تو چونکہ یہ مہینہ (اس تبدیلی
نام کے وقت) سخت گرمی میں پڑتا تھا اس لئے اس کا نام رَمَضَانُ ہو گیا**۔
اس مہینے میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا تھا۔ (۱)۔

فہری مہینوں کے لحاظ سے پہلی مہینہ ہمیشہ اُسی موسم میں نہیں
آسکتا۔ اس لئے اب رمضان کا مہینہ سخت سردی میں بھی آجاتا ہے۔ لیکن
ہمیں سمجھنا کہ رمضان کسی ہے۔ (مہینوں کی تبدیلی کے سلسلہ میں
دیکھئے عنوان ن - م - ا)۔

ر م م

رَمَمَ الرَّعِيْمُ : ہستی کل سوائی اور بوسیدہ ہو گئی۔ رَمَمَ الشَّيْءُ رَمًّا
وَارْتَمَاهُ : اس نے اس کو کو مکھن طور پر ڈھک دیا۔ الرَّمَمَةُ - بوسیدہ
حال میں۔ الرَّمَمَةُ - بوسیدہ رمی۔ الرَّمَمَةُ - حالت کے بودوں میں سے
جو چھوٹے ہوتے۔ نیز ہر پرانی اور بوسیدہ چیز کو بھی کہتے ہیں۔ الرَّمَمَةُ
*محیط۔ **تاج۔

خشک گھاس کا چور۔ بھوسہ۔ -انی کے اوپر بہ جانے والا کھرا۔ -الارمہام۔
خاموش ہو جانا۔ سکوت۔ -الرمہ۔ بوسیدہ چیز کو درست کر دینا*۔
ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہوتے ہیں۔ (۱) چیز
کو درست کرنے۔ (۲) چیز کو بوسیدہ ہو جانا۔ (۳) خاموش رہنا۔ اور
(۴) باتیں کرنا (اضداد میں سے ہے)۔

قرآن کریم میں ہے مِّنْ يُّجْنَى الْعَيْشَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (۱۰۰)۔
”شایاں جب بوسیدہ ہو جائیں تو انہیں کون زندہ کر سکتا ہے“۔ سورۃ ذاریات
میں اُس نبیہ کن آنسہ کی متعلق ہے جو قوم عاد پر جاتی تھی کہ وہ متذکر
مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِمْ اِلَآهَ جَعَلْنَاهُ كَالرَّمِيمِ (۱۱۰)۔ ”وہ کسی
شے کو نہیں چھوڑتی تھی جس پر آتی تھی بجز اس کے کہ اسے حورا شرکے
رکھ دیتی تھی“۔

ر م ن

الرَّمْيَانُ۔ انار۔ (درخت ہوں یہ میں، واحد رَمِيَانَةٌ)۔ غالباً انار
کی تاثیر کی وجہ سے (جو دل کو تیر دیتی ہے) رَمِيَانُ یا الرَّمْيَانُ کے معنی
ہیں وہ اس جگہ مقیم ہو گا۔ قرآن مکریم نے انکور۔ رستوں۔ اور اناروں کے
بابت کاذکر کیا ہے۔ وَجَنَّاتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَزَيْتُونٍ
وَالرَّمْيَانِ (۱۰۰)۔

رمی

رَمِي نَشَقِي۔ رمی بہ۔ کسی چیز کو پھینک دینا یا ڈال دینا۔ معنی
گرا دینا۔ رَمِي السَّجَّجُ مَعْنَى السَّجَّجُ س۔ کمان سے تیر پھینکا۔ اَلْمِرْمَاةُ۔ حیوٹ
تیر۔ خَمْرٌ حَمِي۔ وہ تیر سے بکار کرنے کے لئے نکلا۔ اَلْمِرْمَاةُ۔ وہ
نشان (ہدف) جسکی طرف تیر پھینکے جاتے ہیں***۔

سورۃ مرسلات میں ہے۔ نَتَبَّهًا رَّامِيًا۔ بیشعور (۱۰۰)۔ ”وہ چنداں
پہینکتی ہے“۔ سورۃ فل میں ہے تَرْمِيهِمْ بِحِجَابٍ ذَا رُءُوسٍ (۱۰۰)۔ ”تو ان
پر پتھر پھینکنا تھا“۔ سورۃ النحل میں ہے وَمَا رَمَيْتْ ذُرِّيَّتُكَ وَاسْكِينِ
اِنَّ رَمِي (۱۰۰)۔ جنگ بدر میں جو تیر اندازی تیری طرف سے ہو رہی تھی وہ
تیری طرف سے نہیں بلکہ در حقیقت اللہ کی طرف سے تھی۔ اس سے یہ نص

*تاج و محیط و راغب۔ **تاج و محیط۔ ***تاج۔

لڑائیاں خدا کے حکم کے ماتحت اس کے نناء کو بند کرنے کے لئے لڑی گئی
نہیں۔ کمانڈر جب حکومت کے حکم سے فوج کستی کرتا ہے تو وہ جنگ اس
حکومت کی طرف سے سمجھی جاتی ہے۔ یا جب فوج کمانڈر کے حکم سے حملہ
ذرتی ہے تو وہ حملہ کمانڈر کی طرف سے متصور ہوتا ہے۔

اس آیت میں رَمَيْتَ کا کوئی مفعول بہ مذکور نہیں اور یہ بھی واقعہ
ہے کہ رَمَى کے بعد مختلف مفعول بہ آنے سے ان کے مطابق ہر جگہ ایک
معنی ہوتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں زمان جنگ کا ذکر ہے اور پہلے قَتَمُ
تَسْتَمُوهُمْ کہہ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں دشمنوں کے قتل کا تذکرہ
ہے۔ اس لئے رَمَيْتَ سے تیر اندازی ہی مراد لیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی
(ابن نے مختلف اسناد سے لکھا ہے کہ) جب تمہارا سَمِيتُہ ی مَرَامَاۃ کہا
جائے تو اس کے معنی تیر اندازی یا سنگ باری کے ہوتے ہیں۔

رَمَاهُ بِقَبِيحٍ۔ اس نے اسے ہرائی کے ساتھ متہم کیا*۔ قرآن کریم
میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ (۲۴)۔ "جو لوگ پاک دامن
عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں"۔ کسی داکدامن کے خلاف تہمت لگانا، "تیر
اندازی" یا "سنگ باری" کی بدترین شکل ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے
اس کی سزا بھی سخت تجویز کی ہے (۲۴)۔

روح

رَاحٌ - رَوْحٌ - رُوحٌ - رِيحٌ - سب ایک ہی مادہ کے الفاظ ہیں۔
ور انہی سے رَاحَةٌ - رَوْحَةٌ - اسْتِرَاحَةٌ - تَرَوْرِيحَةٌ - رَبْحَانٌ -
غیرہ الفاظ آئے ہیں۔ رَاحٌ کے بنیادی معنی ہیں ہوا کا چمنا، ہوا کا آنا، ہوا
کا محسوس ہونا۔ چونکہ ہوا انبساطِ زندگی، حرارت اور قوت پیدا کرنے کا
ذریعہ ہے اس لئے اس مادہ سے بننے والی مختلف شکلوں میں یہ تمام مفہوم
مضمون ہو گئے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی وسعت اور
فراخی کے ہیں۔

رَوْحٌ - راحت - سرور - خوشی - رحمت - وسعت - مَکَانٌ رَوْحَانِيٌّ -
مادہ ور ب نیزہ مَکَانٌ - اسْتِرَاحٌ - ہوا - تَرَوْرِيحَةٌ - ہوا کا کچھ حصہ -
رِيحٌ - اس کی جمع ہے۔ راسب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں رسائل
رِیَاحِ سِنْدِ مَدِیْنِہ میں رحمت و نفاذ مافی کے لئے استعمال ہوا ہے اور ارسال
* تاج -

وَرِيحٌ عَذَابٌ لَّهُمْ * - صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ جب ہوا (أَوَّيْحُ) تیز ہو تو اسے أَوَّيْحٌ کہا جاتا ہے۔ جو ہوائیں بدل لاتی ہیں وہ مَبَسِّيرَاتٌ کہلاتی ہیں۔ جو بارش لاتی ہیں انہیں أَلْمُعْصِرَاتُ کہا جاتا ہے۔ میدانوں اور صحرائوں میں ہلکتے انگیز ہوا کو بھی تَصَاوِيفُ کہا جاتا ہے۔ لیکن محندر میں صوفان لانے والی ہواؤں کو أَلْمُعْصِرَاتُ کہتے ہیں۔

أَوَّيْحُ * - نصرت - شہیدہ و قیوت - گردش - انقلاب - اور باری * - وَ تَنْزِيلُ مَاءٍ رَرِيحُكُمْ (۱۶) - تمہاری ہوا اُتوڑ جائیگی۔ تمہاری قوت جلی جائے گی۔ تَرَوْرِيحَةً * - دراصل یہ بیٹھنے اور آرام کرنے کو کہتے ہیں یعنی مسٹانے نو۔ - چار نماز تراویح کی ہر چار رکعت کو کہتے ہیں کیونکہ چار رکعتوں کے بعد تھوڑا سا راحت کا وقفہ ہوتا ہے۔ أَلرَّوْیْحَةُ * - تسلی کے بعد فراحی مل جانا۔ رَاحَةٌ * - شام کے وقت مویشیوں کا گھروں کو واپس آنا۔ جَنَّاتُ أَرْوَاحٍ * - شام یا زوالِ آفتاب کے بعد سے رات تک کا وقت * - سورہ سبا میں رَوَّاحٌ (شام کا سفر) بِمَقَابِلِمْ مَدُونٍ (صبح کا سفر) آیت ہے۔ (۱۲)۔

صاحب محیط نے أَلرَّوَّاحُ کے معنی فرحت و مسرت، راحت و رحمت کے علاوہ، بشارِ نسیم، مدد، انصاف و عدل جس سے قرب دی کو راحت و سکون نصیب ہو جائے، بھی لکھے ہیں۔ اور أَلرَّوَّاحُ کے معنی (سامِ انسانی روح کے علاوہ) رحمت، خدا کی طرف سے وحی اور خود قرآن کریم * - مثلاً قرآنِ کریم میں ہے بَسَزَیْلُ الْمُعْصِرَاتِ بِأَلرَّوَّاحِ مِیْنُ أَمْرِهِ عَنَسِیْ مَسْنُ یَقْسَعُ مِیْنُ عِبَادِهِ (۱۶)۔ یہاں أَلرَّوَّاحُ سے مراد وحی ہے۔ اور سورہ بقرہ میں ہے وَكَذَآلِیْكَ أَوْحَیْنَا نَبِیَّكَ رُوحًا مِیْنُ أَمْرِنَا (۲۲)۔ یہاں رُوحًا سے مراد خود قرآنِ کریم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں جہاں کہا گیا ہے وَیَسْمَعُونَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِیْنُ أَمْرِ رَبِّیْ (۲۱)۔ "تجہ سے أَلرَّوَّاحُ کے متعلق سوچتے ہیں۔ کہہ دے کہ أَلرَّوَّاحُ میرے رب کے امر سے ہے"۔ تو وہاں روح سے مراد انسانی روح (انسان) نہیں بلکہ وحی ہے۔ اس کی وضاحت میں سے اسی آیت نے ثریدی ہے جہاں أَوْحَیْنَا نَبِیَّكَ کہہ دیا ہے۔ (۱۶)۔ مطلب یہ ہے کہ یہ روح وحی کی مسابقت سمجھنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اس کا تعلق خدا کے امر سے ہے۔ دنیائے محسوسات سے نہیں۔ اس لئے تم اس کی مسابقت کو نہیں سمجھو

سکتے۔ امن پر ایمان لانا ہوگا۔ البتہ اس کی تعلیم کو سمجھ سکتے ہو۔ "ماہیت" کے معنی یہ ہیں کہ وحی کب سے ہوتی ہے۔ خدا اور نبی کا تعلق کیا ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ چیزیں غیر راز نبی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ اسی بنا پر صاحب المنار نے لکھا ہے کہ "رُوحُ الْقُدُّسِ" (۲۸)۔ جسکی تقویٰ حضرت عیسیٰؑ کو حاصل تھی، تورات اور انجیل کے احکام تھے جو انہیں بذریعہ وحی عطا کئے گئے تھے اور جو نفوس انسانیہ کو مقصد بنا دینے کا موجب تھیں۔ بعض نے "رُوحُ الْقُدُّسِ" سے مراد جبریلؑ لیا ہے اور یہی مفہوم سورۃ الشعراء میں "الرُّوحُ الْأَمِیْنُ" (۲۶) کا لیا ہے * جہاں قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے "لَهُ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِیْنُ عَمَّا قَبْلَکَ" (۹۰-۹۱)۔ اور اسکی تائید سورۃ بقرہ کی اس آیت سے ہوتی ہے جس میں جبریلؑ کے متعلق ہے "فَرَزَقْنَاهُ الرُّوحَ الْقُدُّسَ بِرِذْنِ رَبِّهِ" (۱۶۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ "روح الامین" جبریلؑ ہی کا لقب ہے۔ سورۃ نحل میں ہے "لَهُ نَزَّلْنَا الرُّوحَ الْقُدُّسَ" (۱۰۲)۔ لہذا روح القدس بھی جبریلؑ ہی کو کہا گیا ہے۔ ہم چونکہ وحی کی کنہ و ماہیت کو نہیں جان سکتے اسلئے جبریلؑ کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں ہو سکتے۔ "رُوح" کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ الوہیتی توانائی ہے جو نبیؐ کے قلب پر انکشاف حقیقی کرتی ہے۔ اور ملائکہ وہ کائناتی قوتیں ہیں جو قانون خداوندی کو مشہود بناتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں "مَلَائِکَۃُ" اور "رُوح" کا الگ الگ بھی ذکر آیا ہے (۲۴/۳۸ ; ۲۴/۶۰)۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں ابتدائی کڑیاں تو وہی ہیں جو تمام حیوانات کی تخلیق سے متعلق ہیں۔ لیکن اسکے بعد انسان کو دوسرے حیوانات سے یہ کہہ کر ممتاز کر دیا گیا ہے کہ "وَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوحِ رَبِّهِ" (۱۵)۔ اس میں خدا نے اپنی "روح" پھونکی۔ اور اسکا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ "وَجَعَلْنَا لَکُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَۃَ" (۱۶)۔ انسان کو سمع و بصر یعنی ذرائع علم اور قلب عطا کیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں "روح خداوندی" سے مراد وہ الوہیتی توانائی ہے جسے انسانی ذات (Personality) یا نفس (Self) کہتے ہیں اور جس سے انسانی خصوصیات و ہستہ ہیں۔ یہ (انسانی خودی) ہر انسان کو یکساں طور پر ملی ہے۔ اسکے بعد دیکھو کہ انسان اسے کس حد تک نشوونما دیتا ہے۔ اسکی کتنی

(Development) کرتا ہے۔ روحانیت سے یہی مراد ہے اور یہ نشوونما قرآنی معاشرہ کے اندر ہوتی ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ”توانائی“ یعنی ”روح“، کو ”روحنا“ (ہماری روح) کیوں کہا ہے؟ کیا یہ چیز ”ذات خداوندی“ کا جزو ہے؟ اس سوال کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ کائنات میں ہر جگہ توانائی پائی جاتی ہے۔ جانداروں میں اس کا اظہار زیادہ نمایاں اور محسوس طریق پر ہوتا ہے۔ یہ توانائی مادی اسباب و عس کے نتیجہ ہوتی ہے (یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ طبیعی قوانین کے مطابق سامنے آتی ہے) اس لئے اسے ”مادی توانائی“، کہتے ہیں۔ انسانی جسم کی توانائی بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔ لیکن انسان کے اندر ایک اور توانائی بھی ہے جس کا منشا ہرہ اس کے اختیار اور ارادے کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ توانائی جسم انسانی کی طبیعی توانائی سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس لئے کہ طبعی توانائی، اس خاص توانائی کے تابع کام کرتی ہے۔ اس ”توانائی“ کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے (اسے اس نے ”روحنا“ کہہ کر بکرا ہے۔ یعنی خدا کی روح بنا توانائی) اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ توانائی، مادی قوانین سے متعلق نہیں۔ خدا کی طرف سے براہ راست ملی ہے۔ یہ ”انسانی ذات“ ہے۔ اسی کو ”الوہیاتی توانائی“، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ”الوہیاتی“، ہمارے خدا کی ایک قدیم اصطلاح ہے اور اس کے معنی ہیں ”اللہ (خدا) کی طرف منسوب۔ لہذا ”الوہیاتی توانائی“ سے مراد ہے ایسی توانائی جو مادہ کی پیداوار نہیں بلکہ براہ راست خدا کی طرف منسوب ہے۔ واضح رہے کہ خود مادی توانائی بھی ”غیر از خدا“ کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ وہ ان قوانین کے ماتحت پیدا ہوتی ہے جو خدا نے مادہ سے متعلق متعین کر رکھے ہیں۔ ”انسانی توانائی“، کو اس نے خاص طور پر اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ یہ ”مادی توانائی“، سے الگ اور ممتاز ہے۔

یہ توانائی، خدا کی ذات کا حصہ نہیں۔ ”ذات“، کے حصے بخرے ہو نہیں سکتے۔ اسے ذات خداوندی سے جدا شدہ حصہ سمجھنا، ہندوؤں کے فلسفہ ویدانت کا پیدا کردہ تصور ہے۔ انسانی ذات، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ”توانائی“، ہے جو نہ اس کی ذات کا حصہ ہے۔ نہ اس کا مسمیٰ اس کی ذات سے جا کر مل جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، یہ توانائی، غیر نشوونما یافتہ شکل (Un-Developed Form) میں ملتی ہے۔ اور اسے نشوونما

ذینا، انسانی زندگی کا مقصود ہے۔ اسی کے لئے قرآنی معاندہ قائم کیا جاتا ہے۔ انسان کے ہر عمل کا اثر اسکی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ اور ساری ذات اس کے طبعی جسم کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی۔

مادی تصور حیات (Materialistic Concept Of Life) اور قرآنی تصور حیات میں فرق ہی یہ ہے کہ اول الذکر کی رو سے، انسان عبارت ہے صرف اس کے طبعی جسم سے۔ اس جسم کی مشینری، طبعی قوانین کے تابع سرگرم میں رہتی ہے اور جب انہی قوانین کے مطابق وہ چلنے سے رک جاتی ہے تو اسے موت کہتے ہیں جس سے اس فرد کا ختمہ ہو جاتا ہے۔ قرآنی تصور حیات کی رو سے، انسان عبارت ہے اس کے طبعی جسم اور اسکی ذات سے۔ اسکی ذات، طبعی قوانین کے تابع نہیں بلکہ اس لئے جب طبعی قوانین کے مطابق اسکی جسم کی مشینری درست نہ رہے تو اس سے رک جاتی ہے تو اس سے اس کی ذات کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔

حسب طرح انسانی جسم کی نشوونما کے لئے قوانین مقرر ہیں اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی اصول متعین ہیں۔ ان اصولوں کو دستیں امداد کہا جاتا ہے، اور ان انسانی کی پروا نہیں۔ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتی ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ جسم اور ذات کی نشوونما کے قوانین میں بہت سی فرق یہ ہے کہ انسانی جسم کی پرورش ہر اس سے تعلق رکھتی ہے جسے انسان خود اپنے یا استعمال کرتے۔ اس کے برعکس، انسانی ذات کی نشوونما ان چیزوں سے متعلق ہے جسے انسان دوسروں کی پرورش کے لئے کرتے۔ قرآن کریم کے تمام رسوبیت کی عبارت اسی بنیاد پر قائم رہتی ہے۔ انسانی ذات حوں حوں نشوونما پاتی جاتی ہے اس میں صفات نہایت زیادتی اور بے پروا کے اندر منعکس ہوتی جاتی ہیں۔ (مزید تفصیل ن۔ ف۔ م کے عنوان میں ملیگی)۔

اصح یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسانی جگہ نہیں "انسانی روح"، کا ذکر نہیں کیا۔ "روح" اور "انسانی" ہی کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ "روح" خداوندی، "روح" تو انسانی، انسان دو مقام پر دی جاتی ہے تو اسے، قرآن کریم کی اصطلاح میں، نفس کہا جاتا ہے۔ (۱/۱۱۳)۔

اسی طرح انسانی ذات (Humanity) یا خمودی (Humanity) یا انما

(I) کہتے ہیں۔

یہ سمجھ لینا بنی ضروری ہے کہ جب ہم نے یہ کہا ہے کہ انسانیت
زندگی کا مقصود، انسانی ذات کی نشوونما ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے
کہ قرآن کریم کی رو سے انسانی جسم اور اسکی نشوونما، کچھ قیمت نہیں رکھتے۔
قرآن کریم کی رو سے انسانی جسم کی پرورش بنی نہایت ضروری ہے کیونکہ
زندگی کی موجودہ سطح پر، انسانی ذات کی نشوونما، انسانی جسم کی وساطت سے
ہوتی ہے۔ لہذا انسانی ذات کی نشوونما کے لئے جسم کا توانا ہونا اسی طرح
ضروری ہے جس طرح اندھے کے اندر جیتا جاگتا جوڑہ بننے کے لئے، اندھے کے
خول کا صحیح وسامیت رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کہنی ایسا ہو کہ جسم
کے کسی تقاضے اور انسانی ذات کے تقاضے (مستقل فساد) میں تضاد ہو۔
ان میں (Tie) بڑ جائے، تو اس وقت، جسم کے تقاضے کو ذات کے تقاضے پر قربان
کر دینا، شرط انسانیت (ایمان کا تقاضا) ہو جاتا ہے۔ جس طرح، جب اندھے
کے اندر جوڑے کا "دم گھسنے" لے، تو وہ اندھے کے خول کو جو جس مار مار کر
توڑ دیتا ہے۔ قرآنی تعلیم کا محور ہی یہی ہے۔ یعنی جب طبعی تقاضوں میں اور
مستقل اقدار میں (Tie) ٹڑے تو مستقل اقدار کے تحفظ کے لئے طبعی تقاضوں کو
قربان کر دینا۔ اسی کو کیریکٹر کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں **الْقَرِيحَانُ** بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ رحمن میں ہے **وَالْقَرِيحَانُ**۔
ذُو النُّعْمَيْنِ وَالْقَرِيحَانُ (۱۱۱)۔ **الْقَرِيحَانُ**۔ اس کے خونِ نبودار کہ جس
 شوق ہے۔ یہاں ہر خونِ نبودار کہ جس۔ نیز سبزی کے تختے بسطیکہ ان میں سے
 خونِ نبودار ہی ہو اور ان پر ابتدائی پتوں کے شوق۔ فراہ نے کہا ہے کہ کہیں
 کے تسمہ **ذُو النُّعْمَيْنِ** کہتے ہیں اور اس کے پتوں کو **رَبِحَانُ**۔ **الْقَرِيحَانُ**
 اولاد کو بھی کہتے ہیں اور رزق کو بھی۔

رَاحَ۔ اس نے آرام کیا۔ مریضیوں کو نساء کے وقت بستر میں آرام کرنے کے لئے چھوڑا (۱۶)۔

رو د

راؤدؑ۔ کسی چیز کی طبع میں بڑا بڑا آمد و رفت کو کہتے
 ہیں۔ یعنی کسی چیز کی طبع میں جتنے رشید۔ بہم خیرات میں رشید۔
 الریشہ۔ چکی کے دستہ کو کہتے ہیں۔ ریشہ الریشہ۔ آنکھ میں ریشہ
 جانے والا تسکایہ۔ حرا جو دھرتی دھرتی اور اذرت۔ دھرتی جات۔ ریشہ۔

* تاج و محیط -

مہس سے رُوَّیْدَ کے معنی مہمت دینے کے ہو گئے۔ قرآن کریم میں رُوَّیْدَ ا مہمت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فَامْرَأَتُ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِنْنَہُ رُوَّیْدًا (۱۰۶)۔ "بس تو کافروں کو مہمت دے۔ تھوڑی سی مہمت"۔

قرآن کریم میں جہاں "خدا کے ارادوں" کا ذکر آیا ہے، انہیں انسانی ارادوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ انسانی ارادے ہمیشہ بنی ہوتے ہیں، صحیح بنی ہوتے ہیں، غلط بھی۔ قابل عمل بھی ہوتے ہیں اور محض "سعرانہ" بھی۔ لیکن خدا کے ارادے درحقیقت اس کے وہ فیصلے ہیں جو عالم مرے، اس کے قوانین مشیت کے مطابق سرزد ہوتے ہیں اور جن کے مطابق کائنات سرگرم عمل ہے۔

روع

الرُّوْعُ - حیرت و دہشت جو کسی چیز کی کثرت یا جمال سے دیکھ کر پیدا ہو۔ الرُّوْعَةُ - دہشت، نیز حسن اور جمال کا اثر۔ الرُّوْعُ - دل - خوف اور گھبراہٹ کا مقام*۔

قرآن کریم میں ہے فَسَمَّٰ ذَا ظَمَعَنَ اِبْرٰہِیْمُ الرُّوْعَ (۱۱۱)۔ جب ابراہیم کے دل سے حیرانی اور گھبراہٹ جاتی رہی۔

روم

الرُّومُ - سلطنت رومہ (مغربی) (موجودہ ترکی) - صدرہ روم (۱) میں ہے کہ رومی مغلوب ہرقل نے۔ یہ اس شکست کا ذکر ہے جو ایران کے بادشاہ، خسرو پرویز، کے ہاتھوں رومیوں کے سپرد ہوئی تھی۔ جس میں رومیوں کا صوبہ فتح ہوا، چلا گیا، اور جس کا سلسلہ سندھ و ہند تک جاری رہا تھا۔ قرآن کریم نے عین اس وقت جب رومی شہر قیصریہ میں تھے، شہناکہ چنہ شی سال کے عرصہ میں وہ پھر ایرانیوں پر غالب آجائے۔ چنانچہ سنہ ۶۰۲ء میں ہرقل نے نہ صرف اپنے مفتوحہ علاقے واپس لے لئے بلکہ ایران کے اندر داخل ہو کر ان کے بیڑے تشدد کے شہرہ آفاق کیا۔ یہ سن ۶۰۲ء میں) ہو جب مسلمانوں کو مینڈین عرب سرحد کے میدان میں، پہلی فتح حاصل ہوئی تھی۔ عربوں کا قریب برس عرب ایران تک۔ ایران کا اتنی قوت حاصل کر لینا کہ رومن ایسا نہ رہی اس کے سامنے نہ ٹھہر

* تاج و راغب -

سکے ، عربوں کے لئے بڑی پریشانی کا موجب تھا ۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ، انہی عربوں کو قرآنی نفاذ کی روایت نبوی قوت حاصل ہو گئی کہ ان کے سامنے نہ ایرانی سلطنت بظہر سکی ، نہ رومن ایمہ ۔ یہ سب ”لکنہ“ ایمان کی تفسیر، تھا ۔

رہب

رہب^۱ - رُہِبَ^۲ - رَہَبَ^۳ - رُہِبَۃً^۴ - رَہِبَۃً^۵ - رُہِبَانٌ^۶ ۔
 کے معنی میں ایسا خریف جس میں احمقانہ بنی نہ ہو ۔ (جیسے ہم جسے کے صرف سے آگ سے تھوڑے رہتے ہیں) ۔ اُسْرُ رُہِبٌ^۷ - اُسْرُ رَہِبٌ^۸ - اُسْرُ رَہِبٌ^۹ کہتے ہیں ۔ ناز اس کے معنی کمزور ہو جانے کے ہیں ۔ اُسْرُ رَہِبٌ^{۱۰} - اُسْرُ رَہِبٌ^{۱۱} ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سفر میں قریب کر لائے ہو گئی ہو ۔ رَہِبٌ^{۱۲} - رَہِبٌ^{۱۳} کے معنی ہیں وہ ۔ لیکن ان کے کمزور ہونے کی وجہ سے پھر بہنو گیا ۔ * رَہِبَانِیۃً^{۱۴} - اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۱۵} میں خریف ، احمقانہ ، کمزور ، کے تمام پہلو آجاتے ہیں ۔ جسے (زعیم حویش) خریف خدا کی وجہ سے نالائق دنیوی کو ترک کر دینا (اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۱۶} - اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۱۷}) کہتے ہیں جو شکر نہیں کرتے * اور اس طرح کمزور اور لائے جانے ۔ اس قسم کے زائد اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۱۸} کہتے ہیں ۔ رَہِبَانِیۃً^{۱۹} اس کی جمع قرآن ہے (۱۸) ۔ بعض لوگوں کے خیال ہے کہ رَہِبَانِیۃً^{۲۰} ایسی ذات ہے ۔ اور یہ مرکب ہے رَہِبٌ^{۲۱} اور رَہِبَانِیۃً^{۲۲} کے جس کے معنی ہیں صاحبِ زد ۔ * اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۲۳} کہہ رہے ہیں کہ وہ ایسی ذات ہے کہ نہ کسی اور کے جرموں کے شال ہی مسک خنقاہیت رائج تھا ۔ قرآن سترہ میں ہے وَ اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۲۴} (۱۹) ۔ ”انہوں نے لوگوں

کو خوف زدہ کرنا چاہا ،

سورہ حشر میں ہے اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۲۵} اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۲۶} (۲۰) ۔
 ”مہرِ عربی کے مہرین میں بہت زیادہ ہے ، یہاں بھی رَہِبَانِیۃً^{۲۷} کے معنی ڈر کے ہیں ۔

نبی اکرمؐ سے کہا گیا تھا کہ یہی اُسْرُ رَہِبَانِیۃً^{۲۸} (۲۱) نہ صرف میں سے نہ تھا ۔ خدا سے ڈرنے کے معنی میں ہمیں کہہ اس کے توانس کی خلاف ورزی کے برابر کن نتائج سے ڈر کر ان کی نڈر داشت کی جائے اور ان سے سرکشی اٹھا کر ڈرنے سے احمق کی جائے (رہب کے بنیادی معنی ڈرنے اور احتیاط

کرنے کے ہیں)۔ چنانچہ سورۃ انبیاء میں ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ کا مسک یہ ہونا تھا کہ **يَسُدُّ عَيْنُوْهُمْ نَمْلًا رَّغَبًا (۱۰۹)**۔ وہ زندگی کی خوشگوار یوں کو حاصل کرنے (رَغَبًا) اور مکی ناخوشگوار یوں سے بچنے (رَهَبًا) کہتے خدا کو بکرا کرتے تھے۔ دونوں صورتوں میں اسی کے قانون کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے انسان کے لئے دفع مضرت اور جلب منفعت ہی وہ بنیادی جذبات ہیں جو عمل کیلئے محرک (Incentive) بنتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرامؑ ان دونوں میں قانون خداوندی ہی کا اتباع کرتے تھے۔ یہی مسلمانوں کا رہنا چاہئے۔ باقی رہا رَهَبًا نِيَمَتًا کا مسک۔ یعنی ترک دنیا کا مسک۔ سورۃ فرقان کریم کہتا ہے کہ اسے عیسائیوں نے خود ہی وضع کر لیا تھا۔ ہم نے اسے ان کے لئے تجویز نہیں کیا تھا (۱۳۰)۔ اس کے ساتھ ہی فرقان کریم نے یہ بھی کہا دیا ہے کہ **فَمَا رَغَبُوْهُ هَٰ حَقٌّ رَّغَبًا يَّتِيْبًا (۱۳۱)**۔ پھر وہ انہیں اس خود ساختہ مسک (کو بھی پوری طرح نباہ نہ سکے۔ یہ ہے فرقان کریم کا فلسفہ مسک خالصتاً ہیت کے متعلق جو تصدیق بنیاد ہے اور جسے (بسمستی سے) ہم دے رہے ہیں، مغز دین، قرار دیا جاتا ہے۔ جب مسلمان کے ساتھ سے فرقان کریم کا دامن چھو، تو وہ تمام غیر قرآنی عناصر جنہیں فرقان کریم مٹانے کے لئے آیا تھا، ایک ایک کر کے اسلام کا جزو بنتے گئے۔ روسا کی مہرکیت۔ ایران کی نسل پرستی۔ یہودیوں کی ہیسوئیت اور روایت پرستی۔ ویرعسائیوں اور مجوسیوں کا مسک خالصتاً۔ سب اسلام کے اجز بن گئے۔ اور اب اسلام انہی کے مجموعہ کا نام قرار ہے۔ چک ہے۔ یہاں عجیب! لیکن اس میں مہرمتی کی کوئی بات نہیں۔ خدا کی طرف سے عطا شدہ دین، فرقان کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اور فرقان کریم کا ایک ایک لفظ، بغیر کسی آمیزش کے، ہم دے رہے ہیں موجود ہے۔ نہایت ہم دین خدا میں ان آمیزشوں سے پاک ہے۔ ایک کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ایسا کرنے کی بات ہو۔

رہط

اَشْرَهْمُ۔ کسی آدمی کی قوم۔ قبیلہ۔ بعض نے کہا ہے کہ **رَهْطٌ** اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں تین سے دس تک یا سب سے دس تک کی تعداد ہو۔ دوسروں نے کہا ہے اس سے کہہ کر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ وہ ہر بھی، لیکن اس میں صرف ہی عرب، غزنیوں، سب میں نہ صرف۔ ابن فارس نے اس کے یہ بھی معنی دیے ہیں، غزنیوں، غزنیوں کے جماعت کے نکلنے میں۔ **رَهْطٌ** (۱۱۱)۔ برادری یا قبیلہ کے لئے آیا ہے۔

* تاج و راغب۔

[illegible]

رق

رُحِيقَةً - بِرُحِيقَةٍ - رَحِيقًا - اِسے دھنپ لیتا اور اس پر چڑھتا جاتا (واحد)
 نے اس میں بزور و جہر چبھا جانے کا اظہار کیا ہے) - اِسی چیز سے مل جاتا - اِسے
 کھاتا اور اس سے لاحق ہو جاتا * - وَلَا سِرُّ لَہُمْ - وَجُودُہُمْ قَمَرٌ (۱۰) -
 ان کے چہروں پر ظلمت اور سیاہی نہیں چبھا جاتی - رُحِيقَةً - اِسے اسکی طہارت
 سے - لاکر اِسی کام کی تکمیل دی اور اس پر مجبور کیا ، مشکل میں نہ لاکر * -
 سورۃ کہف میں ہے بِرُحِیقَتِہُمْ طُغْمَانًا (۱۱) - ان پر سرکششی کو
 چھا دے - یا انہیں سرکششی میں مبتلا کر دے -

رَشَقٌ^۱۔ سو رفتی۔ حماقت۔ بر خمتی۔ تندی و طراری۔ سیر کا ارنکاب^۲۔
 ابن فارس نے اس کے معنی دھنسل، جھجکا، بازی اور نہ ہونے دیے ہیں۔ فَرَّادٌ وَهْمٌ^۳
 رَحْمَةٌ^۴۔ سو انہیں نے انہیں جہالت میں بہڑھا دیا۔ زہری نے کہا
 ہے کہ یہ دراصل اُرْهَانٌ^۵ ہے اسے ش، جس کے معنی شیں نسیان کو کسی
 اسے ر کے لئے مضمور کر دیا، جس کی اس میں غلط نہ ہو۔ مَأْرُوفٌ^۶
 مَعْرُودًا^(۷)۔ میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کرونگا۔

ره ن

[illegible]

* تاج و راغب - ** محیط -

اسرارِ حین - ثبت اور تیار۔ موجود اور دائم۔ رَشَن - شیشی - چیز دائم اور
عابث و غی - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا
ایک حالت پر رہنا، خواہ وہ حق کے عوض ہو یا نا حق۔

رَحْمَتُہٗ رَحْمَتُہٗ - اس کا پُرفتن و تہ ہے - اَنْتَ رَحِیْمٌ رَحِیْمٌ -
میں فلاں بات میں مداخلت کروں - قرآن کریم میں ہے "کَلَّ امْرِیْ رِیْمٌ
لَّسَّ بِرَحْمَتِہٖ" (۲۱) - میری شخص اپنے اعمال کے عوض لروے، معنی
اس کی زندگی یا فیصلہ اس کے اعمال کے نتائج پر ہے۔ سورہ بقرہ میں قرآن کے
مسمیہ میں جو اشارت دی گئی ہے ان کے ضمن میں کہا ہے کہ اگر تم منور
میں ہو اور وہاں کاتب نہ ہے تو قرآن رَحْمَتِہٖ رَحْمَتُہٗ (۲۱) مستعدی ہوئے
چیزوں کے عوض لچھ چیزیں بطور ضمانت اپنے قبضے میں لے لینی جائیں۔ اس سے
ہمارے دل کے "رحمن بربضہ" کا جواز نکالنا اجسود بھی کی دوسری
سکھ ہے (بڑی زیادتی ہے۔ "رحمن بربضہ" کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مثلاً
ایک کسان نے کسی سے لچھ روپے بطور قرض لیا اور قرض دینے والے نے
اس کی لچھ زمین بطور رہن لے لی۔ اس کے بعد اس زمین پر قرض دینے والے نے
قبضہ ہوئے اور جب تک قرض نہ نہیں ہو جائے تا وہ اس کی ہمدانوار نہ
جائے گا۔ (اور اس ہمدانوار کو قرض میں محسوب نہیں کرتے)۔ اگر یہ روپے
نہیں تھے اور لیا ہے؟

رو

اَسْرَہٗمُ - دونوں لڑکوں کے درمیان کی کشادگی۔ فی کے جمع ہونے
کی جگہ، نیز سکون، جس میں خوش و خروش نہ ہو۔ اَسْرَہٗمُ - ہمارے روز
کندہ زمین۔ عَشْرَہٗمُ - آہ - سودہ و برہکون زمین۔ اَسْرَہٗمُ - اللہ میں
زمین۔ وہ گہوار جس کی بہت دوزخے وقت نرم ہو - - - - -
نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اَسْرَہٗمُ سے ہے اور شہوط (نہجے) اور اَسْرَہٗمُ
جدا - دونوں کے لئے کہ ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی دو
ہیں (۱) اطمینان اور سکون اور (۲) وہ جگہ جس میں ہمدانوار ہوتی ہے اور
بست۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو
تو ن سے کہا تھا کہ وہ اَسْرَہٗمُ رَحْمَتِہٖ رَحْمَتُہٗ (۲۱) سے کہیں
یہ ہیں کہ وہ ہمدانوار کو پر سکون حالت میں لے کر آئیں۔ جب ہمدانوار

*تاج - **محیط - ***تاج و راغب۔

موسیٰؑ وہاں پہنچے ہیں تو سمندر سکین کی حالت میں تھا۔ اس میں جوش و خروش نہیں تھا۔ وہ اترا ہوا تھا اور اس طرح اس نے خشک راستہ چھوڑ دیا تھا۔ حناجہ سورۃ طہ میں ہے فَاَضْرِبْ لَنْفُسِهِمْ دَارِیْنًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا (۲۰)۔ "ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ اختیار کر"۔ اور اگر رُحُوًّا کے معنی کشادگی کے لئے جائیں تو بھی یہی مفہوم ہوگا کہ سمندر نے (پہنچے ہوا) جو راستہ کشادہ کر دیا ہے انہیں وہاں سے لے جل۔ جس جگہ پہلے سمندر ہو وہ سست (ثقیل) ہوگی اور جب وہاں سے سمندر ہٹ جائیگا تو وہ، دوسری زمین کے مقابلہ میں (جو ہموار زمین ہے) بلند ہو جائیگی۔

روض

رَوْضَةٌ۔ وہ زمین جہاں خرنمما بھول، درخت اور پانی ہو۔ خرنمما یعنی جس میں نہر ہو۔ سرسبز و ساداب جگہ جس میں، یا جس سے منصل پانی ہو۔ اس کی جمع رَوَاضٌ و رِیَاضٌ و رَوْضَاتٌ ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو اسے رَوْضَةٌ نہیں کہتے۔ نیز پانی جمع ہو جانے کی جگہ۔ اَرَاضٍ الْقَوْمُ۔ اس نے لوگوں کو سہرا کر دیا۔ اَلْبَرِیَاضَةُ۔ کسی سے بکثرت پانی کام ہونے سے اس کام میں ماضی و مشق ہونا۔ اور سمندر۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں (۱) وسعت اور فراخی (۲) کسی چیز کو نرم یا کسی کام کو آسان کرنا ہیں۔

قرآن درجہ میں ہے۔ فَبَیِّنْهُمْ رِیْفًا رَوْضَةً یُّخْبِرُونَ اُذُنًا (۳۰)۔ "وہ سرسبز مقام میں بچھلے ہوئے ہیں" اس کی جمع رَوْضَاتٌ ہے۔

روغ

رَاغٌ الرِّیْحُ جُلُّ رَوْضًا۔ کسی شے کی خاطر جمع کرنے سے ایک طرف متایا یا مائل ہونا اور حصے بنانا۔ سر بھول ابن فارس، جھکے اور ایک حالت پر نہ رہنے کے لئے بہت جلد ہے۔ رَاغٌ فَلَاحٌ۔ کسی فَلَاحٌ۔ فلاں آدمی فلاں کی طرف جیسے نرم ہوا۔ فراع نے کہا ہے رَاغٌ کسی اشیاء کے معنی میں وہ سے اعلیٰ کی طرف سے طرح ہونا کہ (سمنے و سنوں سے) کسی شے سے اس کی سرسبز ہونا۔ رَاغٌ۔ رَاغَةٌ۔ وَاَرْتَاغٌ۔ اس نے ارادہ لیا اور طلب کیا۔ رِیَاغَةٌ۔ رِیَاغَةٌ۔ اکھاڑہ۔

*تاج و راغب۔ **تاج و محیط و راغب

قرآن کریم میں قصہ حضرت ابراہیمؑ میں ہے فَدَرَأَاهُ الْيَهُودُ بَيْنَهُمْ (۹۱)۔ اور فَدَرَأَاهُ الْعَبْرِيُّ (۹۲)۔ رَأَى کے معنی میں اپنے ارادے کو دل میں رہ کر کسی کی طرف مترجمہ ہونا۔ اور رَأَى عَمًی کے معنی ہیں شبہہ کے ساتھ کسی پر ٹوٹ پڑنا*۔ لہذا حضرت ابراہیمؑ کی تدبیر ایسی تھی جس میں ارادے کی پوشیدگی کا پہلو بھی تھا اور قوت و شبہہ کا بھی۔

ری ب

رَبُّبٌ۔ یہ اصل میں نفسیات الجہن اور اضطرابِ نفس کے معنی میں آتا ہے۔ نیز شک و شبہہ اور بے چینی کو بھی رَبُّبٌ کہہ سکتے ہیں***۔ نیز گمان اور تہمت کو بھی***۔ ان کے علاوہ حوادثِ روزگار گردشِ زمانہ اور ضرورت و حوائج کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے***۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی شک کے ہیں یا شک اور خوف کے۔ الرَّبُّبُ۔ جو چیز شک و اضطراب پیدا کر دے۔ نیز حاجت اور ضرورت کو بھی کہتے ہیں۔ رَابِئِي الْأَمْرِ رَبُّبًا کے معنی ہیں مچھنے فلال معامسہ نے شک و شبہہ میں ڈالا***۔

سورۃ توبہ میں (مسجد خزار کے ضمن میں) رَبُّبَةً رَفِيًّا فَيُدْخِلُونَهَا (۱۱۰) آیا ہے۔ اس کے معنی اضطراب اور بے چینی کے ہیں۔ سورۃ ابراہیم (۱۴) اور سورۃ سبأ (۵۲) نیز دیگر مقامات میں مَرَبُّبٌ، سَكَّتْ کی صحت بن کر آیا ہے۔ سَكَّتْ مَرَبُّبٌ۔ بمعنی اضطراب اور بے چینی پیدا کر دینے والا شک۔ (۱۴) میں مَرَبُّبٌ تَابٌ آیا ہے۔ یعنی شک کرنے والا اور تَابٌ اس کے رُتَابٌ بمعنی شک لیا۔ سورۃ النور میں رَبُّبٌ تَحْمِلُونَ الْبُرْءِ کے معنی ہیں حوادثِ روزگار یا زمانہ کی اضطراب انگیزیاں جن کا مقصد حق تو کر سکتے ہیں، شاعرانہ جذبات پرستی نہیں کر سکتی۔

لہذا رَبُّبٌ کے بنیادی معنی شک و شبہہ کی وجہ سے اضطرابِ نفس کے ہونگے۔ قرآن کے ربہ نے اپنے متعلق شروع ہی میں کہہ دیا کہ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (۱)۔ یہ وہ خدا کا کتاب ہے جس میں کوئی بات ایسی نہیں جو شک و شبہہ سے غور و اس کی وجہ سے انسان کے دل میں کسی قسم کے اضطراب اور شکاکش ہوتی رہے۔ اس میں رسولِ مکارم و اطمینان دینے والی تعلیم ہے۔ اضطراب اور بے چینی کے لئے اس میں کسبِ

تاج و محیط و راسب*** محیط۔ لیکن رب اللہ نے اس پر مہرِ امریہ کے لئے ہونے ہیں۔*** تاج۔

بنا لیتے ہو؟ اور وہ بھی بلا ضرورت۔ اس سے مراد بندہ شمارتس میں جنہیں بطور یاد دہ (Memory) بنایا جاتا ہے۔ اور جن کا مصروف دل بھی انہیں نہیں دھرتا۔ یاد دہار وہی بہتر ہو سکتی ہے جو اپنے والوں کے لئے نفع بخش ہو۔

ری ن

رین۔ وہ رنگ جو کسی صاف چیز پر لگ جائے۔۔۔ میل آنکھ کو بھی کہتے ہیں۔۔۔ رن انشواہ عینی قثمیہ رین۔۔۔ انکی خواہشات اعلیٰ کے دل پر غالب آگئیں۔ رین بارجل۔ آدمی ایسے مخلصہ میں گرفتار ہو گیا جس سے نجات اس کے ہوس میں نہیں رہا۔ اترینتہ۔ ساراب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ نکل کر غلب آجاتی ہے۔۔۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ڈھانکنے کے ہوتے ہیں۔

قرآن مکریم میں ہے ران عینی قثمیہ ماکانہ انشواہ عینی۔۔۔ (۱۳)۔۔۔ وہ ان کے اعمال ان کے دل پر رنگ بن کر چھا رہے۔۔۔ شور مچنے۔۔۔ دلوں پر مہربان کہیں باہر سے نہیں لگتیں۔ انسان کے اپنے دل ہی رنگ اور مہربان بن جاتے ہیں۔ اسی کو ختم انشواہ عینی قثمیہ انشواہ عینی۔۔۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ خدا کے قانون مکناتِ عمل کے مطابق ہو۔۔۔ یعنی انسانوں کے اعمال، جن کا نتیجہ خدا کے قانون مکناتِ عمل کی روش سے یہ ہوتا ہے کہ انسان میں سمجھنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رہتی رہتی۔۔۔ وہ سطحی جذبات میں ایسا ڈوبتا ہے کہ غور و فکر کے راستے اس پر مسدود ہو جاتے ہیں۔

ز

ز ب ر

الزَّيْبُدُ - پانی وغیرہ کے اوپر آہٹانے والے جھاگ *۔ قرآن کریم میں
ت زَبَدًا اَرْغَبًا ۱۸۱۔ اور آئے ہوئے جھاگ - الزَّيْبُدُ - مسکھ جس سے کُسر
بنایا جاتا ہے - تَزْبُدُهُ - اس نے اس کا خلاصہ لے لیا *۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز سے دوسری چیز
میں شمول کے ہیں۔ واضح ہے کہ بغور اس معنی ز ب د کُسر سے کے
لئے بولا جاتا ہے۔

ز ب ر

الزَّبْرُ - لکھنا - زَبْرٌ بَرْدٌ - لکھائی یا تحریر - مِزْزٌ بَرٌّ - قلم -
تَزْبُورٌ - بسم سے مِزْزٌ بُوْرٌ - یعنی لکھی شوق چیز - کتاب * - اسکی جمع
زُبُرٌ ہے۔

سورۃ نحل میں ہے کہ رسولوں کو اُنْمِیْنٰتُہُمْ وَاَلْزُبُرُ دیکر مسجداً ک
۱۸۱۔ ز ب ر کے معنی کتابیں ہیں - دوسری کتابیات اور
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے - یہاں
کُسر کی کتاب میں سے کُسر ہے - سورۃ نساء میں ہے وَتَمَدَّ
تَمَدُّنَا فِیْ زُبُرِہِمْ بِعَمْرِہِمْ اَشِدُّ ۱۸۱۔ معنی نے کہا ہے کہ
ہم ان زبُور سے مراد حضرت دؤد کی کتاب ہے اور ان کُسر سے مراد
سورۃ ہے - کن معبد بن جبر کا قول ہے کہ زَبُورٌ، تورۃ - انجیل -
قرآن کریم - ہر ایک کتاب میں اور کہتے ہیں * - اسکی قدیم سے
ہی شوق ہے کہ سورۃ نساء میں ہے وَتَمَدُّنَا فِیْ زُبُرِہِمْ اَشِدُّ ۱۸۱ اگر
مراد وہ کتاب جو حضرت دؤد کی گئی تھی تو

زَبُورًا (ایک کتاب) نکرہ نہ ہوتا بلکہ القرآن اور الانجیل کی طرح الزبور
 دہنا۔ راغب نے لکھا ہے کہ ہر وہ کتاب جس کی کتابت بڑی مہنت
 سے زَبُور کہلاتی ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی
 معنی (۱) لکھنا پڑھنا اور (۲) کسی چیز کو محکم اور مضبوط کرنا ہیں۔
 اَلزُّبُرَةُ۔ لوہے کا بڑا ٹکڑا*۔ اسکی جمع زُبُرٌ اور زُبُرٌ آتی ہے۔ (۱۶۱)۔
 اسی سے اسکے معنی فرقے۔ اَللّٰگُ اَللّٰگُ گروہ کے آتے ہیں۔ (۲۳۳)۔

اچونکہ زُبُرٌ۔ زَبُورٌ کی بھی جمع ہے اس لئے (۲۳۳) میں اس کے معنی لگ
 الگ کتابیں بھی ہو سکتے ہیں)۔

ز ب ن

اَلزَّيْنُ۔ دعا کا دینا۔ دفع کرنا۔ کسی چیز کو کسی چیز سے دور کر
 دینا اور دُعا دینا۔ اَلزَّيْنُ۔ سخت دھکا دینے والا۔ نَفَقَةُ زَبُونٌ۔ وہ
 اونٹنی جو دودھ دوہنے والے کیو لان مار دے اور دھکا دے۔ حَرَابٌ
 زَبُونٌ۔ شدید جنگ جس میں سخت ٹکراؤ ہو*۔ اِزْأٰی کو اسکی صعوبتوں کی
 وجہ سے زَبُونٌ کہتے ہیں**۔ اَلزَّيْنَةُ۔ ہر مہمرد آدمی۔ سخت آدمی۔
 سادھی۔ اسکی جمع زَبَائِنَةُ آتی ہے*۔ (۱۶۱)۔ وہ مجاہدین جو حق کی مدد
 کے لئے میدان میں نکلیں۔

ز ج ج

اَلزَّجُّ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے
 بار بار ہونے کے ہیں۔ نمرہ کی بھونکی صرف نگاٹو لوہا۔ زَبْرٌ ٹھنی کر
 نوکلا سرا۔ اَلزَّجَّاجُ۔ کانچ اور نمٹنے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کو کہتے ہیں۔
 واحد زُجَّاجَةٌ ہے***۔ فَرَّانٌ کربہم میں چراغ کے متعلق ہے فَرَّانٌ زُجَّاجَةٌ
 (۲۲۵)۔ اس سے مراد ہے شیشے کی چمنی یا فانوس۔

جب سیاح پھرا ہوا ہو تو اسے کُتَّاسٌ کہتے ہیں اور جب خالی ہو تو
 زُجَّاجَةٌ کہلاتا ہے*****۔

ز ج ر

زَجَرَةٌ۔ يَمَزُجَرُهُ۔ زَجَرًا نَسْرًا زَدَ جَرَاهُ۔ اُسنے اسکو روکا اور
 منع کیا اور جھڑکا۔ دراصل اسکے معنی آواز کے ساتھ کسی شے کو ہلکانا اور
 * تاج۔ ** راغب۔ *** کتاب الاشتقاق۔ **** تاج و راغب۔
 ***** لطائف اللغہ۔ نیز فقہ اللغہ۔ (الشعالی)۔

دھتکرتا ہیں۔ زَجَرَ النَّبَعِیَّرَ - اسنے اونٹ کو ڈانٹ کر ہانکا۔ اَتَزَجُّوْا رُ - وہ اونسی جو بلا ڈانٹ کھانے دودھ نہ دیتی ہو* - اس لٹھے اس لٹھے میں ڈانٹنے اور جھڑکنے کا پہلو ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے فَالْزَّاجِرَاتِ زَجْرًا (۳۶) - اس سے مراد وہ جہ عت مجاہدین ہے جو سرکش اور مستبد قوتوں کو ان کی دست درازیوں سے نہ تھک کر روکتی ہے۔ اسی سورہ میں ذرا آگے چل کر ہے فَارْتَمَوْا زَجْرًا وَاحِدًا (۳۷) "وہ صرف ایک ہی ڈنٹ دے گی"۔ سورہ النسر میں ہے مَا فِیْہُمْ مِّنْ زَجْرٍ (۵۷) - جس میں کسی بات میں جو مفسد سے روکتی ہیں۔ اس سے ذرا آگے ہے مَجْنُوْنَ وَاَزْدُجِر (۵۹) - انہوں نے اسے مجنون قرار دیا اور ڈنٹ کر نکل دیا۔ منہ نہ رست گروہ اپنی قیوت اور اتنے رکے نشہ میں ہر دہی ائی بچن کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کر رہے ہیں۔

زج و

زَجَّہُ - یَزُّجُوْہُ - زَحَّوْا - وَاَزُّجِیْ اَزُّجَہُ - کسی چیز کو نرمی اور نرمی سے ہانکا۔ نرمی سے چلانے* - قرآن کریم میں ہے اَسْمُ تَرَکَانَ اِسْمُ اَزُّجِیْ مَسْجَبًا (۱۰۲) - کہ تم اس سے نرمی کر کے کہ اللہ بادلوں کو کھینکی اور سموات سے چلانے ہے۔ زَجَّہُ اَزُّجَہُ - معصمہ کسان اور مہمہ ہوا ہو گیا۔ اَلْمَزُّجِی - قلیل چیز**۔

بِیضَاعَتَہُ مَزُّجَاۃُ (۱۲۸) - قلیل سرمائہ - تھوڑی سی پونجی* - ابن عربی نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کو بغیر کسی روک تھام کے بہنے کا اور چلا دینا ہیں۔ یعنی جسے آسانی سے نکلے اور روانہ کر دیا جائے۔ بِیضَاعَتَہُ مَزُّجَاۃُ سے مراد شوگی ایسی پونجی جسے آسانی سے نکال کر دیا جاسکے۔

زح زح

زَحَّزَحَّہُ غَنَدَہُ کے معنی ہیں اس سے دور کر دینا، شام دینا، ایک طرف سر دینا۔ شَوَّ بِزَحَّزَحَّہُ مِیْنُہُ - وہ اس سے دوری کر رہے۔ زَحَّزَحَّہُ زَحَّہُ - ابن عربی نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔

* تاج و راغب و محیط - ** تاج و راغب - *** تاج

اسن فارس نے کہا ہے کہ اس کے شادی معنی زینت کے ہیں اور سونے کو بھی کہا جاتا ہے۔ راغب نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

زرب

[illegible]

زرع

زُرْعَ - يَزْرَعُ - زَرَعَ وَ زَرَعًا - زمین میں بچ ڈالنا۔ اَلْزَّرْعُ -
 اُتارنا۔ ابن فارس نے خدیل کے حوالہ سے کہا ہے کہ اس نے بنیادی معنی
 نسا و نہ دینے اور بڑھانے کے ہیں۔ لہذا، جیسا کہ ذرا آگے چل کر معلوم ہوتا ہے،
 اس کے معنی بچ ڈالنے کے نہیں بلکہ کھیتی اُٹانے کے ہوتے ہیں۔ انسان زمین
 کو زرع کے میں میں تیخ و ہیزی کرتا ہے اور مناسب وقت میں برتنے ہے لیکن
 ڈالنے میں سے انوکھ بھونڈا اور اس کا بوتا اور بیڑ بن جاتا، یہ سب نفع خدا
 کے انوکھ رہوس کے ماحولیت سے ہے جس میں انسان کے حسب و عمر کو کافی
 نفع نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "عَالِمُكُمْ" تَزْرَعُونَ" اَلَمْ
 نَجْعَلْ زُرْعًا مَعُونًا لَّكُمْ؟" کیا کھیتی کو تمہارا نفع شریک نہیں کرتا؟
 میں! "تم صرف حارث کرتے ہو (بوتا)۔" یعنی نہ صرف کھیتی بوتا ہے۔
 "نہ شہ شہ" لہذا تم۔ یہی کی۔ یہی جس کے ماحولیت کیسے بن سکتے ہو!
 نہ دنیوی ماحولیت نہ حصہ ہے اور نہ ہی حصہ شہ شہ کے ہے۔ یعنی ان نوسو گوں
 کو نفع دوجہوں میں کی ضرورت ہے اس لئے۔

زوارع^۱ - کھیتی کرنے والے - باغبان - (واحد زارع^۲)
 زوارع^۳ - نہیں - ہونے سے جو کچھ^۴ لگے - اچھا و مٹا۔

ز ر ق

الزُّرْقُ - نیلا رنگ - الزُّرْقَةُ : نیلا ہٹ - سفیدی - آنکھ کی سیاہی
 میں سبزی - آنکھ کی سیاہی پر سفیدی کا چھا جانا - زُرْقٌ - اس کی آنکھوں
 کی سیاہی پر سفیدی چڑھی - ایسا شخص اُزُرُقٌ کہلائیگا۔ اس کی جمع زُرُقٌ
 ہے - الزُّرُقُ - اندھے بن کر کہتے ہیں - زُرُقْتُ عَمِيْنُهُ - زُرُقٌ -
 آنکھوں کا نیلا ہو جانا - قرآن کریم میں ہے نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ
 يَوْمَئِذٍ زُرُقًا (۲۰) - (زُرُقٌ جمع ہے۔ اس کا واحد اُزُرُقٌ ہے) - حشر
 میں ہم مجرمین کو ندھا اٹھائینگے ، ان کی آنکھوں کی سیاہی پر سفیدی چڑھ
 شوگی - راغب نے بھی لکھا ہے کہ زُرُقٌ کے معنی ہیں اندھے - جن کی آنکھوں
 میں نور نہ رہے - اس سے آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - بعض اہل لغت
 کا خیال ہے کہ عربوں کی (روموں سے قریم دشمنی تھی اور انکی آنکھیں نیلی
 تھیں اس لئے ہر مبغوض اور دشمن کو اُزُرُقٌ نَعَبْنُ کہا جانے لگا خواہ
 اس کی آنکھ نیلی نہ ہو - لہکن ہم اول الذکر توجیہ کو بہتر تصور کرتے
 ہیں، اس لئے کہ اسے قرآنی زبید بھی حاصل ہے - چنانچہ اسی سورت میں کچھ
 آیات کے بعد نَحْشُرُهُ يَوْمَ الْاُتْبَاهِمَاةِ اَعْمٰی (۲۰) ہے - یعنی "ہم
 اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے" -

ز ر ی

زُرَّی عَمَلٌ - اس کے کسی کام پر اسے ملامت کرنا ، پر
 بھلا کہنا - عتاب کرنا - حقیر جاننا اور اس پر عیب لگانا - اُزُرَاءُ - اسے حقیر
 و بے وقعت گردانا - اُزُرَّی - حقیر جاننے والا - ***
 قرآن کریم میں ہے تَزُدَّرِيْ اَعْبُنْكُمْ (۱۱) - وہ لوگ جو تمہاری
 نگاہوں میں حقیر نہیں - (باب الفعل ہے - تاء ، دل سے بدل گئی ہے)

ز ع م

الزَّعْمُ - اُزْعَمٌ - اُتْرَعِمٌ - بات - دھوکا - جو حق غی - شرمگاہی ہے
 اور باطل بھی - لہکن اکثر ان باتوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں شک
 کیا جاتا ہو اور وہ متحقق نہ ہوں - لیٹ نے کہا ہے کہ جب عرب کہتے تھے
 ذَكَرَ فُلَانٌ تو یہ ایسے معاذات کے معنی بات شوق ہے جس کی بات یقین
 * باج - * رغبت - *** محیط و کساف - *** ناز و محبت و رغبت -

ہو کہ وہ حق ہے۔ لیکن اگر تمک شو اور اس کا یقین نہ ہو کہ کہہنے والے نے صبح کہا ہے یا جھوٹ، تو ایسی جگہ زَعَمَ فُلَانٌ کہتے ہیں۔ اس جگہ سے بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زَعَمَ کے معنی ہی جھوٹ ہیں۔ اَلَمْ تَرَ سَعْدٌ - جنسوت اور زنا۔ عَمَّاتُ لُغْتِی نے کہا ہے کہ زَعَمُوا ایسی باتوں کو کہتے ہیں جن کی نہ کوئی سند ہو نہ نبوت، بلکہ یونہی زبانی نہیں بڑی کہی گئی ہو۔ کہ اس نے اس سے کہا اور اس نے اس سے کہا۔ اصل میں اس کے معنوں میں یقین اور توقع کا پہلو شامل ہوتا ہے۔

صاحب معجم نے کہا ہے کہ الزَّاعِمُ - اَكْثَرُ فِی بَاتِلٍ لِّوَلِّیِّہَا جِدِّی ہے جن میں شک ہو۔ جن کے جھوٹ شونے کا عقیدہ دل میں ہو۔ بعض لوگوں نے تِلْ بِلا دینِ شو زَعَمَ کہا ہے۔ بعض نے اذعانے سے ایسی کسی بات کے جاننے کا دعویٰ کرنے (کسو نے کہا ہے۔ بعض کے نزدیک زعم کا تعنی عذاب ہے، و ذوالہ صبح ہو یا غف - راسب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ عذاب اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مسموم مقصود ہو۔

قرآن کریم میں ہے زَعَمَ الْبَاقُونَ كَفَرًا وَآلُ الْاَنْفِیْطَارِ یُبْعَثُوْنَ (۱۰۰)۔ "حسب سے باز کرنے والے خداں کرنے میں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے"۔ سورہ انعام میں ہے بِرِزْءِ عَمِیْمٍ (۱۰۱)۔ اس کے معنی گمراہی کے ہیں۔ زَعَمَ بَرٌّ : اس کی ذمہ داری لی، ضامن ہوا۔ اسی سے اَلْزَّاعِمُ ہے۔ ذمہ دار اور مکلف شو کہتے ہیں (۱۰۲)۔

فارسی نے کہا ہے کہ اس مادہ کے ابتدائی معنی ہیں ۱۰۱ بعد مسجوت اور یمن کے کوئی بت نہ رہا۔ اور ۱۰۲ ایسی چیز کا ذمہ دار اور مکلف

ز ف و

اَشْكُرُ - شَکْرٌ - زَفِیْرٌ - مَسْ - شُرْ کھنچ کر نکالنا۔ راسب نے کہا کہ اس کے معنی ہیں سانس کا ہر زلزلہ کہ اس کی وجہ سے سانس نہ آئے۔ جیسے مسکین بھرنے میں ہوتا ہے اس کا بیشتر استعمال ہے۔ شُر کی بت کو زور ہوتا ہے اور اس نے ہر عکس متعلق اس کی زبان کے خبرت حصہ شو نہتے ہیں، اس سے کہ زور سے اس کی طرف

روح ہوتا ہے۔ راسب -

کچھ جگہ کھو گئے ہیں اور سَنَمِیْقُ مائیس کے باہر نکلتے کو*۔ قرآن کریم میں زَفِیْمُرٌ وَ سَنَمِیْقُ (۱۱۱) آگے آیا ہے۔ اس کے معنی (آہیں پھرتے، سسکتے اور واو سلا کرتے ہوئے) چمکنے والے کے ہیں (۱۱۲)۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ آگ کے بیڑ لہنے کی آواز۔ سو بھی کہتے ہیں*۔ (۱۱۳) اور اس کا اطلاق نساگہنی مصیبت کے لئے بھی ہوتا ہے*۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ جو بوجھ کمر پر نہا ہو اسے کہتے ہیں۔ مسافر کا سامانِ سفر۔ مشکبوزہ جس میں چرواہا اپنے لئے بنائی جاتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی بوجھ اور آواز دونوں لکھے ہیں۔

ز ف ف

اَلزَفِیْمُرُ*۔ کے اصلی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں۔ نیز شتر مرغ کی وہ تیز رفتار جس میں وہ چمکنے کے ساتھ اڑنے لگتا بھی ملا جلتا ہے*۔ زَفِیْمُرُ*۔ البَعِیْرُ*۔ وب نے چمکنے میں تیزی کی۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ تیز رفتاری شتر مرغ بہت خوش رفتار ہوتی ہے۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ بچی کی چمک لہر بھی کہتے ہیں۔ زَفِیْمُرُ*۔ اَلْعَرُوسُ*۔ اسی زَوْجِیَّتَ زَفِیْمُرُ*۔ اس نے شہین کو شوہر کے پاس سنبھل لیا*۔ (اس میں بہت سے دوسرے والوں کے شدتِ شوق کا ہمراہ تھا)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہر چیز میں بہت تیز رفتاری اور تیز خرامی کے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے فَا تَنْهَوْنِیْ اَنْ یَّعْبُدَ اِلٰہَیْہِمْ یَزِفُوْنَ (۱۱۴)۔ وہ اس کی طرف تیزی سے آئے*۔ (اس میں جنابت کی شدت کا پہلو نمایاں ہے)۔

ز ق م

اَلزَفِیْمُرُ*۔ بھلا بنانا۔ بکل لینا۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ سنبھالنے کی چیز۔ بھلا بنانا۔ اور اسے بھلاؤ*۔ رشب نے لکھا ہے کہ زَفِیْمُرُ* اور زَفِیْمُرُ* مراد اسی نامندیدہ چیز کو ہے*۔ اَلزَفِیْمُرُ*۔ ایک جہی ہودہ کا نام ہے جس میں بڑی سی تیز برہمق ہے اور اس کے حضور کھڑے ہونے کے لئے بہت بدھیت ہوئے ہیں اور تنے میں مونی مونی لہجوں شوق میں۔ قرآن کریم میں ہے اَلزَفِیْمُرُ* کا لفظ زَفِیْمُرُ* اَلزَفِیْمُرُ* (۱۱۵)۔ اس کے خبیثہ کا خول ایسا ہے جیسے سائب کا بدن شو*۔ اس سے متعلق قرآن کریم میں ہے اَلزَفِیْمُرُ* ناگ بھی تیرہر کا خول*۔ لیکن سورۃ النمل میں ہے اَلزَفِیْمُرُ* نے جس کیفیت کے لئے تمہیں اس نمل کا سمع مل گیا ہے وہ ناشر ہے۔ شعب نے کہا کہ اَلزَفِیْمُرُ*۔ اس کو کہتے ہیں جو زعفران اور لہلہ شو*۔

صاحب نے لکھا ہے :- کہ عوام میں اسے بشور ضرب السمل اس وقت
 پڑا جاتا ہے جب کوئی شخص ایسی چیز دیکھنے یا دیکھ کر ایسا کام کرے جو
 اس کے لئے وبال جان بن جائے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
 تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (پہا ۱)۔ وہ ایک ایسا درخت ہے جو جہنم
 (جہیم) کی جڑوں میں اگتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد کوئی مسخ
 مسخ کا درخت نہیں، کیونکہ جہنم کی جڑوں میں کیونسا درخت اُگ سکتا ہے؟
 ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس قسم کا رزق ہے جس سے انسانیں جن کو اللہ
 عزوجل نے اس کے خوشے بڑے بڑے سروں و مستبد لوگوں (ممالک) کے
 سروں جیسے ہونکے۔ یعنی تسلیم و استبداد سے حاصل کردہ رزق۔ اسی کو
 شجرہ مَعْمُوْنَةُ بَنِي اٰدَمَ (پہا ۱) اور ضَعَامُ الْاَنْبِيَاءِ (پہا ۲)۔
 یعنی ایسا رزق جس سے انسان کی قوتیں مضمحل اور صلاحیتیں افسردہ ہوجاتی
 ہیں وہ زندگی کی صحیح خوشگواریتوں سے محروم رہ جائے۔ یہ ان لوگوں کا رزق
 ہے جو اپنے آپ کو (بزرگوار خوش) بڑا صاحب عزت و تکریم سمجھتے ہیں
 (پہا ۱)۔ یعنی متکبر فیمن کا طبقہ (پہا ۲) جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت
 اور حکمران کرنے کے خیال میں ہوں۔ اس رزق سے بہت تو ضرور بھر جاتا ہے
 (پہا ۱) لیکن انسانیت نشوونما نہیں دے سکتی (پہا ۲)۔

سورہ بنی اسرائیل میں سورہ شجرۃ اَلْمُتَعَوِّلَاتِ (۱۰۱) آیا ہے اور جس کا حیرانہ شہ نے ارہر دیا ، سورہ تکوین میں ہے کہ اس سے مراد وہ شجرۃ خَتِیْمَتِ شَمِ جِس کا ذکر آتا ہے ، میں آیا ہے ۔ یعنی بدھ کا نظریہ حقیقت ۔
بہر حال یہ تمام بیانات تشبیہی ہیں ۔

زکریا علیہ السلام

فرکان شریف نے انیسویں بنی اسرائیل کے ضمن میں حضرت زکریاؑ کا نام بھی لیا ہے (آیت ۱۰۸)۔ ان کے متعلق سورۃ النحل عمران (۱۰۷-۱۰۸)۔ سورۃ مریم (۱۱۰-۱۱۱) اور سورۃ نبیاء (۹۰-۹۱) میں مذکور ہے کہ وہ خود عمر و میسرہ تھے اور ان کی بیوی عقیقہ۔ لیکن ان کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت بیدار نہ تھی (آیت ۱۱۰) اور ان کے ہاں حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے۔ حضرت مریمؑ کو انہی کی کفالت میں دیا گیا تھا (آیت ۱۱۳)۔

۱۔ انجیل میں ہے: "یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں
 ۲۔ کے قبیلہ میں زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اوراد میں

سے تھی اور اس کا نام ایشیع تھا۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی کیونکہ ایشیع بانجہ تھی۔“

تورات (عبر نامہ قدیم) میں ذکر شدہ نام کے ایک نبی کا ذکر آیا ہے۔ امرائیموں کے ہاں شیکل کے ایک بہت بڑے منصب دار کسوتی کہتے تھے جس کا ترجمہ کاٹن کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے نبی کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے۔ حضرت زکریاؑ کو قرآن کریم نے زمرہ انبیاء کرام میں شمار کیا ہے۔

زک و

زکَا سَمًا وَاَنْزَرَ ع - يَزُوْ كُوْ - زُوْ شُوْ وَاَزُوْ - جمانوروں کا اور کھیتی کا پھم - پھوننا - برہم - نسوونما - زُوْ سَمًا وَاَزُوْ - خدا نے مال نسوونما دی - بڑھایا - زکَا سَمًا وَاَزُوْ - آدمی آسودہ اور خوش حال ہو گیا - امی صلاحیتوں میں نشوونما دہی - اس کی زندگی سرسبز و شاداب ہو گئی۔*

لہذا زکَا کے بنیادی معنی نشوونما پانا - بڑھنا - پھوننا - برہم ہونا - راضی ہونے کے یہ معنی کھنکھانے والے مال میں قرآن کریم کی یہ آیت درج کی ہے۔ زُوْ سَمًا وَاَزُوْ (۱) یہ دیکھو کہ نشوونما کھانا ایسا ہے جو حلال اور خوش نچوڑا ہے، یعنی جس میں نشوونما دینے کی زیادہ صلاحیت ہے، جو زیادہ (Nutritious) ہے۔

انقر سرہ کے معنی ہمیں نشوونما - بڑھائی - پھوننا - برہم ہونے کے معنی ہاں کھنکھانے والے مال میں - بڑھائی - بڑھائی - بڑھائی کے لئے ان کی بدخ تراشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ اس کے ہر نامی معنی نہیں۔ خود قرآن حکیم میں (ایک جگہ بیت میں) اَزُوْ وَاَنْزَرَ کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں۔ اَزُوْ لَکُمُہُ وَاَنْزَرَ لَکُمُہُ - اس میں اَنْزَرَ نشوونما دہی کے لئے ہے۔ اور اَزُوْ نشوونما کے لئے ہے۔ پھر اَزُوْ طہارت ایک ملبی صفت (طہارۃ) ہے۔ یعنی ناپائیدار اور خیراتوں سے دور رہنا۔ لیکن زکُوْہ بھی صفت (طہارۃ) ہے۔ یعنی برہم - پھوننا - پھمنا - نشوونما اور پائیداری حاصل کرنا۔ صاحب مہربان نے ہشتمی کے حوالہ سے اَزُوْ کے معنی نکمے میں خیراتوں کے ساتھ ساتھ زکُوْ وَاَنْزَرَ

صلاحیتوں کے ساتھ ایک عمر سے دوسری عمر تک ترقی کرنے والا۔ یعنی اس میں بالیدگی اور ارتقاء کا پہلو مضمر ہوتا ہے۔ اَرُشٌ زَكَاةً کے معنی ہیں سر بہ زُ زمین جس میں شوبہ نشو و نما شو۔ اَرُشٌ کے معنی شوبہ اَنْشَعُ۔ زیادہ منفعت بخش ہے۔ اسی اعتبار سے زکوٰۃ اس سلسلہ میں کہیں کہیں جو زوج (جوڑا) ہو۔**۔

سورۃ کہف میں ہے کہ خدا انہیں ایسا ہیہ دینا چاہتا ہے کہ ان کے ہاتھ کے ساتھ سے زیادہ صلاحیتوں کا حامل ہوں۔ خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً (۱۱۱)۔ نَفْسًا زَكِيَّةً (۱۱۲) کے معنی ہیں اچھا، عمدہ، جبران، نشو و نما یافتہ، ترقی۔ دوسری جگہ شَمًا زَكِيَّةً (۱۱۹) آیا ہے۔ سورۃ الشمس میں زَكَاةً کے مقابلہ میں دَسَمًا کا لفظ آیا ہے (۱۱۰)۔ دَسَمًا کے معنی ہوتے ہیں دبا دینا۔ اسی کو زندہ دفن کر دینا (۱۱۱)۔ اُسکی نشو و نما اور روک دینا۔ لہذا نَزَّ زَكِيَّةً کے معنی ہونگے ان تمام موانع کو دور کر کے جو کسی کی راہ میں حائل ہوں، اسکی نشو و نما کیلئے حالات کو مساعد کرنا۔

قرآن کریم میں اَقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَارْزُقُوا كَلَامًا بَارِئًا کے معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی نص کے یہی دو معنی ہیں۔ اقامت صلوٰۃ کے معنیوں کے لئے (ص۔ ل۔ و کے معنی میں) ”صلوٰۃ“ کا لفظ دیکھئے۔ اس سے ک کو معدوم ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد ہے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا جس میں فرد معاشرہ، قوانین خداوندی کا اتباع کرتا، انہی منزل و مقصود تک جا پہنچے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کا معاشرہ کیسے بنائے گا؟ مقصود کیا ہے؟ مقصود ہے ”ایمان“ زَكَاةً کے ابتداء کے معنی میں دینا۔ اور اچھا کہ آپ و سر دیکھ چکے ہیں اَرُشٌ کے معنی ہیں نشو و نما۔ معنی نوع انسان کی نشو و نما (Growth) یا (Development) کا۔ ان میں بہم پہنچنا۔ اس ”نشو و نما“ میں انسان کی طبعی زندگی کی پرورش اور اس کی ذات کی نشو و نما، دونوں شامل ہیں۔ سورۃ حج میں ہے کہ اَنْزَلْنَاهُ فِي اَرْضٍ رَّشِدًا مِّنْهُ تَصْلُوهُ وَتَتَوَقَّعُ زَكَاةً (۲۲)۔ اچھا، جمہور مومنین اوہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں شمار حاصل ہوتا ہے تو یہ بہت صلوٰۃ اور ایمان کے زَكَاةً پرینگے۔ یعنی اسلامی مسکات کا پرینہ۔ ”ایمان“ زَكَاةً ہوتا ہے۔ یعنی دوسروں کو نشو و نما دینا۔ اپنے افراد معاشرہ اور دیگر نوع انسان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانا۔ اسی کے

متعینی دوسرے مقام پر ہے کہ مومن وہ ہیں جنہیں "لَا یَزِیْلُ عَنْهُمُ آلَتْهُمُ فَذَٰلَکَ لَیْسَ بِاَعْمَیْنِ" (۲۳) جز زکوٰۃ (یعنی نوع انسان کی نشوونما) کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

اب سوں یہ ہے کہ ممکنات اسلامی (یا تمام مذہبی) اپنے اس غنیمت فریضہ (نوع انسان کو مہمان نشوونما بہم پہنچانے کے فریضہ) کو سرانجام کس طرح سے دیں؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے (اولاً) اذرائع و مساوار ممکنات کی تحویل میں رہنمائی نہ کہ وہ رزق کی تقسیم و تقاضا کی ضرورت کے مطابق کر سکیں۔ اور دوسرے یہ کہ (افراد معاصر جو حجہ و عمرہ و غیرہ کے لئے اس طرح تیار نہیں کیے ممکنات میں سے جس قدر ضرورت سمجھیں، "ایتائے زکوٰۃ"، (دوسروں کی نشوونما) کے لئے لے لے۔ اس مقصد کے لئے قرآن حکیم نے نہ توئی طرح و سر کی ہے نہ نصیب۔ اس میں سوال ضرورت پوری کرنے کا ہے۔ حتکہ اس ضمن میں یہ بھی شہد ہے کہ جو حجہ و عمرہ کی ضرورت سے تیار ہونے کے بعد حج جائے، غنیمت ضرورت وہ سب کام ممکنات کی تحویل میں لیا جا سکتا ہے۔ اذیکہئے ۱۹۲۱ء۔ اس مسئلہ کے لئے دیکھئے نو ممکنات اسلامی کی تمام آمدنی "ایتائے زکوٰۃ" کے مقصد کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوگی۔

لیکن اس تمام اسلامی نظام، بتدریج قائم ہوگا۔ جس عرصہ میں یہ ہزار ہا ہزار سالوں میں سے جس وقت کے افراد سے اس طرح کی اصلاح میں چندے اور عطیے لئے جاسکتے۔ یہ اسلامی نیکو کارانہ لئے جاسکتے۔ ان کے لئے قرآن حکیم نے "صدقات"، کی اصلاح استعمال کی ہے۔ یہ رکن عام طور پر "صدقات"، اور "زکوٰۃ" کو مرادف الہی سمجھا جاتا ہے۔ حتکہ قرآن حکیم نے "صدقات" کے خراج کی جو مدت بتائی ہے اس میں "زکوٰۃ" بھی زکوٰۃ کے مصارف کی مدد سے جاتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے ان اصطلاحات کو الگ الگ مندرجہ کے لئے استعمال کیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں - رکنی نظام ممکنات کے معنی میں - انفرادی چیزیں نہیں ہیں۔ انفرادی طور پر انسان جو کچھ ضرورت مندوں کو دیکھتا ہے خیرات دیتی ہے۔ اسلامی نظام میں خیرات لینے یا دینے کی ضرورت بھی نہیں ملتی۔ چونکہ تمام ضرورت مندوں کی ضرورت زندگی کا پورا کرنا، ممکنات کے فریضہ قرآن جاتا ہے۔ نیز یہ حد تک بھی صحیح نہیں کہ جو حجہ و عمرہ حکومت لیتی ہے وہ ممکنات کا ٹیکس ہوتا ہے، اور زکوٰۃ خدا کا ٹیکس ہے۔ "فخیر اور خیر" کی یہ تقسیم و عینیت کی ضرورت

(D 11) کی سہا کردہ ہے۔ اسلام میں اسکی قطعاً کُنجا نہیں۔ اسلام میں ، جو ممکن فرمیں خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوتی ہے ، اسے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ خدا ہی کو دیا جاتا ہے۔ (ان امور کی وضاحت کے لئے غنیمات "ر - ب - ب" - "ن - ف - ق" اور "ص - د - ف" بھی دیکھئے)۔

مسورۃ النجم میں ہے فَلَا تَزْكُتُوا أَنْفُسَكُمْ" - هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ يَنْزِلُ"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اپنے متعلق فیصلہ نہ کر لو نہ تمہارا نزولہ نفس (ذات کی نشوونما) ہو رہا ہے۔ اس کے لئے معیار ، خدا - مقرر کردہ قانون ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہہ "أَنْزِلْنِي بِرَحْمَةٍ"۔ "نزلت" اس کے معنی ہیں اس کے نزول (نوع انسان کی رو سے) کے لئے ہے۔ یعنی "مَنْ أَعْلَمُ وَأَنْزِلُنِي"۔ "جو دیتا ہے اور نازل سے رہتا ہے۔۔۔ اس کے لئے راستے میں ہو جائے ہیں (۱۱)۔

زل ف

"الزُّلْفَةُ وَالزُّلْفَةُ" قرب - درجہ و مرتبہ - "الزُّلْفَةُ" - شروع رب - منہ رت کا ایک حصہ (چھوٹا ہوا بڑا) - جمع زُلْفَةٌ ہے۔ "الزُّلْفَةُ" - منزلت ، جن سے انسان بے ہو جاتا ہے اور اپنی منزلت سے قریب ہوتی ہے۔ اس میں قرب اور مدارج دونوں آجائے ہیں (درجہ) - یہی سہولت کو کہتے ہیں جو اور کسی طرف نیچے ہے۔ "زُلْفَةُ" - وہ اس کی طرف قریب ہوا۔ "الزُّلْفَةُ" - اسے قریب لانا ، لانا - ان قدر میں اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز سے قریب ہونے کے لئے کے لئے جانا ہوتا ہے۔ "راغب" نے کہا ہے زُلْفَةُ رات کی منزلوں کو کہتے ہیں - صاحب لسان فی کے نزدیک الزُّلْفَةُ - منزل کو کہتے ہیں -

قرآن مجید میں ہے فَمَنْ رَأَوْهُ زُلْفَةً" - "جب وہ اسے قریب سے دیکھیں" - سورۃ سب میں ہے سَمِعَ بِكُمْ" - "میں نے تمہاری بات سنی" - جو میں تمہیں ہم سے قریب تر کر دے" - سورۃ شعراء میں ہے وَ زُلْفَةً" - "راخبر من (۱۱)" اور ہم وہیں دوسروں کو قریب لے آئے" - سورۃ شعراء میں ہے فَمِنْ أَنْصَحَهُ كَمَنْ لَمْ يَنْصَحْ" - "و زُلْفَةً" - "میں نے تمہیں" - "یہیں ہے ان کے دونوں سرے اور رات کے لئے حصے - (نیز دیکھئے غنیمات د - ل - ک - ر - ب - ب)

کہ خاکِ زندہ ہوں میں تابع ستارہ نہیں۔ وہ اپنے آپ کو اتفاقات اور حوادث کے حوالے نہیں کرتا بلکہ اتفاقات اور حوادث کو اپنے سروکراہ کے تابع لاتا ہے۔

ز م ر

زَمْرٌ - آواز - الزَّمْرَةُ و التَّمِيزُ مَزْرٌ - بانسری - زَمْرٌ مَزْمَرٌ و يَتَمَرُّ زَمْرًا - بانسری بجانا۔

الزَّمْرَةُ (جس کی جمع زَمْرٌ ہے) منتشر فوج اور جماعت - کیونکہ کرتی جماعت شور سے خلی نہیں ہوتی* - یا انہیں یک جا کرنے کے لئے تسمیہ بگن (صورت) سے کام لیا جاتا ہے۔ رانگب نے اس کے معنی تھوڑی سی جماعت کئے ہیں**۔

قرنِ کریم میں ہے وَ سَمِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّهُمْ جَهَنَّمُ زَمْرٌ (۳۹) - جنہوں نے انکار کی روش اختیار کر رکھی ہے انہیں جہنم کی طرف گروہ در گروہ لئے جاتا ہے۔ (زَمْرٌ کے لفظ سے چھوٹی چھوٹی ٹولہوں کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے)** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ٹولے ہیں (۱) چیز کی کمی - اور (۲) آواز۔

ز م ل

الزَّمِيلُ - ونٹ پر چڑھنے والا آدمی - نیز تمہارا رفیق سفر جو معاملات میں تمہاری مدد کرتا ہے - زَمَمَهُ - يَتَمَمُّهُ - زَمَلًا - اس نے اسے اپنے پیچھے سوار کر لیا یا کچلاوے میں اپنے ساتھ برباصر کی جہیز میں بٹھایا۔ الزَّمِيلُ - بوجہ - اس سے زَمَمٌ - جَمِيلٌ کے معنی ہیں اس نے ایک طرف میں سارا بوجہ اتار لیا۔ التَّمِيزُ مَزْمَةٌ - اونٹ پر دونوں طرف هموزن سواروں کا بیٹھنا یا هموزن بوجہ لادنا۔

ایک اونٹ پر معمول دو سواروں بیٹھتی ہیں - ایسے سفر میں سب سے اہم اور سزا کم یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ایک اونٹ پر ایسی دو سواروں کا وزن جائز جو ہم وزن بھی ہوں اور ہم خیال بھی نہ ہوں نہ دونوں میں سے کسی اور ذہنی، دونوں انداز سے ہم آہنگی ہو۔ اگر ان کا وزن برابر نہ ہو تو سفر میں اونٹ کو اور خود سواروں کو بھی تکلیف ہوگی۔ اور اگر وہ ہم خیال نہ ہوں تو یہ سفر، مسر (دورخ) بن جائیگا۔ سب سے اچھا سا مقرر کاروں وہ ہوتا ہے جو زَمِيلٌ چننے میں ماہر ہو۔

*محیط و تاج - **راغب -

رسول اللہؐ کو جب وحی کے ذریعہ قرآنی نظام کا نقشہ سمجھنا دینا گیا تو اس کے بعد ان کا سب سے اہم فریضہ یہ قرار پایا کہ وہ نشانے کار کی تلاش کریں اور ان کے انتخاب میں زمزمی لائنہ انداز اختیار کریں۔ اس لئے کہ ایسے عظیم پروگرام کی کامیابی کا راز نشانے ساز کے صحیح انتخاب میں تھا۔ یہ تھا وہ فریضہ جس کی طرف آپ کی توجہ یہ آیتیں (۱۳۱) کہہ کر دلائی گئی۔ اس کے بعد جس قسم کی زمزمی لائن رسول اللہؐ نے کی، دنیا کی تاریخ اس کی تاثیر پیش نہیں کر سکتی۔

ازدمل۔ تزممل۔ وازممل۔ رفی۔ مائیہ۔ کے معنی یہ بنی ہوئے ہیں کہ وہ اپنے کپڑوں میں لپٹ گیا۔ اس اعتبار سے آئیمزمل اسے کہتے ہیں جو معاملات میں نہ پرواہی برتے اور کاموں میں کوتاہی کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیتیں آئیمزمل میں آئیمزمل کے یہ معنی نہیں لئے جاسکتے، اگرچہ حیرت ہے کہ راغب جیسے باریع لغت بنی لکھ دے گا کہ یہ لفظ مستعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور لٹا ہے کوتاہی کرنے والے اور معاملات میں نہ پرواہی برتنے والے سے۔ بن فرس نے اس مادہ کے بنیادی معنی بوجھ لئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بنی کہا ہے کہ الزممل اس آدمی کو کہتے ہیں کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آئے تو وہ اپنے بدن پر مزید کپڑے نہ لے اور اس طرح کپڑوں کی کمزوری میں نہ جائے اور آئیمزمل کے معنی میں اونٹ کے دونوں طرف ہم وزن بوجھ لادن۔ اس اعتبار سے آئیمزمل کا صحیح مفہوم یہی ہونا کہ جو فرسہ تزممل میں بہت زیادہ حوصلہ برتے اور سرگرمی دکھائے۔ آئیمزمل بوجھ کو بنی کہتے ہیں اور ازدمل کے معنی ہوتے ہیں اس نے سارے بوجھ کو ایک دم لاد دیا۔ اس اعتبار سے زمزمی لائن وہ شرکاء جو بار رسالت کیونہم بیت حسن و خویں سے آئے۔ کشف میں عکرمہ کے حوالہ سے ہے کہ یہ آیتیں آئیمزمل کے معنی ہیں ان امر عظیم التواضع والے۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس کا منصب ہے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کا بار بھالنے والے۔ تفسیر خازن نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ تفسیری نے سنی تفسیر میں کہا ہے کہ آئیمزمل کے معنی ہیں وہ شخص جس نے بنے آپ کو خدا کا عہد رنگ کر لیا ہو۔ یہ آیت کی تفسیر مشکل ہے۔ تفسیر فتح التفسیر (سورانی) میں ہے کہ اس کے معنی زمزمی میں یا زمزمی ہیں۔ یعنی قرآن کا بار بھالنے والا۔ حامل قرآن۔ یہ معنی تفسیر میں بھی ملے ہیں اور کہا ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا۔

کیا ہے۔ سہر حال، نبی اکرمؐ کو جو یَا یٰسُھلَا المُنْزِلُ مثلاً کہہ کر پکارا گیا ہے تو اس میں حضورؐ کے عنہم الہامی فرائض رسالت کی طرف اشارہ ہے جن کا مقصد جماعتِ مومنین کو ساتھ لیکر دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کرنا تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ لفظ مُنْزِلٌ متلٌ باب تَمَثُّلٌ سے ہے۔ اصل اس کی مُتَنَزِّلٌ متلٌ تھی۔

ز م ر

اَزْمَمْتُہَر یُرُ - سردی کی شدت - نیز چاہتا کہو بھی کہتے ہیں -
اَزْمَمْتُہَر یُرُ - دن سخت سرد ہو گیا - اَزْمَمْتُہَر یُرُ - چہرہ پری
طرح بگڑ گیا اور دانت ڈالھائی دینے لگے - اَزْمَمْتُہَر یُرُ - دن
سخت سرد ہوا۔

قرآن میں جنت کے متعلق ہے کہ لَا یَرَوْنَ فِیْہَا سَمًا وَلَا
اَزْمَمْتُہَر یُرُ (م) - اس میں نہ تو سخت گرمی ہوگی نہ سخت سردی۔
وہی اَزْمَمْتُہَر کے معنی ہیں جنت سے ہونے والے - غالباً سردی سے
دانت بچنے سے مُنْزِلٌ ہے - لیکن ابن فارس نے کہا ہے ”ہو سکتا ہے
کہ یہ لفظ اَزْمَمْتُہَر سے ہو جس میں زیادہ کڑی گئی ہو۔ اَزْمَمْتُہَر کے
معنی چمکنے کے ہوتے ہیں - اَزْمَمْتُہَر اَزْمَمْتُہَر اَزْمَمْتُہَر - ستارے چمکے۔“
جب سردی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔

زنجبیل

اَزْمَمْتُہَر یُرُ - ادھرک یا مونسہ - کہتے ہیں - عربوں کے ہاں یہ
اعلیٰ درجہ کی خوشبودار چیز شمار ہوتی تھی* - صاحبِ محیط کا خیال ہے کہ
یہ فارسی لفظ سَنَنْکَبَرِیُلٌ کا معرب ہے* - (یہ لفظ سَنَنْکَبَرِیُلٌ نہیں
ہذا سَنَنْکَبَرِیُلٌ ہے)۔

قرآن میں ہے کَانَ مِزَاجُہَا اَزْمَمْتُہَر یُرُ اَزْمَمْتُہَر یُرُ اسکی مونسہ
مونسہ کی ہوگی، - اسکی مونسہ کے لئے عنوان (م) - زنجبیل -

ز ن م

ابن فارس نے کہا ہے کہ اَزْمَمْتُہَر کے ہندوئی معنی کسی چیز کو کسی
دوسری چیز کے ساتھ لٹکا دینے کے ہیں۔

* تاج و محیط - ** تاج - *** محیط۔

الْزَنِيْمُ۔ وہ شخص جو کسی قبیلہ سے نسبى تعمق تو نہ رکھتا ہو۔ لیکن اسکے ساتھ یونہی محقق ہو*۔ جیسے بکری کے گے مس جونک کی طرح دو تین سے لٹک رہے ہوتے ہیں جنہیں زَنَمَتَا الْعَيْنُ زَنَمَتَا کہتے ہیں۔ عربوں میں نسب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس کا نسب کچھ اور ہو (یا معلوم ہی نہ ہو) اور وہ یونہی کسی قبیلہ کے ساتھ متمسک ہو جائے، وہ ذلیل اور کمینہ شمار ہوتا تھا۔ اسی لئے الْزَنِيْمُ کمینے آدمی کو کہتے تھے جو اپنی کمینگی اور شرارت میں بدنام ہو*۔ زَنَمَةٌ۔ ایک درخت جس پر پتے نہیں ہوتے*۔ قرآن کریم میں زَنِيْمٌ کا لفظ (۶۸/۱۳) میں آیا ہے۔

زنی

زَنِي۔ يَزْنِي۔ زِنًى۔ زِنًى و زِنَاءٌ۔ اس نے بدکاری کی**۔ بلا عند معروف کسی سے جنسی اختلاط کیا۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَقْرَبُوا (الزَّانِيَةَ)۔ "زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ،"۔ یعنی یہی نہیں کہ زنا نہ کرو بلکہ مبادیات زنا تک کے بھی پاس نہ جاؤ۔ سورۃ فرقان میں ہے وَلَا يَزْنِیْ (۱۲۱)۔ "زنا نہیں کرتے،"۔ الزَّانِيَةُ۔ زنا کرنے والی۔ الزَّانِيَةُ (۱۲۲) زنا کرنے والی عورت۔ ان میں سے عریک کی سزا سو کوڑے ہیں۔ (۱۲۳)۔ البتہ اگر مجرم ایسی شادی شدہ عورت سے سرزد ہو جو پہلے لونڈی رہ چکی ہو (زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق***) تو اس کی سزا اس سے نصف ہے (۱۲۴)۔ اس لئے کہ لونڈیوں کی پرورش اور تربیت جس سست ماحول میں ہوتی تھی اس سے ان میں اس ہنسی کردار کی تسویع رکھنا جو بند، شریف اور پاکیزہ ماحول میں پیدا ہوتا ہے، زیادتی تھی۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ قرآن کریم انسان کی اضطراری کمزوریوں پر کس قدر نگاہ رکھتا ہے۔

سنگساری (رجم) کی سزا قرآن کریم میں نہیں۔

ہمارے زمانے میں اس مسئلہ پر بڑی تحقیق ہوئی ہے کہ جنسی تعذبات کے قومیوں کے عروج و زوال پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے اور جو قومیں مردوں اور عورتوں کی عزت کی پرواہ نہیں کرتیں وہ نہذیب و تمسک کی کس پست سطح پر آتی ہیں۔ (اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب میری کتاب "سنگساری کے نام خطرات، جہاں سورہ میں متعذبات خطرات فرمائی ہیں)۔

سنگساری اور اس کے متعلق قرآن کریم نے غلام اور لونڈیوں کے وجود (Institution) ہی کو ختم کر دیا۔ تفصیل م۔ ل۔ لک کے عنوان میں ملیگی۔

زمی

زَكَوٰةً رِّفًی وَعَنُۢمَ ۙ اِیَّزُۙ هٰمِدٌ ۙ - زُۙ هٰمِدٌ ۙ - ہے رغبت ہونا ۙ - کسی چیز سے اعراض نہ کرنا اور اسے چھوڑ دینا ۙ - اس سے فاعل زَاہِدٌ ۙ - سورۃ یوسف میں ہے کہ اہل قفۃ نے حضرت یوسفؑ کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا - اس لئے کہ وَكَانَ یُسَافِرُ مِیْنَۙ - زَاہِدٌ بَیْنَۙ (۱۲) - وہ حضرت یوسفؑ میں کچھ زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے - اَشْزَدَۙ - قریب اور حشر* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی کسی کے ہاں - اَشْزَدَۙ وَ اَشْزَدَۙ - تنگی اخلاق آدمی - کم خور آدمی* - صاحب محبت نے لکھا ہے کہ زُۙ هٰمِدٌ ۙ دریں اسی چیز کی طرف میلان چھوڑ دینے کو کہتے ہیں ۙ -

زُحْمًا ۖ زُحْمًا ۚ کہ لفظ جن معنوں میں شمار کے ہیں استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں نہیں نہیں آیا۔ یہ تصرف کی اصطلاح ہے جس میں ذبح سے ہے رشتہ کی کو بڑی فصاحت قرار دیا گیا ہے۔ یہ تصور قرآنی روایت کے خلاف ہے۔ (خود مصنف ہی اسلام کی مہربانی میں اسکا اعتراف ہوتا ہے) قرآن کریم کی رو سے زمین کا فریضہ دنیا کی تسخیر ہے اور اسکی خدوش گروہوں سے مستمع ہوتا اس کے حق۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ ”ان سے نہیں ہو کہ وہ نہ ہوں گے جو ان زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے جنہیں خدا نے اپنے پیروں کے لئے ہونے کا ہے“ (مائدہ ۱)۔ صرف ان چیزوں سے اجنبی ہوتا ہے جن سے خدا نے روکا ہے۔ ان کے علاوہ وہ دنیا کی چیزوں سے فائدہ لے سکتا ہے اور انہیں اپنے کام میں لاتا ہے۔

زهر

آنحضرتؐ - آنحضرتؐ - بڑا - بڑے کا - بڑوں - بعض کے لئے -
 حضرتؐ صرف آپؐ ہی تھے جو انہیں جانتے تھے۔ آنحضرتؐ میں -
 کی سرسبزی و زراعت - حسن و زینت - سادگی و سادگی - سادگی و زینت -
 انہیں - آنحضرتؐ - حسن و زینت - آنحضرتؐ میں -
 بہار کے دن **۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ: بنی دین معنی حسین - زینب - علی - فاطمہ - صفائی پر دلالت کرتے ہیں۔

* تاج - ** محیط -

کہہ دیتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک، دوسرے کی زَوْجٌ ہوتی ہے۔ زَوْجٌ کے اعلیٰ معنی حور کے ہیں۔ فَرْدٌ (کدام) کے خلاف۔ لہذا زَوْجٌ اس فرد کے لئے کہتے ہیں جس کا کوئی جوڑا (یا ساتھی) ہو۔ خواہ اس کی مثل یا اس کے مقابل۔ زَوْجٌ انسانی کے معنی میں اس نے ایک چیز کو اس جیسی چیز کے ساتھ ملا دیا۔ وَ ذَا الْمُنْمُوْسُ زَوْجَتُ الْ () کے معنی ہیں جب در لندن اپنے صحابہ کے مذاق کے ساتھ بیٹھا۔ اور زَوْجَتُہُمْ بِرَحْمَتِہُمْ عِیْنِہِمْ کے معنی ہیں انہیں حور عین کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے گا۔ ساتھی بہ دیا جائیگا۔ (حُورٌ کے معنی (ح۔ و۔ ر) کے عنوان کے تحت دیکھئے۔ اسی اعتبار سے ہر شے کے امثال و نظائر (یعنی ایک ہی قسم کی چیزوں کو) زَوْجٌ کہتے ہیں۔ اَحْشَرٌ وَالَّذِیْنَ نَسَبْنَاهُمْ زَوْاَجَہُمْ () کے معنی ہیں ان کے کرنے والوں کو اور ان کی ہم کار پارٹیوں کو اکٹھے کرو۔ (یعنی ان کے محل و نشیور اور لوگوں کو جو ان جیسے ہیں)۔ اسی طرح قرآن کریم میں اعلیٰ جنت کے متعلق مختلف مقامات میں آیا ہے۔ فِیہُ زَوْاَجٌ مُّطَهَّرٌ () تو اس کے معنی نیک بیویں ہی نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں بہتر خیالات رکھنے والے ہم مشرب ساتھی۔ جنتی معشرہ میں قسب و نسب کی بزرگی اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ چونکہ اس معشرہ میں مرد بھی ہونگے اور عورتیں بھی، اس لئے اَزْوَاجٌ میں وہاں بھی شامل ہونگے۔ واضح رہے کہ جو جنتی معشرہ دنیا میں قائم ہوگا اس میں وہاں بیوی کے تعینات میں افزائش نسل کا مقصد بھی شامل ہوگا۔ لیکن جنت آخرت میں وہاں بڑی کمالات یا افزائش نسل کا تصور قرآن کریم سے نہیں ملتا۔ لہذا وہاں کی (مردوں اور عورتوں کی) زوجیت، باہمی رفقت (Companionship) کی ہوتی۔ خدمت بہت ہے کہ جنت آخرت کے متعلق جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے وہاں کی نعمتوں کا تمہی یہاں ہے۔ ایسے یہاں کے اندازِ زیست در فہم نہیں آتے۔ چنانچہ وہاں کی حقیقت کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ ہی نہیں سکتے۔

انہیں معانی کی بنا پر زَوْجٌ - ہر شے کی قسم اور نوع و صنف () کو کہتے ہیں۔ اَزْوَاجٌ مِیْنُہُمْ () کے معنی ہیں قسم قسم کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ۔ بلا طرح طرح کی چیزیں جو ایک دوسرے سے مشابہ ہوں۔ کَمِہُمْ مِیْنُہُمْ فِیہُمْ مِیْنُہُمْ زَوْجٌ کَرِہُمْ () کے معنی ہیں ہم نے زمین میں ہر قسم نوع کی کتنی چیزیں () کی ہیں۔ (وہیں سے)

*تاج و محیط - **راغب و لسان العرب -

ثبوتات میں فروم مدہ کا ہونا ثابت ہے اور بعض جمادات کے متعلق بھی ایسا خیال لیا جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ وَآخِرُ مِّنْ شَتَاكِيمِ اَزْوَاجٌ (۳۸) اس کے معنی ہیں اس کے علاوہ اسی قسم کی اور رنگا رنگ سزائیں۔ وَ مِّنْ نَّارٍ شَمْسٍ خَمْسَمِائَةِ زَوْجَيْنِ (۵۹) کے معنی بھی یہی ہیں کہ ہم نے ہر نوع کی ایسی چیزیں تخیق کی ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ اور متنی جتنی ہیں۔ خواہ ایک دوسرے کے ہم رنگ ہوں اور خواہ ایک دوسرے کی ضد۔ مثلاً آسمان زَوْجٌ ہے زمین کا۔ سردی زَوْجٌ ہے گرمی کی۔ اور جوتے کا ایک پاؤں بھی زَوْجٌ ہے دوسرے پاؤں کا۔ زَوْجٌ کے معنی ایسے فرد کے بھی ہیں جس کا نہ بھی یا نظیر و مثیل ہو۔ یعنی بسہ لفظ دو سہ تہیوں میں سے ہر ایک فرد کے لئے بھی اسی طرح مستعمل ہے جس طرح ان دونوں کے لئے۔
کبھی دونوں کے لئے زَوْجَانِ بھی بولتے ہیں*۔

زَوْجٌ - اور تَزْوَاجٌ - وزن با جمع بندی کے لئے کسی فترے کے دو نکتوں کو ایک دوسرے سے منسوب کرنا، یا دو قضیوں کا ایک دوسرے سے متعلق ہونا۔ زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) - رفیق۔ ایک دوسرے کے ساتھی*۔ زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) کے معنی شوہر یا بیوی دونوں کے ہیں۔ شوہر بیوی کا زَوْجٌ ہے اور بیوی شوہر کی زَوْجٌ*۔ ان میں سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ اس کا نام ہے از دواجی زندگی۔ قرآن کریم میں میں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ دیکھئے عنوان (ل۔ ب۔ س) (۱۱) میں زَوْجًا کے معنی بیویاں ہیں۔ تَزْوَاجُتْ اَمْرًاۃ کے معنی ہیں ”میں نے ایک عورت سے شادی کی“۔

آریہ دیکھند ہو کہ قرآن کریم کی رو سے از دواجی زندگی کس قسم کی زندگی ہوتی ہے تو اس کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ تَزْوَاجُتْ اَمْرًاۃ کے معنی ہیں نیز نکاحوں میں گھل مل گئی ***۔ لہذا میں بیوی کی زبانی کہ منہ ایسی ہے جیسے نکاحوں میں بند گئی جائے۔ (نیز دیکھئے عنوان (ن۔ ک۔ ح)۔ اس دنیا کے جتنی معسرہ میں مردوں کے ساتھ عورتیں رہتی ہیں ہر ایک کی ہر ایک قسم و نگہ کی پرکزی کو لئے ہوئے ہونگی اور سب زبانیوں میں ایک رفیق کی طرح ساتھ چلنے والیاں۔ قرآن کریم نے ان کے لئے حدت کی خصوصیات کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ باقی رہی میرے کے لئے۔ کی جنت، سو (جیسا کہ اجمالاً اوپر کہا گیا ہے اور تفصیلاً ح۔ ن۔ ن کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے) ہم اپنے ادراک کی موجودہ سطح پر

اسکی کیفیت کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اسی لئے ہمیں کہہ سکتے کہ وہاں کے ساتھیوں کی کیسی کیفیت ہوگی۔ لیکن اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم رنگ اور ہم آہنگ ساتھیوں کا مل جانا، جنت ہے۔

زور

الزورۃ۔ موجودہ ضرورت سے زائد چیز کو کہتے ہیں جسے دوسرے وقت کے لئے سنبھال کر رکھ لیا جائے*۔ نیز اس کے معنی کھانے کے شے وغیرہ سفر کا ہو یا حضر کا*۔ بالخصوص وہ کھانا جو سفر کے لئے تیار کیا جائے، تو شہد*۔ اَمِيزُودٌ۔ تونہ دن کو کہتے ہیں**۔ زَوْدٌ شہد* تَزْوِیدٌ آگاہی کے لئے اس راہ دیا۔ تَزْوِیدٌ: اس نے تونہ ساتھ لیا***۔

قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں ہے وَ تَزْوِیدُوا (۱۰۲)۔ حدیث سے پہلے اسے زاد سفر کا انتظام کر لیا کرو۔ (یونانی ٹھکانہ چل دیا کرہ) اس لئے کہ قَارِنُ خَيْرٌ الزَّادِ الشَّوْی (۱۰۲)۔ جب تم زاد سفر لیجے سر چلو گے تو اس سے تم دوسروں کے دست نگر ہونے سے بچ جاؤ گے۔ ابن فارس نے خیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تَزْوِیدٌ کے معنی کسی کسی چیز کو ادھر سے ادھر لے جانا ہیں۔

زور

الزَّوْرُ۔ سنے کا بڑا حصہ جس میں سنے کی تمام ذیلیں آدھ میں جسی ہیں۔ جو شخص کسی کو سنے کے لئے آنا ہوا ہے وہی الزَّوْرُ کہتے ہیں۔ زُرْلُہ۔ میں نے اپنا سنے اس کے سامنے رکھا، توجہ سے اس کا قصہ کہ، اس سے ملا۔ الزَّوْرُ۔ اَشْرَبَارُہ۔ اَمِيزَارُہ۔ ملاوٹ کون۔ زورنہ۔ الزَّوْرُ۔ مینے کا بیڑھا پن اور ایک طرف کھینچ ہون۔ الزَّوْرُ۔ وہ جس کے سنے میں لڑھا پن ہو۔ جو جسے میں سناہ آگوا ایک طرف زیادہ جھک کر جھتا ہو۔ نیز کھانکھوں سے دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے سنے لٹنے کے معنی ایک طرف جھک جانے کے آتے ہیں۔ نیز سنے کے سنے سے بچ کر ایک طرف ہو جانے کے۔ ابن فارس نے انہاں کے کہ میں کے پاس سے کسی طرف جھک جائے اور ایک طرف آدھ جھک جائے کے معنی۔ زورہ کہہ میں میں ہے تَزَاوَرُ عَنِ كَيْفِيَّتِهِمُ (۱۰۱)۔ سورج ان کے رخ سے ہٹے

طرف کو ہٹ کر نکل جاتا ہے۔ "زَوْرًا عَنَّهُ"۔ وہ اس سے ہٹ گیا۔ اسی سے الزور جہوٹ اور ڈھتے ہیں۔ حَبْسُ لَّهِ زَوْرٌ۔ اسی جس میں ہب ہو۔ سورۃ حج میں ہے وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ (۱۲۱)۔ اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ جھوٹی اور بنیادی بات سے بچو۔ لیکن اس کے اعتبار سے اس کے معنی بھی سمجھنا راستے سے ہٹ کر دوسری طرف جا کر، زَوْرٌ میں جہوٹ کا۔ اسلام، حرکت کا نام ہے۔ یہ ایک تحریک ہے۔ لیکن یہ حرکت بلا تعین منزل نہیں کہ جس طرف جی چاہا قدم بٹھا دیا۔ یہ حرکت ہے ایک متعین منزل کی طرف۔ اسمئے میں زَوْرٌ کے کوئی کام نہیں۔ اس کی تشریح اگلی آیت کے کر دی جہاں فرمایا اب حَسْبُكَ رَبُّ (۱۲۲)۔ ہر طرف سے منہ مٹا کر اس نصب العین کی طرف جھٹکا جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ تَبَيَّرَ مُسْتَرِدٌّ لِيَعْنُ بِهِ (۱۲۲)۔ اس میں کسی ورخان، جنہ اور مہلان کی آمزش نہ کرنا۔ اسی سے سورۃ فرقان میں تَبَيَّرَ زَوْرًا لَّيْلًا کہتا ہے۔

الزور، زَوْرٌ۔ بنائی ہوئی اور جہوٹ کا مجمع کی ہوئی بات۔ زَوْرٌ الزور کے معنی ہیں کسی بات میں جہوٹ مٹا کر اسے موزن کرنا۔ اب تعین کا ایک مذہب سبب مٹا بھی ہے۔ اس لئے تَزَوُّرٌ کے معنی زَوْرٌ کو دور کرنے کے بھی ہیں اس کو اصلاح دیتے ہیں۔ اس الزورانی نے کہا ہے کہ کسی چیز کو مسدود کرنا، خواہ وہ خیر ہو یا شر، تَزَوُّرٌ ہے۔ تمہارا تکرار۔ مجمع کے معنی میں یہ مادہ قرآن کریم میں (تَمَّ اَمْرٌ) کہتا ہے۔ جہاں لے جائے حَسْبُ زُرْتُمْ تَمَّتْ بَیْرٌ۔ یہاں تک کہ تم قبروں سے جا ملو۔

زول (زی ل)

زول، زَوْلٌ۔ زَوْلٌ۔ زَوْلٌ۔ کسی چیز کا جہاں سے جہاں سے جہاں سے جہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ دور ہو جانا۔ جہاں سے جہاں سے جہاں سے فرکان درجہ میں یہ لفظ مُسْتَكِّت کے معنی میں آتا ہے۔ جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اَلْاَبْسُطُ مُسْتَكِّتٌ۔ ستم و زور و زور۔ زَوْلٌ۔ اَلْاَبْسُطُ a

لَا يَزَالُونَ (۲۱) - وہ ہمیشہ اس حسانت میں رہیں گے - نہیں - ز
نہیں آئیں گے - فَزَيِّنَا بَيْنَهُم (۲۸) - ہم ان میں جھگڑائی ڈال دیں گے -
لَوْ نَزَّلْنَاهُ (۲۹) - اگر وہ انک انک ہو جاتے -

راغب کا کہنا ہے کہ زَوَّالٌ^{۲۱} اس چیز کی حرکت کے لئے بولا جاتا ہے
جو ہمیشہ اپنا مقام اور بعد میں ثابت نہ رہی ہو* (اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکی ہو)۔

ز ی ت

زَيْتٌ (۱۲۱) - زیتون کا تیل - زَيْتُونٌ (۱۲۲) - زیتون کا ایک درخت -
یسا اس کا ایک تیل* (۱۲۳) - سے بڑا نفع بخش اور مفید درخت سمجھا
جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے وَأَسْبِغْنِیْ وَأَلْبِسْنِیْ زَبْجًا زَوَّاجًا (۱۲۱) - اور میری دھو دے اور
میرے لئے زبج کا لباس پہنا دے۔ اس میں اَلْبَسَ زَوَّاجًا - زبج نامی ایک خاص قسم کا
لباس ہے۔ اور زَبْجًا زَوَّاجًا - حضرت عیسیٰؑ پر عذاب ہوئے تھے۔ اور اَلْبَسْنِیْ -
حضرت نوحؑ کی بعثت کا مقام ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے زبج کا لباس پہنا دیا اور
حضرت عیسیٰؑ کی دعوت - اور حضرت موسیٰؑ پر عذاب - اور عیسیٰؑ کی دعا۔
یہ سب آسمانی دعوتیں اس حقیقت کبریٰ کی نشاندہ ہیں کہ لَوْ نَزَّلْنَاهُ
الْأَنْزِلَیْنَ (۱۲۲) - اگر وہ انک انک ہو جاتے۔

ز ی د

زَیْدٌ کے معنی ہیں نشوونما پانا - بڑھنا اور بڑھنا - بمعنی زَیْدٌ وہ
ہوگا - نیز یہ متعدی بھی آتا ہے - زَادَ کَثْرًا - اور زَادَہ کے معنی
زیادہ دینا اور زیادہ کرنا ہیں - زَادَ دَارَہُ زَیْدٌ - زیادہ کرنا زَیْدٌ کو
(لازم و متعدی استعمال)۔

سورہ رعد - میں اَزْدَرَسْنَاہ کے مقابل شَمْسٌ کے ساتھ آیا ہے۔
خَبَّضٌ کے معنی نہ ہو جانے اور چمکے اور جنب ہر جگہ کے ہونے۔
سورۃ یونس - میں زَیْدَہ رُفْعًا ہے - اور اَزْدَرَسْنَاہ میں مَزْرُوعًا ہے۔
یعنی وہ خدشہ اور زلزلہ جیسے چیزوں کے سوا ہونے کے بعد اس میں
بڑھائی ہوئی ہے۔ سورۃ آل عمران میں شَمْسٌ زَیْدٌ رُفْعًا ہے۔
کے معنی زَیْدٌ ہونے پر رُفْعًا کے معنی ہیں۔

* راغب - * تاج - * مجید - * ابن جریر - * ابن کثیر - *

قرآن کریم سے صحیح راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے ادراک کا بے رنگ ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زینہ کو ہدایت کی نسر قرار دیا ہے (۱)۔ (مزید تشریح ح۔ ک۔ م کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں) کے تحت دیکھئے)۔

زی ن

دیکھئے عنوان ”ز۔ و۔ ل“۔

ز ن

”زینہ“ وہ چیز جس سے آرائش کی جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ خود کسی چیز کا نگاہ میں حسین معلوم ہونا بھی زینت کہلاتا ہے۔ زینت کسی چیز کو راستہ ہونا۔ کسی چیز پر ہونا (جو خوشنما بنا کر دیکھنا)۔ ایسے کچھ کلام ”زینتین“ ”فی“ ”ارض“ (۱)۔ میں (انسان) (جو) اسکی طبعی زینت (حبت ارضی) استوار خونما بنا کر دکھائے گا کہ یہ اسی کو نصب عین حیات بنا کر ستم جائے گا۔ یعنی اسکا تصور حیات پر اسکا سادہ پرستانہ (Materialist) ہو جائیگا۔ ”زینتین“ راستہ پیراستہ ہونا۔ مزین ہونا۔ ”یوم“ ”زینتین“ (۲) ہفت روزہ کا دن۔ تموار۔ روز جستن۔ قصہ بنی اسرائیل میں ایک جگہ ”وزاراً میں“ ”زینتین“ (۳) آیا ہے۔ یعنی وہ حسین جن سے وہ قوم اپنی آرائش لیتی تھی۔ دوسری جگہ میں ”وہ حیاتین“ (۴) کہا ہے۔ یعنی ان کے زیورات۔

قرآن کریم، صرف زندگی کا فنی پہلو (Finite Aspect)، ہی سامنے نہیں رکھتا بلکہ جمہوری (Social Aspect) بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ اسلئے وہ انسان کو نہ صرف اجرت دینا ہے کہ وہ زیبائش و آرائش کی چیزوں سے اپنے سر و سامان کے حسن میں اضافہ کرے بلکہ اسکا حکم دیتا ہے کہ ”وہ“ ”زینتین“ ”غیر“ ”مستحسب“ ”اگر“۔ ہماری اخلاعت اور دل میں حسن و زینت کو اختیار کرو۔ جو لوگ زندگی کے ہستی پہلو کو صرف کی نگاہ سے دیکھنے میں ان کے متعلق بڑی سطحی سے گمراہ ہے کہ ”میں“ ”میں“ ”زینتین“ ”اللہ“ ”تین“ ”احقر“ ”ج“ ”یعنی“ ”کہ“ ”ان“ سے کہہ دے۔ زینت و آرائش کی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے وہ ان سے جو نہیں حرام قرار دیا ہے اس نے زیبائش و آرائش کی طرف سے کسی خاص نہ ہونے کے نسر محدود نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ

نَا جَعَلْنَا مَاعَدَنِي الْأَرْضَ زَرْيَةً لِّبَنَاتِهِ (۱۱)۔ جو کچھ زمین میں ہے
سب اس کے لئے وجہ زینت ہے۔ اس لئے زمین میں جو کچھ بھی زینت و آرائش کے
لیہ مان ہے، سب انسان کے حسن و زیبائش کے لئے ہے۔ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔
ایک دفعہ امیر احمد حیات نے ایک پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہمیں چیزیں زمین
کا نصب نہ بن نہیں بن جانی چاہئیں (۱۲)۔ ہمیں اصل نصب العین کے حصول
میں مددگار کے طور پر مستعمل کرنے چاہئے۔ دانیوں سمجھئے کہ دنیاوی متاع
بہت اور زیب و زینت کی اساع سے مستمع ہونے کی ممانعت نہیں لیکن جب
کبھی ایسا ہو کہ ان چیزوں میں اور قرآن کی متعین کردہ حدود اور اصرار
میں دیکھاؤ ہو، اُسوقت ان چیزوں کو، ان قرار کے تحفظ کی خاطر قربان کر
دینا ہوتا۔ یہی دین کا مغز اور قرآنی تعصب کا ماحول ہے۔

[illegible]

سجود میں زمین اور اس کی سرور کے متعلق کہتا ہے کہ یہ سب تو خدا
 یسے تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے۔ یعنی اس تمام ضرورت مندوں کے لئے جو ان کے لئے
 کچھ نہ جانتے۔ یہ انسانی رزق کے سرچشمہ ہے اس لئے اس سے ہر شخص
 کی ضرورت پوری ہونی چاہئے۔ یہی اس کی تخلیق کا مقصد ہے۔ نہ یہ کہ
 مختلف لوگوں اس پر حسبِ بندی کر کے اسے اپنی ممکن تصور کر لیں۔ خدا
 نے ان تمام چیزوں کو جن کی انسان کو اپنی زندگی پر تدارک لینے کے لئے
 ضرورت ہے، خود پیدا کر دیا ہے۔ "وَآتَاكُم مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّا سَأَلْتُمُوهُ"
 (آلہ)۔ یہ اس کا نظام ربوبیت ہے۔ ہذا اس کی ربوبیت عامہ کو اور ان کی
 ملکیت سمجھ لینا بہت بڑا جرم ہے۔

باوجود ایک دوسرے سے درجہ فکرت کے معنوں میں سورۃ النہل میں ہے
 عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) - مَسْئُورٌ لَّهُمْ (۲) - اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَٰهٌ
 جَدُّهُمْ سَورہ نساء میں ہے لَٰهٌ اَوْ تَبِعَتْ سُنُّ لَٰكُم بِمُؤْمِرٍ اِلَٰهٍ - اس میں
 مُؤْمِرٌ بمعنی مسئلہ ہے - یعنی جس چیز کی وجہ سے احتجاج ہے - یہی مطلب ہے -
 طلب - تیری مانگی ہوئی چیز ۔

نصائح بہتر سے نصیحت نہ "سوال" کے ہندی معنی ضرورت اور
احتجاج کے ہیں۔ جب ہم کسی سے دعا کرتے ہیں تو اس وقت یہی
شعور ان باتوں کے معلوم کرنے کی احتجاج شوقی ہے جن کی سبب دردناک
گرتے اچھٹے نہیں۔ قرآن نور کے مختلف مقامات میں یہ دیکھنے پروردگار
پر کیا جاتا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے کہ "اور جس جگہ وہ نور"

س ا م

[illegible]

سبأ

سَبَّاءٌ - یمن کی ایک قدیم سلطنت کے دارالخلافہ کا نام تھا جس پر عہد حضرت سبئ^۳ میں ایک مدینہ حکمران تھی۔ قرآن کریم میں اس قوم، اس کے ملک اور مدینہ سبأ کا ذکر آیا ہے۔ (دیکھئے ۲۲ و ۳۱)۔ اس میں اس ملک کے سرسبزی اور زرخیزی کا خاص طور پر ذکر ہے اور پھر سیلاب کی وجہ سے اس کی بھرت انگیز تباہی کا۔ انہوں نے ایک بہت بڑا بند تعمیر کر کے پانی کو روک لیا جس سے ان کا علاقہ سیراب ہوتا تھا۔ یہ سیلاب اسی بند کے ٹوٹنے سے آیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں ایک امریکن ماہر حفاریات (Archaeologist) نے ان کے قدیمہ کا ذکر کیا تھا جس نے جنونی عرب، بالخصوص یمن کے علاقہ میں دریافت کئے تھے۔ اس کی کتاب کا نام (Qataban and Sheba) ہے اور مصنف کا نام (Wendell Phillips)۔ ان تفصیل سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ بالخصوص ان کے تعمیر کردہ بند اور اس کے بعد اس تباہی پر جس سے اس قوم کی صرف داستانِ دُنب میں باقی رہ گئیں۔ (۱۹)۔

سَبَّابٌ - شراب کے کاروبار کرنے والے کو کہتے ہیں اور سَبَّاءُ الْخَمْرِ کے معنی ہیں اس نے شراب خریدی*۔ اگر سبأ کے شہر کا نام اسی نسبت سے تھا تو اس سے ظہورِ ان تہذیبوں کی طرف منتقل ہوتا ہے جن کی وہاں فراخ تھی۔ کن سَبَّابٌ کے معنی لئے۔ ہر کے بھی ہیں*۔ قرآن کریم میں ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْمَانِنَا (۱۹)۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کو لمبا کر دے تاکہ ہمارا تجارتی کاروبار وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔ ممکن ہے یہی نسبت سے ان کے دارالسلطنت کا یہ نام ہو۔ سبأ اور حضرت سبئ^۳ کے دو نام کے متعلق عنوان "سبئ^۳" دیکھئے۔

س ب ب

سَبَّابٌ سَبَّابٌ - امکو قطع کر دے۔ کٹ دے۔ اَسْبَابٌ - گئی دند۔ ہونکہ اس سے ایک دوسرے کی کٹ جاتی ہے یا تعلقات منقطع ہوتے ہیں**۔

سَبَّابٌ اور اَسْبَابٌ - رسی - مضبوط اور لمبی رسی جس سے درخت کو ترا اور جڑھا جائے۔ یا جس سے کوئی تک پہنچا جائے۔ اسی سے اس کے

* تاج و محیط - ** تاج -

معنی ہر اس ذرہ کے لئے ہو گئے جس سے کسی تک پہنچا جائے *۔ اس جہت سے راستے کو بھی سبب کہہ دیا جاتا ہے ** کیونکہ وہ ایک منزل کو دوسری منزل کے ساتھ ملا رہا ہے۔ نیز قرابت کا تعنیق - رشتہ داری *۔

قرآن کریم میں ہے "وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَسْبَابَ بِهَا"۔ "ن
کے باطنی تعصبات متنبذ ہو جائیں گے"۔ وہ مفاد اور ذرائع جن سے وہ ایک
دوسرے کے ساتھ وابستہ رہیں ختم ہو جائیں گے۔ سورۃ نہل میں ہے "وَلَا
تَتَّبِعُوا سَبَبًا" (۱/۱۰)۔ "پھر اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا"۔

[illegible]

سورۃ انف میں ہے وَأَتَيْنَاهُ مِيقَاتٍ مِّنْهُ لِيَذَرَ حُلُمَهُ أَيَّامًا فَتَعَالَىٰ اس کے معنی سامان و ذرائع ہی کے ہیں۔ نہ دینے کے لئے رکھیں یہ وہ ہے (۱۰) جس کا ہے جہاں کہہ گیا ہے کہ اللہ کے معبودان۔ جن کی طرف من دو، ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے، جہالت کی بناء پر بندھا کر دیجیں۔ اس قسم کے من، شرک، مناجاتی مندوبوں کے لئے نفل ہوتا ہے اور ان کے

رشتے ہیں۔

ب ب ت

اسٹیج پر ۔ نیند ۔ اس کے پہلی معنی راحت و سکین کے ہیں ۔ اس کے
کے لفظوں میں یہ بھی ہے کہ یہ بھی () ۔ اور چونکہ راحت و سکین
کے معنی یہ ہیں کہ یہ نیند و راحت کے ہیں اور چونکہ اس کے
اس کے معنی ترک ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں ۔

چنانچہ سبب - یسبب - وسببیت - کے معنی میں کہ
راحم و آرام نہ - راحی کے لئے کہ سببیت کے معنی راز و حجاب

بھی ہیں اور سنبھر کے دن میں ہونا 'سنبھر کا دن گزارنا' سنبھر کے دن میں داخل ہونا 'بھی'۔ سَمَتَ الشَّيْءِ کے معنی ہیں اس چیز کو قطع کر دیا۔ اَلْاَسْبَابُ۔ اَلْمَوْنَةُ۔ اور سر منڈانے کو بھی کہتے ہیں۔ اَلْمَسْبُوتُ۔ میت کو بنا ہمسراش آدمی کو کہتے ہیں۔ نیز اس ہمسار کو بھی جو نکاح میں بند کئے پڑا رہے۔

يَوْمُ السَّبْتِ۔ ہفتے کا وہ دن جسے سنبھر کہتے ہیں۔ خدشہ ہے کہ یہ نام اس لئے دیا کہ اس میں یہودی کاروبار نہیں کسرتے۔ اس معنی میں یہ لفظ (۱۰) میں آیا ہے۔ اور راحت و آرام کے معنوں میں سَبْتُ (۱۱) میں، جہاں کہہ رہے ہیں وَاجَعْنَا نَوْمَكُمْ سَبَاتًا۔ نیز کہو موجب استراحت بنایا۔ سورۃ فرقان میں بھی کہا ہے اور اس کے مقدمہ میں نُسُوْرًا (۲۵) کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی جلالت بفرسا۔ منتشر ہونا۔ ٹھہر کھڑے ہونا ہیں۔

یہودیوں کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اپنے سَبْت کی پابندیوں کو توڑا (۱۲)۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ یہ اس دن، جہاں کاروبار کرتے تھے (۱۳)۔ اس حکم کی خلاف ورزی کی بنا پر ان پر لعنت کی گئی (۱۴)۔ ذریعہ وہاں میں لئے آیا کہ وہ سب ایک مسک پر جس کے جوئے بھی اختلاف کرنے لگ گئے تھے (۱۵)۔ اس سے ظاہر ہے کہ بہت زندگی ایک نام کے ساتھ بحث بسر کی جائے تو اس نظام کی طرف سے کچھ تردد حسرت سے ظاہر ہے۔ یہاں پر قلم رشنا بھی ضروری ہے۔ ہفتے میں ایک دن کا کاروباری ذمہ بڑی معمول سی رہتی ہے۔ لیکن اس سے سمرت و بردار و امتحان ہو جاتا ہے۔ جو لوگ انہی سی طبع (Temperament) کا مقابہ نہ کر سکیں اور جو در دروں سے بہت سی کی خلاف ورزی کرتے ہیں جہاں وہ بہت زندگی کی بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں کیا سوارے انہیں لگے؟ کمپوٹس نامی نسبت خودمش (Self Discipline) اور تربیت کے معنی کا ہے۔ یہ تعدد نسبت کے لئے کہتے ہیں کہ قریم کا مقصود یہی ہے۔ اس ضمن میں بنی اسرائیل پر جو عذاب سے انہیں اس کی انصاف تھی۔ ان کے لئے ان میں نیکوئی (۱۶) کے لئے اللہ تعالیٰ نے * * * میں * * * عقیف ورمسہ اور تہود کے جوئے سے انہیں نسبت جمعہ کی نام سے شروع ہو جا۔ اور سنبھر کے سور دن رشتہ۔ اس میں ان کے علاوہ، قریب ۳۸ فور امور بھی تھے جن کا کرنا منع تھا۔

س ب ح

سَبَّحَ کے معنی ہیں تیرا - مَسْبَحٌ بِالنَّهْرِ وَفِي النَّهْرِ سَبَّحَ وَ سَبَّاحَةٌ کے معنی ہیں نہر میں تیرا - اَسْبَحَہُ فِي الْمَدِينَةِ اسے مدینہ میں تیرا دیا - اَللّٰہُ بِحَيَاتٍ - نشتوں کو دہتے ہیں - اَسْتَوَ اَبَیْحُ - وہ گھوڑے جو دوڑتے وقت تیرنے والے کی صرح اپنے ساتھ پاؤں آگے بڑھاتے ہیں - اَسْتَبَیْحُ - اپنے ہراک کو دہتے ہیں - اِنزاس سے مشابہت کی بنا پر تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ کو بھی کہتے ہیں* -

تلاش معاش کے لئے تگ و دو کرنے اور دوڑنے یا چلنے میں دوڑ - نکل جانے کو بھی سَبَّحَ کہتے ہیں* - زمین میں چلنے پھرنے اور گھومنے کو بھی اَسْتَبَیْحُ کہتے ہیں*** - چنانچہ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی دوڑ کی ایک قسم بھی لکھے ہیں - لہذا سَبَّحَ کے معنی ہوئے کسی کام کی تکمیل کے لئے پوری پوری تگ و دو کرنے - امکان پھر چار و چہرہ تیرنے - وقت سرگرم عمل رہنا - تاج میں ابن شمل کا خواب مذکور ہے جس میں پہلے نے دیکھا کہ دیوٹی شخص ان کے لئے سَبَّحَ اَن اللّٰہ کی نسر میں تیر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تم نے گھوڑے کو نہیں دیکھا کہ وہ آگے صرح اُٹھ کر تیز رفتاری میں تیر رہا ہوتا ہے - یعنی سَبَّحَ اَن اللّٰہ کے معنی ہیں خدا کی طرف تیز رفتاری سے جانا اور اس کی اطاعت میں مستعد رہنا - رشب نے اس کو کہا ہے اَللّٰہ سَبَّحَ اصل میں "نی یا غوا میں تیزی سے تیر رہا ہے - ہر لمحہ وہ فلک میں تاروں کی تیز خرامی کے لئے پروا گیا ہے - التَّسْبِیْحُ خدا کی اطاعت میں تیزی کرنے کو کہتے ہیں - اِنزاس سے اس کا اسمع - وسعت ختم - تیر گیا اور اسے قولی یا فعلی یا اسمی عبارت کے لئے بولنے تک گئے* - اَسْبَحَ اب سَبَّحَ اَن اُن دانوں کو دہتے ہیں جو تسبیح میں پروئے جاتے ہیں - اَن لکے یہ چیز عربوں میں شہر معروف ہے - (تسبیح برساتی راہبوں کے لئے ہوتی تھی جنہوں نے اسے غالباً بدھ مت والوں سے لیا تھا) -

قرآن کریم میں اجرامِ سماوی کے متعلق ہے کُلٌّ فِيْ فَلَکٍ یَّسْبَحُہُ (۳۶) - "وہ تمام اپنے اپنے دوڑ (دوران) میں تیزی کے ساتھ تار رہے ہیں" - رسول اللہ کے متعلق ارشاد ہے اِنَّ لَکَ فِي النَّجْمِ رَسْمًا یَّسْبَحُہُ (۳۷) - تیرے لئے دن میں بڑا لمبا پروگرام شوق ہے - تجھے بری - و جہم - ذوق شوق ہے - نرسوں کے متعلق ہے کُلٌّ مِمَّا عَمِلَہُمْ صَاحِبُہُمْ وَ تَسْبِیْحُہُ اِلٰہِہُمْ اِن میں سے ہر ایک ، فضا کی ہمہ نواں میں - ہنسے اپنے راستے*** سے بھی دوسرے

* تاج - ** راعب - *** لطائف اللہ - *** صلات کے لئے دیکھئے عنوں - ل - و -

ہے۔ (حالانکہ وہاں کمیٹی نشانِ راہ نہیں لگا ہوتا) یا اپنے اپنے مقاصد کے پیچھے جانے سے وقت ہے، اور اپنی اپنی جہد و جہد کے دوائر اور حصولِ معاش کے طور طریق سے بھی۔ سَبِّحْ رَبِّكَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (۱۶۰) کے معنی ہیں کائنات کی بستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ سب اس پروگرام کی تکمیل میں جو قانونِ خداوندی کی رو سے ان کے لئے متعین کیا گیا ہے۔ پوری شدت اور تیزی سے مصروفِ عمل ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ خارجی کائنات کی حسیں اس پروگرام کی تکمیل کے لئے از خود (Instinctively) سرگرم عمل رہتی ہیں (اسی کونقصہ آدم میں فرشتوں کی تسبیح کہا گیا ہے ۱۶۱۔ یا مثلاً رعد کی تسبیح ۱۶۲)۔ لیکن انسان کو اس کیمئے اپنے اختیار و ارادہ سے سرگرم عمل رہنا ہے۔ اس لئے جماعتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۱۶۳)۔ تم صبح شام (ہمیشہ) اس پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ سعی و عمل رہو۔ یہ سرگرم کیا ہے؟ اس کے متعین فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَفْصِيْمِ (۱۶۴)۔ اپنے نشو و نما دینے والے کی صفتِ ربوبیتِ عظمیٰ کو، جس پر ساری کائنات کی عمارت استوار ہے، انسانی معاشرہ میں عملاً متشکل کرنے کے لئے سرگرم عمل رہنا۔ اس کے راستے میں جو قیوتیں مزاحم ہوں ان کے خلاف جہد و جہد دو بنی "اذکرو تسبیح" کہا گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ فرعون کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے انہی اس مہم کے لئے بنی کہا نَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ كَثِيْرًا وَّنَا كَثِيْرًا (۱۶۵)۔

قرآن کریم جو نظامِ زندگی جماعتِ مومنین کے لئے تجویز کرتا ہے اس میں صلوٰۃ کے اجتماع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اس جماعت کے جذبہِ طاعتِ خدائی کے عمومی مظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کا اظہار رکوع و سجود کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ رکوع و سجود میں ایک عہدِ مومن اپنے خدا سے اس امر کا قرار کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اُس کے قوانین کی اطاعت اور اُس کے بتائے ہوئے فرائض کی سرانجام دہی کے لئے جہد و جہد میں صرف آدریگا۔ یہ اقرار حقِ اللہ میں کیا جاتا ہے نہ اصطلاح میں نہیں بنی خدا کی تسبیح کہ جہد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص زبان سے اس قسم کے اقرار کرتا رہے اور عملاً ایسا کر کے نہ نہ کیے، تو یہ زبانی قول و اقرار ایک بے نتیجہ رسم سے زیادہ کچھ حیرت نہیں رکھتے۔ صلوٰۃ میں حرکات و سکنات اور غنائ، انسان کے جذبہِ عمل کے ہندو بنے ظہار کی نشان دہی ہے۔ اگر عمل نہ رہے اور انسان ان سکڑوں ہی کو مقصود و منتہی سمجھ لے تو اس کا نتیجہ

ظاہر ہے ۔ بھر حال ، یہ تو ظاہر ہے کہ تسبیح کے دانوں پر خدا کا نام گنا ،
 قرآنی تعلیم کا مقصود نہیں ۔ قرآن کسب کی رو سے تسبیح سے منہبوم ،
 قوانین خداوندی کی اطاعت میں بڑی بڑی جدوجہد اور سرگرمی عملی ہے ۔
 لسان العرب میں ہے کہ تَسْبِيْحٌ کے معنی تزیینہ کے ہیں ۔ نیز یہ
 لفظ ”سبحان اللہ“ کہنے ، یا صوفی اور ذکر اللہ ، حمد و سجد و شکر کے لئے
 استعمال ہوتا ہے ۔ چونکہ اس میں شہادت کا پہلو غالب ہوتا ہے اس لئے تزیینہ
 کے معنی ہونگے ، خدا کو بڑی شہادت اور قیوت کے ساتھ حمد و شکر سے
 دور سمجھنا ۔

اس سادہ میں تیزی ۔ مضبوطی ۔ شہادت کا پہلو ہوتا ہے ۔ یہی ہے
 کیسے تَسْبِيْحٌ کے معنی ہیں بہت مضبوط اور سخت ہونے سے نہیں ۔ اس
 اعتبار سے تَسْبِيْحٌ بے شمار ریشک تَعْقِيْدٌ کے معنی ہونگے ، صوفی
 خداوندی کو نہایت تیزی ، شہادت اور مضبوطی کے ساتھ حمد و شکر کرنے ۔
 مطلب وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔

سورۃ صافات میں حضرت یونسؑ کے متعلق ہے کہ انہیں بڑی محنت سے
 لقمہ ہذا ہوا ۔ فَمَوْرًا أَنَّهُ كُنَ مِنْ أُمَّسْتَبِيْحِيْنَ كَلِمَاتُ فِیْ یُسْمُوْہِ اَلْیَوْمِ
 یُسْمُوْہِ یُسْمُوْنَ (۱۰۱) گریہ ہفتہ اُمُّسْتَبِيْحِيْنَ اَسْتَبِيْحٌ سے ہے ۔
 اس کے معنی ترک ہونے ۔ لیکن تَسْبِيْحٌ کے اعتبار سے اس کے معنی بڑے
 بڑی قیوت اور شہادت سے جدوجہد کرنے و ملنا ۔ اس میں محنت کے ساتھ
 نکلنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنے کے بعد ساحل تک پہنچ جانے اور تیرک
 کا مفہوم خود بخود آ جاتا ہے ۔

یہی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَرَبَّنَا اُنْصِرْنَا لِحَرْبِنَا اِنَّا نَكُوْفِرُ
 (۱۰۲) ہم یقیناً اسی راہ میں) نہایت قیوت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں ۔
 ان مصائب سے بڑی تَسْبِيْحٌ کے معنی سجدہ میں آگے ہیں ۔ شہادت ،
 مضبوطی ، تیزی کے ساتھ خدا کے پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہنا ۔
 رہنا ۔

سَبْحَانَكَ مَیْنُ ذَا اَلْعِزَّةِ تعجب کے موضوع پر بدلتے ہیں ۔ زوری کے
 اعتبار سے سَبْحَانَكَ اَللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (۱۰۳) کے معنی ہیں ، خدا کی تمام
 غلط تصورات سے ہم دور ہے جو یہ لوگ اس کے منہ میں اپنے ذہن میں
 کرتے ہیں ۔ نیز سَبْحَانَكَ اَمَّا اَمَّا اَمَّا کے معنی ہیں ، سرگرمی میں رہنا ۔

نَسَبَهُمْ إِلَى اللَّهِ حِينَ تَمُوتُونَ وَحِينَ نُنْشِئُكُمْ فِي الْآخِرَةِ - شام و بگہ
نہم رے لئے ان فیرائض کی سرانجام دہی میں مصروف رہنا ہے جو تمہارے
لئے اللہ نے مقرر کئے ہیں۔

س ب ط

س سادہ کے صریح معنی کسی چیز میں زیادتی اور کثرت کے ہیں۔
بن فزار نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے دراز ہونے کے
ہیں۔ سی سے اسْتَبَدَّ - ایک درخت یا چوڑی کو کہتے ہیں جس کی جڑ نو
- یک ہوتی ہے لیکن شاخیں - - بھی ہوتی ہوں۔ سہر سے س کے
معنی نسل اور خاندان کے ہو گئے۔ یہی باب بمنزلہ جڑ کے ہے اور اولاد بمنزلہ
شاخوں کے۔ اسْتَبَدَّ - بولے اور نواسے دونوں کو کہتے ہیں۔ سی نَفْذِ یَمُود
کے فہم کے لئے بولا جاتا ہے۔ اَمْبَیَّہ کا لفظ بنو امیہ (حضرت اسحاقؑ کی
اولاد) کے بنے خاص ہے اور فہم ثیل کا لفظ بنو اسماعیل کے لئے۔ عربوں نے
یہ لفظ جس میں لئے رکھی تھی کہ شخص ایک لفظ سے اولاد حضرت ابراہیمؑ
کی دونوں شاخوں میں امتیاز ہو جائے۔** قرآن درجہ میں بنی قوم حضرت موسیٰؑ
کے لئے اسْتَبَاطٌ - کا لفظ آیا ہے (۱۰۶)۔ نذر عرب اسْتَبَاطٌ - عجمی آدمی اور
کہتے تھے۔ جس طرح جَعَدٌ عربوں کو کہتے تھے۔**

قرآن کریم میں اولاد حضرت یعقوبؑ کے لئے اسْتَبَاطٌ کا لفظ آیا
ہے (۱۳۶)۔

س ب ع

سَمِعَ - ت کے غلط کر کے ہیں۔ سَمِعَ کا خال ہے کہ سکی اصل
سَمِعَ لَہو کے معنی نسرین کے ہیں۔ یہ سَمِعَ کہ وہ سہ سے یہی زہد تیز
حکم پر ہے اور عربوں کے حال سے ت راعیہ (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸) (۱۲۹۹) (۱۳۰۰) (۱۳۰۱) (۱۳۰۲) (۱۳۰۳) (۱۳۰۴) (۱۳۰۵) (۱۳۰۶) (۱۳۰۷) (۱۳۰۸) (۱۳۰۹) (۱۳۱۰) (۱۳۱۱) (۱۳۱۲) (۱۳۱۳) (۱۳۱۴) (۱۳۱۵) (۱۳۱۶) (۱۳۱۷) (۱۳۱۸) (۱۳۱۹) (۱۳۲۰) (۱۳۲۱) (۱۳۲۲) (۱۳۲۳) (۱۳۲۴) (۱۳۲۵) (۱۳۲۶) (۱۳۲۷) (۱۳۲۸) (۱۳۲۹) (۱۳۳۰) (۱۳۳۱) (۱۳۳۲) (۱۳۳۳) (۱۳۳۴) (۱۳۳۵) (۱۳۳۶) (۱۳۳۷) (۱۳۳۸) (۱۳۳۹) (۱۳۴۰) (۱۳۴۱) (۱۳۴۲) (۱۳۴۳) (۱۳۴۴) (۱۳۴۵) (۱۳۴۶) (۱۳۴۷) (۱۳۴۸) (۱۳۴۹) (۱۳۵۰) (۱۳۵۱) (۱۳۵۲) (۱۳۵۳) (۱۳۵۴) (۱۳۵۵) (۱۳۵۶) (۱۳۵۷) (۱۳۵۸) (۱۳۵۹) (۱۳۶۰) (۱۳۶۱) (۱۳۶۲) (۱۳۶۳) (۱۳۶۴) (۱۳۶۵) (۱۳۶۶) (۱۳۶۷) (۱۳۶۸) (۱۳۶۹) (۱۳۷۰) (۱۳۷۱) (۱۳۷۲) (۱۳۷۳) (۱۳۷۴) (۱۳۷۵) (۱۳۷۶) (۱۳۷۷) (۱۳۷۸) (۱۳۷۹) (۱۳۸۰) (۱۳۸۱) (۱۳۸۲) (۱۳۸۳) (۱۳۸۴) (۱۳۸۵) (۱۳۸۶) (۱۳۸۷) (۱۳۸۸) (۱۳۸۹) (۱۳۹۰) (۱۳۹۱) (۱۳۹۲) (۱۳۹۳) (۱۳۹۴) (۱۳۹۵) (۱۳۹۶) (۱۳۹۷) (۱۳۹۸) (۱۳۹۹) (۱۴۰۰) (۱۴۰۱) (۱۴۰۲) (۱۴۰۳) (۱۴۰۴) (۱۴۰۵) (۱۴۰۶) (۱۴۰۷) (۱۴۰۸) (۱۴۰۹) (۱۴۱۰) (۱۴۱۱) (۱۴۱۲) (۱۴۱۳) (۱۴۱۴) (۱۴۱۵) (۱۴۱۶) (۱۴۱۷) (۱۴۱۸) (۱۴۱۹) (۱۴۲۰) (۱۴۲۱) (۱۴۲۲) (۱۴۲۳) (۱۴۲۴) (۱۴۲۵) (۱۴۲۶) (۱۴۲۷) (۱۴۲۸) (۱۴۲۹) (۱۴۳۰) (۱۴۳۱) (۱۴۳۲) (۱۴۳۳) (

ایک (several) یا "متعدد" (Many) - اسی طرح سَبْعُونَ (ستّر) سَبْعُمِائَتَہ (سات سو) بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ** - جیسے ہماری زبان میں بیسیوں - پچاسوں - سینکڑوں - کے الفاظ بولتے ہیں - اس سے مراد کوئی معین عدد نہیں ہوتا - یا جیسے ہم کہتے ہیں کہ تمہیں سو بار سمجھ چکے ہیں - اس سے مراد ٹھیک سو کی تعداد نہیں ہوتی - خدائے جہاں قرآن کریم میں ہے "اِنَّ تَسْتَعِزُّوْا لَہُمْ سَبْعِیْنَ سَرَقَہٗ" (تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر تو ان کے لئے ستر بار مغفرت مانگے تو ہم مغفرت نہیں دینگے اور اگر ستر سے زیادہ مرتبہ مغفرت مانگے تو مغفرت دیدی جائیگی - اس کے یہ معنی ہیں کہ تو ان کے لئے چاہے کتنی مرتبہ مغفرت مانگے انہیں مغفرت نہیں دی سکی گی - ان معافی کے پیش نظر سَبْعِ سَرَقَہٗ (۲۹) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنی متعدد اجراء فیہ کی - ہمارے ہاں بھی کہتے ہیں "سات سو ستر بار" - (۲۹) میں متعدد کے معنی واضح ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ مَثَلُ اٰیٰتِ یٰۤاٰمِنُوْنَ مَثُوْرٌ یُّوْہُ فِیْ سَبْعِیْنِ اَیَّۃٍ مِّثْلُ حَبِیۡطٍ اَنْۢ نَّہْبَتْ سَبْعَ سَنَہٗ یٰۤاٰرِیْ کُلِّ سَنۡبِلَۃٍ مِّثْلَ حَبِیۡطٍ....." ان لوگوں کی مثال جو سہ کی راہ میں خسار کرنے کے لئے اپنی دولت کو کھلا رکھتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالوں اکٹے اور ایک بال میں سو سو دانے ہوں - "نہبہ" سے کہہ یہاں سَبْعِ سَنَہٗ سے مراد متعدد (کئی) سال ہیں -

قرآن کریم میں ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَاکَ سَبْعًا مِّنَ الصّٰحٰتِیْ وَالْقُرْۡاٰنِ الْعَظِیۡمِ (۱۰) - اس کے لئے دیکھئے - سنوں (۷۰) - ی -

میں لفظ مثنی -

س ب غ

اَلَسَبْغَہ - وسعت - فراخی - کشادگی - سَبِغَ الشَّمْسُ سَبْغًا - کسی چیز (کپڑے - زرہ وغیرہ) کا لہا اور لٹکتا ہوا ہونا - اَلَسَبْغَہ - وہ زرہ جس پر ٹخنوں تک آجائے یا لہائی کی وجہ سے زمین پر گھسے پڑے - (سَبْغَاتٌ میں کی جمع ہے - ۱۱۹) - اَسْبَغَ نَعْمَہٗ - اس نے اپنے بہنوں کو نعمت کی صورت میں خوب بڑھا دیا - کَسْبَہٗ سَبْغًا - پیر پور چیز - ** - بن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں - سَبْغَہ الشَّمْسُ - نعمت کی وسعت اور پیر پور ہونا - قرآن کریم میں ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَاکَ سَبْعًا مِّنَ الصّٰحٰتِیْ وَالْقُرْۡاٰنِ الْعَظِیۡمِ (۱۰) - اس کے لئے دیکھئے - سنوں (۷۰) - ی -

تمہیں اپنی نعمتوں کو پیر پور، کثرت اور فراخی سے دے -

* تاج - ** لین - *** تاج - راغب - محیط -

س ب ق

سَبَّحْنٰ کے بنیادی معنی ہیں دوڑنے میں آگے بڑھ جانا۔ اس کے بعد
 ہر سے میں آگے بڑھ جانے کیلئے اس کا استعمال ہونے لگا۔ سَبَّحْنٰہ۔ وہ اس
 سے آگے بڑھ گیا، بڑی تیزی سے۔ سَبَّحْنٰ رَسُوْلُ اللہ وَاَمَّا اَبُو بَکْرٍ۔
 سب سے پہلے رسول اللہؐ (علیہ السلام) سے تسبیح لے کر اور ان کے بعد
 حضرت ابو بکرؓ کے لئے۔ سَبَّحْنٰ۔ اس سورت میں وہ لوگ تھے جن کو
 سورۃ نور و شوریہ میں اول آئے وئے نے پہلے مقرر کر دیا تھا۔

سَبَّحْنٰ الشَّيْبَابَ (۱۰۱) وہ دونوں دروازہ کی طرف ہو گئے اور ہر ایک
 نے کوشش کی کہ وہ آگے بڑھ جائے۔**

محیط میں سے وہ جگہ تک پہنچ سکے۔ وہ تھے جو آگے بڑھ گئے اور پہلے
 آئے اور جو نقصان دہ ہوئی تھی اور جب سے وہ آگے تھے اس میں
 پہلے آئے اور جو نقصان دہ ہوئی تھی۔ سَبَّحْنٰ الشَّيْبَابَ (۱۰۱)۔
 (۱۰۱)۔ ہماری طرف سے جو لوگ پہلے آئے وہ لوگ ان کا سبیل تھے۔

سورة بقرہ میں ہے فَاسْتَجِبْنٰوْا لِدَعْوٰتِہُمْ خُرُوجًا مِّنْہَا
 نکلنے والے کلاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔
 نفسانی طور پر لپٹا جاتا ہے۔ وہ انسان کے لئے نکلنے اور جہاد کا جذبہ
 دیکھ رہا ہے۔ وہ وہ دوسروں سے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ وہ (۱۰۱)۔
 اور وہ بتا رہا ہے۔ دوسروں سے آگے بڑھنے کا جذبہ اسی وہ پہنچ رہا ہے جس سے انسان
 دیکھ رہا ہے۔ وہ مصروفِ سعی و عمل رہا ہے۔ قرآن و تفسیر ہی انسان کے اس جذبہ
 کی مدد کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔ لیکن وہ اس رخِ ہدایت سے
 وہ لپٹا ہے۔ وہ آگے اس کے لئے نکلنے والی منزلت میں ایک دوسرے سے آگے
 جانے کی کوشش کرو۔ نوعِ انسانی کے لئے خروجِ زمین ہے۔ نکلنے والے امور
 میں سببِ خروج اس سے تمہارے جذبہ کی ترقی کی ہے۔ لیکن وہ جو جہاد کی اور
 وہ وہ وہ فساد بھی ہو۔ ہمیں شوق جو اسی لئے فساد کی خاطر دوسروں سے
 آگے بڑھنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

سورة حج میں ایک جگہ یہ ہے اَلَّذِیْنَ یَسْتَجِیْبُوْنَ دَعْوٰتِہُمْ اَخِیْرًا۔
 جو آگے سے پہلے آگے آئے اور دوسرے جگہ یَسْتَجِیْبُوْنَ دَعْوٰتِہُمْ اَخِیْرًا۔
 وہ دوسرے سے پہلے آگے آئے۔

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔

فارس نے ایک ٹالہ لٹبائی اور دور تک چلے جانے کی وجہ سے راستہ گم کر سکیں۔
 کہتے ہیں۔ "الستہ بیتہ" میں اسٹروں۔ وہ راستہ جس پر لوگ عام طور پر
 جیسے رشتیں یہ وہ لوگ جو انہی ضرورت کے لئے راستے پر آتے جیسے رشتے۔
 راستہ۔ مسافر۔

[illegible]

۱۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۲۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۳۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۴۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۵۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۶۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۷۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۸۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۹۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

۱۰۔ شہر کے لوگوں نے - "میں نے جو کچھ سنا ہے" کہتے ہوئے کہا - "میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں۔"

(Citizens)

۱۰۰ * تاج -

سربسوں کے خلاف جو جی میں کئے گئے اس لئے ہر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔
یہ وہی ذات ہے جو اپنی عصبیت کی بنا پر زندہ ہوتی ہے۔ اس کے منہ میں
جو جرم بنے پہلے کے اندر رہا جائے وہ جرم ہوتا ہے لیکن جو جرم قبیلہ سے
باہر نکلا جائے وہ جرم نہیں کہلاتا۔ قبیلہ کی زندگی تو ایک طرف، خیر و شر
رواۃ کے لئے قانون موجود تھا۔ یہ انہی قوم کے فرد کی چوری رسوم ہے اور ہر
قوم و نسل کے لئے چوری جرم نہیں۔ حد میں رہنا اور نہ بڑھنا ہی انہی میں
ہو اور وہ مذہبی فرقہ بندی اور سماجی قومیت کی نشوونما ہے۔ اس سے پہلے
ذہنیت سے ہوتی ہے۔ یہ تمام باتیں اور نفع و زیان صرف بنے ہوئے اور انہی
رقی کے فرد تک محدود رہتی ہیں۔ اس سے باہر جیسے فرد انسان
ان سے نفرت کی جائے۔ آج بھی ہو رہا ہے اور آج سے ہزار سال پہلے
بھی یہی ہوتا تھا۔ غرض ہرگز کی نیشنلزم اسی جہاز کی صورت ہے۔ اور اسی
نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ قرآن و کرم نے اس ذہنیت کے خلاف کو زندہ
کی اور انہی جرم سے نوح جرم ہے خود ہزاروں کے خلاف نہ جائے۔ دوسروں
کے خلاف۔ اس میں انسان اور انسان، اور قوم اور قوم میں کوئی فرق نہیں۔
اسی لئے اس کے نزدیک حد۔ کرم وہی ہے جو فی سبیل اللہ جانے۔ یعنی
اجر و معاوضہ کے خیال سے نہ ہو بلکہ نوح انسان کی پیروی کی خاطر۔

قرآن سورہ میں جنتی زندگی کے سلسلہ میں ہے عَمَلٌ فِيْهَا مُمْتَغِي
مَتَابِعُهَا (۱۸)۔ اس میں ایک حتمہ ہے جسے مَتَابِعُ کہا جاتا ہے۔
میتابیع سے مراد اس کے مَتَابِعُ ہے۔ یعنی اس کے مَتَابِعُ ہے۔
ذہنیت سے۔ اور جنتی حتمہ ہے جسے مَتَابِعُ کہا جاتا ہے۔
عَمَلٌ فِيْهَا مَتَابِعُ (۱۸) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاں حتمہ۔ اور وہ بہت
رحمے و مہمہ۔ یعنی خیر و نیکی کی جوئے روئے جو مسلمان کے ہر قسم کی
ہے۔ حد جہاد جو ایمان و اعمال کا جہاد ہے۔ جہاد ہے۔ جو ہر قسم
مہمہ سے عبارت ہے اور جس میں انہیں انتقام اور حد بندی نہیں۔ اور
روک اور رکوب نہیں۔ اپنے زور و زور سے انسانی ذات کا مختلف مراحل طے
کرنے کے لئے۔ مَتَابِعُ (۱۸) سے مراد ہے۔ جہاں حتمہ۔ اور وہ بہت
جس میں انسان "مَتَابِعُ" سے مراد ہے۔ اور وہ بہت
صفت کو اپنے اندر منع کرتا ہوئے۔ جہاں حتمہ۔ اور وہ بہت
جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کی ہے۔ اور وہ بہت

سُورۃ کی بہائی شوقی اور اُن کے مسمیہ ہے۔ اس سے انسان کی صلاحیتیں بھرپور طور پر نکلتی
و نہ حاصل کر سکتی ہیں اس لئے نہ مَسْکَاۃُ السُّبُلِ اس کی اُسٹیا ہے :
پیالے کو لبالب بھر دینے کو کہتے ہیں *۔

سورہ نحل میں سورۃ کی مسمیہ سے ہے۔ لَبَّابُ السُّبُلِ کی سُبُل
بَشَرِکِ سُبُل ہے۔ اے اپنے نشو و نما دینے والے کے راستوں پر فرماؤ پانی
سے جی جا۔ اس سے واضح ہے کہ قورین فطرت بھی "سب کے راستے" ہیں جن
پر اُس کے رشتہ جاتی جا رہی ہیں۔ اور انسانوں کی رشتہ جاتی کے لئے حضرت
انہ کی وسعت سے ملی شوقی وحی صحیح راستے ہیں (۱۰۱)۔

سورہ حنکوت میں ہے وَ لَیْسَ جَہَنَّمُ کَیۡفَ تَصُوۡرُۡہِۭ لَکُمۡ سُبُلِہِمْ
سُبُلِہِمْ۔ وَ اِنَّ اِلَہَکُمۡ لَسَمِیۡعٌ (۱۰۲)۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ
"جہنم کی صورتیں ہیں جو وہ جہنم کے لئے ہیں انہیں شہ اپنے راستے نہ دیکھ سکتے
ہیں"۔ سبوں کو خدا کی طرف جانے والا ایک ہی راستہ ہے جسے اس نے
"سب" مسمیہ ہے۔ "سب کو دکھاتا ہے" (۱۰۳) لیکن انسان کے سامنے، نت نئے
سن رستوں کے نئے نئے مسائل آتے رہتے ہیں جن کا حل اسے نہ ملتا ہو تو
ہے۔ قرآن کریم نے انسانی زندگی کے لئے اسرار دئے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی
میں، زندگی کے غور میں آئے والے مسمیہ کا حل دریافت کرنا، جماعتِ مؤمنین
کا فریضہ ہے۔ یہ شرع ہے کہ اس کے لئے نہ رجب کا شہاد کے حول و سوائف، اقوام
سائنس کی روشنی، اپنی زبان کے مسمیہ اور قرآن کریم کے شر مسمیہ
اصول پر گہرے غور و غوض اور فکر و تدبر کی ضرورت ہوگی۔ اس طریق پر
یہ مسمیہ، سب سے پہلے مسمیہ قدرتی رہ سکتی ہے جسے وہ جہنم کرے،
مسمیہ میں اجتناب نہ لانا ہے۔ خدا کا وعدہ یہ ہے کہ جو رست اس طرح
حکم و اصول، شہان کے سامنے رہیں ان کی صحیح رہنمائی مسدود نہ کرے
جہنم کے۔ اس واسطے جو قرآن کریم نے دوسری جگہ "سب" مسمیہ یعنی
سب کے راستوں کی رہنمائی راہ دیتے ہیں ان کا مسمیہ یہ ہے کہ یہ سب
میں اُسٹیا ہے۔ سب کو رہنمائی دینا ہے۔ مسمیہ کا رواج، سب کے
سب کی طرف جاتا ہے۔ اور حرم میں ہے وَ یُؤْمَرُ بِحَیۡوِۃٍ سَیِّئَۃٍ
مُتَعَمِّرِہِمْ (۱۰۴)۔ قرآن میں "ضرر مسمیہ" کی طرف رہنمائی میں جاتی
ہے۔ مسمیہ یہ ہے کہ اس میں سب کو رہنمائی دینا ہے۔ یہ مسمیہ
مسمیہ و مسمیہ جنہوں کا مسمیہ مسمیہ ہے۔ ان کے مسمیہ مسمیہ
رستے ہیں۔ اس کی مسمیہ شوق میں رہتے یہ مسمیہ مسمیہ مسمیہ

شاہراہ مقصود میں جا کر مل جاتی ہیں۔

ب ت ث

[illegible]

س ت ر

[illegible]

س ج د

۱۔ جیوڑ کے معنی ہیں ، سو کو جیوڑ کہتے ہیں ، جس کے لئے اس کے ...
 معنی ، نسبت دیوں اور ...
 کہ جیوڑ ...
 ...

* تاج - ** تاج و راغب و محیط -

اس کے ساتھ ہی ایک بات اور بھی غور طلب ہے۔ جب زمین انسان اپنے غیبی خصوصیات میں تھا تو وہ اپنے (مخارج) محسوس اشیاء ہی سے مراد تھا اور اپنے خصائص کا اظہار بھی (مستمر) محسوس طور پر کرتا تھا۔ آج کی علمی اصطلاح میں یہاں پہلے آئے اس کا غیب (Ghīb) جس کا معنی ہے "جس کا نہ شہ میں وجود تھا۔ وہ شعور تصور (Conception) کے ذریعے محسوس غیب یا اظہار خصائص کی منزل تک نہیں پہنچتا تھا۔ یہ واحد تھی کہ اس کا اس زمانے کا مذہب، محسوسات کے دائرے میں گہرا غور تھا۔ یہی وہ (Ghīb) کی منزل میں تھا۔ اس نے "خدا" کے لئے محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ روحانیت کے طریق اور دیگر مذہبی رسوم و رواج میں بنی سارے (Form) پر دینا جاتا تھا۔ بلکہ (Form) ہی کو مقصود بالذات سمجھا جاتا تھا۔

وہ دور جس نے انسانی غیب میں انسان کو غیب تصور نہ کیا۔ یہاں پہلے آئے اس سے پہلے خصوصیات سے نکل کر سن شعور و معلومات میں لانا تھا۔ وہ غیب یا محسوس (Conceptual Knowledge) کے ساتھ تصوراتی غیب (Conceptual Knowledge) پر بھی زور دیتا ہے۔ اور زمین کے معاملہ میں بھی شکل (Form) کی بجائے معرکات (Concepts) و مفہومات کی اہمیت کو ملحوظ کرتا ہے۔ لیکن وہ شکل (Form) کو بالکل ترک نہیں کرتا۔ اس کا تصور یہ خصوصیات پر قیام رکھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جسے ہم رامشاہرہ ہے، انسان کو تصوراتی (Form) کی تعبیر کے لئے (Form) کے بغیر نہ چارہ ہوتا ہے، نہ ممکن۔ بڑے بڑے تصوراتی مفکر (Ibn Arabi) بھی جب بات کرتے تو اس کے لئے غیب، زمین، سورہات کی حرکات، تزیینات، غیبی - وہ ان محسوسات کی بغیر اپنے خیالات اور خصوصیات کا اظہار نہیں کر سکتے۔ (وہ مسترح مجرد - Form) (Ibn Arabi) کو بھی محسوسات سے سمجھنا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ ان خصوصیات (Form) سے اظہار نہ کر سکتے، بعض مسائل میں اسے باقی میں رہتا ہے۔ خصوصاً نماز میں وہ اور کثرت و سجود کی طبیعت کی حرکات سے حرکت کی مشاہدہ میں۔ وہ ان سے غیبی جہات کی حالت میں محسوسات کی ادائیگی یا ان کی شکل میں نہیں دیکھتا۔ بلکہ ان کو زمین کی صورت میں کھینچا ہوا ہے۔ "فما ذاکم سجداً و انکساً"۔ "پھر جب وہ سجدہ کرتے ہیں"۔ "تو وہ سجود ہو جائیں اور دوسرا گروہ نماز میں کھینچا ہوا ہے۔" "مذہب اور دین کے فروغ کے لئے"۔ "اور نہ ہی ان کے منہ پر دیکھائی۔"

(بند لگا کر) روک رکھتے ہیں ،،۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے مسجد سے کیا مفہوم ہے۔

اَلْمَسْجِدُ - پیشانی کو کہتے ہیں جو زمین پر رکھی جاتی ہے۔ اور اَلْمَسْجِدُ س جگہ کو جہاں سجدہ کیا جائے۔ یہ اسم نکرہ ہے جس کے معنی سجدہ کرنے کی جگہ اور سجدہ کرنے کا وقت، دونوں ہو سکتے ہیں۔ سورۃ کہف میں ہے کہ لوگوں نے ان نوجوانوں کے عمار کے مقام پر مسجد بنا دی (۱۱)۔ یعنی وہ مسجد بن گئے۔ لیکن بعد میں لوگوں کی نگاہوں سے یہ تصور تواضع منہ ہو گیا اور (جیسا کہ اکثر ہوتا ہے) ان کی یادداشت میں ایک خانقاہ یا مقبرہ تعمیر کر دیا جس کو مسجد کہہ انا بن گیا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں یہودیوں کے ہیکل کو مسجد کہہ کر پکار گیا ہے (۱۲)۔ سورۃ التوبہ میں نبی کریم کے عہد مبارک کی اس مسجد کا بھی ذکر ہے جس کی بنیاد تنویر پر رکھی گئی تھی (۱۳) اور سکاہی جس کا مقصد مسلمانوں میں فرقہ پیدا کرنا تھا اور جسے قرآن کریم نے کفر سے تعبیر کیا ہے اور خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں کے لئے پناہ دہا کہہ کر پکارا ہے (۱۴)۔ قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے (۱۵) اور واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ "اللہ کی مسجدوں" کو برباد کریں۔ اس نے اعلان کر دیا کہ اِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (۱۶) "مسجدیں صرف اللہ کے لئے ہیں۔ سوائے اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ دیکرو"۔ فرقہ بندی شرک اس لئے ہے کہ اس میں خالص خدا کی اطاعت نہیں ہوتی۔ خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرنے سے امت میں اختلاف اور فرقہ پیدا ہو رہی نہیں سکتا کیونکہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔

جس طرح مسجد سے مراد صرف سر کو زمین پر رکھنا نہیں بلکہ اس سے مفہوم قوانین خداوندی کے سامنے سر جھکا لینا بھی ہے، اسی طرح مسجد سے مراد بھی بالخصوص وہ عمارت نہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں اس نظام کا مرکز ہو جس کی رو سے قوانین خداوندی کی اطاعت کی راہ کرائی جائے۔ کعبے کو جو مسجد الحرام کہہ گئے ہیں، اس لئے تو اس جہت سے نہیں کہ وہ ایسی عمارت ہے جس میں سجدہ کیا جاتا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کے نظام توحید کا مرکز ہے۔ وہ اس امت کا مرکز ہے جس سے

جسکی خصوصیت مُسْتَدِیْمَةً لِّلْکَلْبِ (۱۲۸) بتائی گئی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے سامنے جھکنے والی۔ چونکہ نبی اکرمؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد، مدینہ کو حکومت خداوندی کا مرکز قرار پایا تھا اس لئے قرآن کریم میں (شب ہجرت کے تذکرہ کے سلسلہ میں) مدینہ کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) کہہ کر پکارا گیا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَکَاتُہٗا کَثْرَۃٌ حَیْثُہٗ لَیْنُ رِّیْبَہٗ مِیْنُ الْبَیْتِیْنِ (۱۲۹) وہ ذات تعالیٰ سے بہت دور ہے جو اپنے بندے کو ایک رات، مسجد الحرام (مکہ) سے اس مسجد کی طرف لے گیا جو (مکہ سے) بہت دور تھی۔ جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا تھا۔ تاکہ ہم اسے انبی آیات (نشانیں) دکھائیں، اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے۔ سورۃ طہ میں جہاں حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی کہا گیا ہے کہ لَیْنُ رِّیْبَہٗ مِیْنُ الْبَیْتِیْنِ الْکَثِیْرَی (۱۳۰) تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیں دکھائیں۔ یہ آیات، آویزش حضرت موسیٰؑ اور فرعون میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی تھی۔ یہی وہ آیات خداوندی تھیں جن کا مظاہر، ہجرت کے بعد، مدینہ کو بننا تھا۔ یعنی جدعت مومنین کا اصل کی قوتوں پر غلبہ اور کسراں۔

اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ مسجد کی عمارت بھی صرف نماز پڑھنے کے کام کے لئے مخصوص نہیں۔ اس میں اسلامی ممکت کے مختلف امور سرانجام دئے جا سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ”عبادت“ اور عام دنیاوی امور میں فرق ہی نہیں کیا جاسکتا۔ عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں (دیکھئے عنوان ع۔ ب۔ د) اور دنیا کا کوئی کام جو مومن خداوندی کے مطابق کیا جائے عبادت ہو جاتا ہے۔ اجتماع صلوٰۃ بھی چونکہ فانون خداوندی کی طاعت ہے اس لئے وہ بھی عبادت ہے۔ ”عبادت“ کے لئے کسی ایسے جگہ مکان کی ضرورت نہیں جس میں اور کچھ نہ کیا جا سکے۔

سورۃ عرف میں ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا زَرِعُوْا فِیْہِمْ عِیْنٌَ مِّنْہٗ۔ وَمَا سَجِدَ (۱۳۱) اس میں ”سجود“ (خوف) کو محرابی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اطاعت کرنے۔ اس آیت میں ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عبادت (اور اسی قسم کے دیگر مذاہب) میں رہبانیت (سائنس) سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

کو اطاعت و عبادت کا منتہی قرار دیا گیا تھا۔ یعنی ترک دنیا - ترک لذت -
ترک زینبائش و آرائش - قرآن کریم نے اس غلط تصور کا بطلان کیا اور کہا
کہ دنیاوی زیبائش و آرائش، خدا کی طاعت کے راستے میں حائل نہیں
ہوئی اس لئے اسے ترک کرو، طاعت نہیں۔ ان چیزوں سے ضرور متمتع ہونا
چاہئے۔ صرف ان حدود کا خیال رکھنا چاہئے جو خدا نے مقرر کر دی ہیں۔
اس آیت کے کئے حصے، اور اس سے ملحقہ آیت نے اس مفہوم کی وضاحت
کر دی ہے۔ آیت کا باقی حصہ یہ ہے۔ "وَكَذَٰلِكَ أَوْفَرُّكُمْ وَأَرْحَمُكُمْ"
إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّبُ الْغَيْبُوتِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ لیکن حد سے تجاوز
نہ کرو۔ خدا حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس سے بھی
آیت میں ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْءِ... (پھر) "أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْءِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْءِ..." (پھر) "أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْءِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْءِ..."

سورۃ التَّوْحِید میں مجھ رسول اللہ ﷺ و مسلمانوں کے معنی سے قرآن مجید
 رُکوعاً سُبْحَتاً (۱۰۱)۔ "نہیں رُکوع کرتے ہوئے۔" سب سے کرتے ہوئے
 نہ رکوعاً۔ ہم رُکوع اور سجود کے حتمی معنی سے جو اس ترمیم سے اجتناب
 صلوات کے رکوع و سجود سمجھتے۔ اور اگر مجاہد کی معنی سے چاہیں تو
 ذمہ داروں کے بموجب سے جو کہے اور ساخت۔ عاری میں سورۃ الاحزاب
 کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہے مِیْمَتَا غَمٍّ رَفِیٍّ وَ جُؤُوشِیْمٍ رَمِیْنٍ سورۃ
 التَّوْحِید (۱۰۱)۔ اس کے بعد معنی ہیں "ن کی نشانیوں ان کے چہرہ پر
 سجود کے اثرات سے نہ رہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بین خدا و نبی کی
 احاطت سے ان کے قلب میں جو سمجھنے و ماننے کی حالت سے رہتی ہے اس
 کے اثرات ان کے چہروں سے نہ رہیں۔ یہ تفسیر ان مسلمانوں کے لئے
 کی گئی ہے جو جنت کا شرف اس لئے چاہتے ہیں کہ ان کے چہرے
 قرآن کریم سے بھر جائیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَائِرِ الْمُرْسَلِیْنَ

عذابات سے پہچانے جائیں گے۔ اس میں اسی تفسیق کثیف کی طرف اشارہ ہے۔
اساعت خداوندی سے قہمی سکون کی کیفیت مینے رخ سے چھدک کر
بہر جاتی ہے۔

س ج ر

سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - سَجَرًا - اس کے نور جلال دینا۔ اُسے
گرم کرنے کے لئے اس میں نور اور اس میں نور دینا۔ اُسے انہیں سے نور دینا۔
اسی لئے سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ کے معنی ہوتے ہیں۔ اس کے نور سے نور دینا۔
السَّجَرَةُ - وہ چیز جس سے نور نکلتا ہے۔ اُسے سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ اس لکڑی
نور سے جس سے نور میں انہیں کو نور دینا۔ کہ وہ جلدی گرم
ہو جائے۔ اُسے جِرْ - سَجَرًا - ساکن اور پوری شہر - ز - (نور اس
کے معنی خلی خلی کے بھی آتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ نور میں سے ہے کہ وہ
دریا جس کا فی میں کے طرف سے زہ ہو۔ سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ میں نے برتن
نور دینا۔ اُسے جِرْ - وہ نور جس سے سیلاب نکلتا ہے اور اس سے کرتا
ہو جاتا ہے۔ سَجَرًا - سَجَرًا - پھر نور -

سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - فی کذا جہر جہر جہر - اُسے نور نکلی جہر -
جہر اس میں کے معنی کک پڑنے کے بڑی بڑی اور پھر دینے اور لہر بڑھو
میں کے ہیں۔ ان فارس کے کہ ہے کہ اس کے معنی (۱) پھر (۲) ایک
نہایت کے معنی میں جہر اور (۳) پھر جہر -

نور انہوں میں سے ہے کہ فی سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - پھر وہ ک
میں جہر کے جہر کے - سورہ حرور میں سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - اُسے -
معنی - سورہ حرور - یہ ایک سے دوسرا جہر - سورہ حرور میں سے
نور سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - اُسے - سورہ حرور - و رفت کی طرف سے) سورہ حرور
پھر سے پھر سے - (اور کک پڑنے کے معنی - شاروں کی پھر سے
جائے۔ اس کے معنی - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں - سورہ حرور
حال دونوں کا ایک ہی ہے۔

س ج ل

سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں -
سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں -
سَجَرًا مِّنْ ذُرٍّ - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں - سورہ حرور میں -

السَّيِّجِلُ۔ یہ لفظ معرب ہے فارسی لفظ سَنَگِ رِگِل سے۔ بمعنی وہ مٹی جو آگ میں نیک کر پتھر بن جائے۔ زمانہ قدیم میں (جب لکھنے کی ابتدا ہوئی تھی تو) مٹی کی تختیوں کو آگ میں تپا کر پختہ کر لیا کرتے تھے اور انہی پر لکھا جاتا ہے۔ اسی کو السَّيِّجِلُ کہتے تھے۔ بعد میں پھر اس چیز کو جس پر لکھا جائے السَّيِّجِلُ کہنے لگے۔**

ہرآن کریم میں ہے کہ قوم لوط پر حِجَارَةٌ مِیْنُ السَّيِّجِلِ (۱۱) برسائے گئے۔ انہی کو سورۃ ذاریات میں حِجَارَةٌ مِیْنُ طِیْنِ (۵۱) کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ سنگ گل متحجر تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دونوں مقامات پر انہیں مَسْوُومَةً عِندَ رَبِّكَ (۱۱ و ۵۱) کہا گیا ہے۔ بمعنی جو خدا کی طرف سے اس مقصد کے لئے نشان زدہ تھے۔**۔ لیکن السَّيِّجِلُ میں لکھنے کا جو عنصر شامل ہے، اس اعتبار سے بھی مَسْوُومَةً کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ [ہو سکتا ہے کہ یہ تہ تہ تہ (مَسْوُودٌ ۱۲) تختیاں ہی ہوں جو پہلے (بہر کسی لائبریری میں رکھی ہوں اور اس کی آتش فشاہی سے سب سے پہلے بھی اڑ کر ان کی بستی پر گری ہوں)۔

سورۃ انبیاء میں ہے یَوْمَ نَنْظُرُ السَّمَوَاتِ السَّيِّجِیۃَ (۲۱)۔ یہ وہ دور ہوتا جس میں بندوں (یا بسا اوقات) کے لوگوں کو کائنات کے فائل کی طرح بہت کر رکھ دیا جائیگا کہ ان کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس دور میں معاشرتی ہمواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ (۳۹)۔

اگر ان آیت میں کسی کائناتی حادثہ کی طرف اشارہ ہے تو اس سے منصوص آسمانی کڑوں کا اچھے جانا ہوگا۔ ابن خلدون نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا پھر کر الٹ جانا یا کر جانا ہے۔ اس سے مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

س ج ن

سَجَنٌ۔ سَجْنٌ سَجْنٌ۔ کسی کو قید کر دینا۔ (۱۲ و ۱۳)۔
السَّيْنُ۔ قید خانہ (۱۴)۔

*ج۔**راغب۔**وہ سب سے بڑا جو عذاب طبعی حرائط سیراب، آسمانی زلزلہ، آس نشان، مادہ کے ذریعے آتا تھا، اسے اس قوم کے عذاب زندگی سے کہا تعلق تھا، اس کے لئے مصنف کی کتاب ”جوئے نور“ دیکھئے۔

وہ آدمی جو بہت زیادہ لوگوں سے مذاق کرے اور انکی ہنسی اڑائے۔ اس سے
اسم استخْرِیْرٌ بِقَّةٌ و السُّخْرِیُّ و السُّخْرِیُّ آتیا ہے۔ *۔ ہنسی ڈھیلے
مذاق۔ سَخِرَہُ۔ سَخِرَہُ مِیْخَرِہُ و سَخِرَہُ بَقَا۔ و سَخِرَہُ تَسَخِرَہُ۔
کسی کو کسی خاص مقصد کی طرف زبردستی لے جانا۔ کسی کو مجبور کر کے
کسی کام پر لگانا۔ کسی سے کوئی کام بلا وجہ (بجور کے طور پر) کرانا۔
کسی کو ذبح فرمان کرنا۔ اپنے حکم کے منطبق چلانے۔ *۔ اس فارس سے لیا
ہے کہ اس کے بنیادی معنی حقیر سمجھنے اور ذلیل کرنے کے ہیں۔

محض نے (کائنات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ قرآن اویہ میں چھ لکھ
 ہزار و ستر و تالیسی سے آیت ہے اس سے مراد مستمرا ہے سوائے سورہ زخرف کے کہ
 وَمِنْ آيَاتِنَا بَعَثْنَا فِي هَؤُلَاءِ سُلَٰسِمًا (۳۳) - میں سخیخریات کا تذکرہ
 تسخیر کے معنوں میں ہے **۔

سورة زخرف کی یہ آیت ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس
میں بتایا گیا ہے کہ مختلف افراد میں تناسب و ہمتر کی استعداد میں جو فارق
ہے وہ اس لئے ہے کہ معشرہ کے مختلف کام میں مختلف افراد آکر سیکھیں۔ اگر نہ م
افراد کی استعداد ایک جیسی ہوتی تو شخص کسی دوسرے کے تجویز کردہ
دروازہ کے مطابق کام ہی نہ کرتے۔ یا تمام افراد ایک ہی قسم کا کام کرنے
لگ جاتیں۔ جس طرح معاشرہ کا نظام کسی شے میں رہ سکتا۔ لیکن اختلاف
استعداد یا تناسب یہ نہیں کہ زیادہ استعداد والے لوگوں کو اجازت دے دی
جائے کہ وہ ہم استعداد والے لوگوں کو اپنے میٹکوم اور تہہ فرمان بند کر
ائیں۔ یہی انداز کے حصول کا بہ کار بند ہیں۔ اختلاف استعداد صرف تشبیہ
کرنے کے لئے ہے ورنہ تمدن کو یہ کی رو سے ہر انسان آدم واجب تکریم ہے۔
انہماک اس کی مہر کی شہاب "انسان ریویٹ" میں ملاحظہ۔

فرمانِ ارشاد میں ہے: **يَسْتَخِرُكَ رَبُّكَ** "میرے رب! میں تجھ سے استخارہ کرتا ہوں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے کائنات کی ہر شے میں حکمت اور حیرت کی باتیں رکھی ہیں۔ ان باتوں کے لیے ہمیں ہر وقت اللہ سے استخارہ کرنا چاہیے۔

مخلوق و تسخیر کے منشاء کو سورا کریگی۔ آپ حضور کیجئے کہ قرآن کریم نے اس علان سے انسانی دنیا میں کس قدر انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ انسان، کائنات کی قوتوں سے دوڑتا تھا۔ انہیں بننا معبود بہ تھا۔ ان کے حضور بڑھتا تھا۔ انہیں آپ اور ان سب کے سامنے کمزور و ناتواں سوجھتا تھا۔ قرآن کریم نے یہاں دم بڑھ کر تصور یکسر بدل دیا ہے۔ خدا نے کائنات کی تمام قوتوں کو انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھا ہے۔ یہ قوتیں اس کی معبود نہیں، اسکی خدمت میں۔ ”واللہ“ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس سے انسان کا مقام کائنات کی ہر چیز سے بہت بلند ہو گیا اور اس کے سامنے اسمائے فطرت کی تسخیر کے دروازے کھل گئے۔ دنیا میں جو قوم بھی قوانین فطرت کا علم حاصل کرے گی یہ قوتیں اس کے تابع فرمان ہو جائیں گی۔ اس میں مومن اور کافر کا بھی کچھ فرق نہیں۔ البتہ مومن ان قوتوں کو قوانین خداوندی کے مطابق انسانیت کی نشوونما کے لئے صرف کریگا اور کافر انہیں انہی مقاصد پرستیوں کے کام میں لائیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ

(۱) منہام آدم (آدمی کا منہام) یہ ہے کہ وہ کائنات میں توفیق کے سرسبز

کر کے اپنی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کرے۔

(۲) منہ مومن یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو مسخر کرنے منشاء نہ لے۔ ورنہ

کے مطابق ان کا استعمال کرے۔

(۳) جوتوں قوتوں کو مسخر ہی نہ کرے، ایسے مقام ہو جن کو اس کے

طرف مقام آدم بھی نصیب نہیں -

آج کا مسلمان خود سمجھتا ہے کہ قرآنِ مکریم کی روشنی سے اس کا مسامحہ کیا ہے؟

سختگیرانہ ذائقہ اور استہزائے کے معنوں میں (قرآن کریم کے متعدد مقامات

برآید (سال ۲۱ و ۳۰ و ۴۹ - دوره دومین من بعد میسر ۱۱۰)

نہی و عافیت مہیں کیا ہے۔

سبب

آیه بخشد به آنکه در حدیث آمده است که هر که در راه خدا کشته شود، خداوند او را در بهشت جای دهد و او را در بهشت ببرد و او را در بهشت بگذارد و او را در بهشت بگذارد.

سید خیر محمد شہید - وہ اس پرورش خانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

کی۔ 'ایک جہت سے'۔ اس نے سے تازگی۔ رشتہ۔ سہولت۔ شہر۔

مکروہ - نابینا ہونے سے روکنا واجب ہے اور نابینا ہونے سے روکنا واجب ہے

ہیں جو سزا کا مقتضی ہو **۔

* تاج - ** راغب -

لیکن جب یہ ہفتہ خدا کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی ختم ہے نہ راضی
 کے نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ان انسانی جذبات سے بہت بددش ہے۔ اس کے معنی سورۃ
 محمد کی ص ۱۲ سے واضح ہو جائے جس میں کہا گیا ہے "ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنتُمْ
 تَكْفُرُونَ" اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر سے روکا ہے اور ان کو توبہ کی دعوت دی ہے۔
 ان کی ہلاکت اور تباہی اس لئے ہے کہ یہ لوگ ان باتوں کی بروی
 نرے ہیں جو احکام خداوندی کے مقابلے میں نہیں ہیں۔ جو بدائیں ان احکام کے
 مقابلے میں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے کفر سے روکا ہے اور ان کو توبہ کی دعوت دی ہے۔
 "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" وحی خداوندی کو ان سے منسوب کرنے میں۔ اس کا نتیجہ
 یہ ہوتا ہے کہ ان کے اعمال سے انہیں بچا دیا جائے۔ یعنی وہ خود کو بچا دیا
 نہ اس طرح کہ انہیں نرے جن کی یہ توقع تھی کہ وہ توبہ کریں۔ لہذا اللہ تعالیٰ
 اللہ کے معنی ہونے وہ دور جو مرنے والے خداوندی کے مقابلے میں نہیں اور حق کا
 نہ خداوندی اعمال سے۔ اس میں ختم ہے اور نہ راضی کا لفظ ہے۔ انہیں نہیں۔
 "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" یہ سورۃ میں ہے۔ سورۃ میں ہے "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
 وِزْرَ أُخْرَىٰ" اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی دعوت دی ہے۔
 یعنی مکراب میں۔ اور یہ تفصیل کے لئے عنوان ہے۔ اس میں اور ہے۔ اس میں
 درج ہے۔

س ۵۵

سورۃ روک۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔

اس میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔
 سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔ سورۃ میں سورۃ ہے۔

نہ اقرار نہ ہو نہ تنہا نہ ۔ قرآن کریم میں قَوْلًا سَمِیْعًا آیت (۱۰ و ۱۱) نہایت متوازن ، سیدھی ، صاف بات ۔ جس بات سے کہنی خدایا باقی نہ رہے ۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ کہنی مبہم ، پُر سوج و خد ، ذو معنی ، بڑھی ہوئی بات نہ کرو ۔ ہمیشہ سیدھی ، صاف ، واضح ، محکمہ ، متوازن اور سبک گوئیک معنی بتا دینے والی بات کرو ۔ ایسی بات جس کا تعنی بہراہ راست صریح و مقصد سے ہو ۔ لایعنی اور بے فائدہ نہ ہو ۔ سَمِیْعًا سَمِیْعًا اس تکرار کا نتیجہ جس جو ٹھیک نشانے سر جا کر ملے ۔ سَمِیْعًا سَمِیْعًا کی بات قرآن کریم کی سیدھی اور واضح تعلیم کے خلاف ہیں ۔

(میرا اور رندم کے فریض کے لئے دیکھئے عنوان رندم)

س د ر

اَلْسِيْمَةُ رُو - بھری کے درختوں کو کہتے ہیں۔ اور اَلْسِيْمَةُ رُو - جب
 بھری کا درخت بہت اُگتا ہو جائے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا درخت ہے اور عرب،
 صحرا کی سخت گرمی کے سبب اُگنے لگے اس کے سبب یہ میں گرم اور تپتی ہے۔ اس
 اعتبار سے جنت کے آرام اور نعمت کے لیے اسے بنو و مملکت کا نمونہ ہے۔
 رُو اَلْسِيْمَةُ رُو (۱۴۴) ایسے درخت جو ہر قوم سے بہت چھوٹے درختوں
 اور جن کے سبب نہایت گہنے شہر - یہ ایسے درخت جن کا سبب یہ تپتی ہو لیکن
 کھانے نہ ہوں۔ بارش میں گرم اور راحت - سبب کے اعتبار سے دوسری جگہ ہے۔
 وَ اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ
 پہلو مشہور ہے۔ بھری کا درخت روئے بھری اور سخت گرمی کے خدشہ کے سبب
 میں بھی مریض رہتا ہے لیکن بارش میں اس کا پھل زرد و سفید ہوتا ہے نہیں
 رکھتا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب سبب کہ حالت سبب کے سبب ہو۔ تو
 وصال مر مریض و سبب کی جگہ یہ کہ بھری کے درخت اس کے - و اَلْوَيْلُ
 مَعْنَى اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ (۱۴۵) - مَعْنَى اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ اَلْوَيْلُ لِمَنْ يَنْتَظِرُ
 کہتے ہیں ***۔

سَدْر - وہ متحیر ہوا۔ سخت گرمی کی وجہ سے اس کی ٹانگیں تھک رہی تھیں۔
 سَدْر - اُس شخص کو کہتے ہیں جو نہایت گرمی کی وجہ سے متحیر ہو
 جائے۔ سَدْر بَصَر - سَدْر - بہت گرمی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ
 و شیشہ رہ گئیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی حدیث اور
 اضطرابِ رائے کے ہیں۔ اُس سَدْر - متحیر ہو کر کہتے ہیں۔

* راعب - * راج -

سورہ النجم میں مقام نبوت کی کیفیات کو مثالی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ (واضح رہے کہ وحی کی کیفیت صرف منہ لگا اور تشبیہاً ہی بن کی جاسکتی ہے، کیونکہ کوئی غیر نبی، وحی کی کیفیت اور ماہیت کو جان نہ سکتا ہے۔ وہ صرف اس کے پیغم کو سمجھ سکتا ہے)۔ اس سلسلہ میں کہہ گیا ہے کہ نبی کو جس مقام سے وحی ملتی ہے وہ انسانی عقل و فکر کے لئے سوائے انتہائی حیرت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عقل انسانی اس مقام کی ماہیت کو قطعاً نہیں سمجھ سکتی۔ اسے وہاں حیرت ہی حیرت ہوتی ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم نے عینہ سیدہ رُوحۃ المُنْتَهِی (۱۳) کے لفظ استعمال لئے ہیں۔ یعنی وہ مقام جہاں تحریر اپنی انتہا تک پہنچ جائے۔ اس کی تشریح ان سے کر دی کہ اِذْ یَغْشٰی السَّیِّدُ رُوحًا مَّیْغُشٰی (۱۳)۔ جب سورہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھایا رہتا تھا۔ یعنی یہ تمہارے (غیر از نبی انسانوں کے) لئے ممکن نہیں کہ وہ جان سکے کہ وہ کیا کیفیت تھی۔ تمہاری نگاہ کے لئے وہ تحریر کی فراوانی تھی جس نے ساری فضا کو ڈھانپ رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مَآ زَاغَ السُّبْحَرُ وَمَا غَشٰی (۱۳)۔ نی کی آنکھ کسی قسم کا دھوکا نہیں کھاتی۔ وہ حقائق کو بالکل واضح اور غیر مبہم طور پر دیکھتی ہے۔ لیکن صرف انہی حقائق کو جو اسے دکھائے جاتے ہیں۔ وہ ان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ بڑھ سکتی ہی نہیں۔ کیونکہ اسے یہ چیزیں اس کے ذاتی نسب و قدر سے نہیں مسمیٰ کہ وہ جس قدر زیادہ ہیجت کرتا جائے گی بڑھنا جائے۔ اس پر حقائق منکشف کئے جاتے ہیں جس پر منکشف کئے جاتے ہیں۔ انسانوں کے مقابلہ میں تو عدم نبوت (وحی) لا تھا ہوتا ہے لیکن عالم خداوندی کے مقابلہ میں اس کی ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا۔ راغب نے اِذْ یَغْشٰی السَّیِّدُ رُوحًا مَّیْغُشٰی (۱۳) کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس میں اس مکان کی طرف اشارہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا گیا تھا۔ وہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ وہی درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی تھی (۱۳)۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس میں مکان کے مقابلہ میں کیفیت کا مفہوم زیادہ موزوں ہے۔ ویسے اَلْسَّیِّدُ رُوحًا مَّیْغُشٰی کے منبع، نہر اور دریا کو بھی کہتے ہیں۔ اَلْسَّیِّدُ رُوحًا مَّیْغُشٰی کا سرچشمہ (وحی) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہذا سیدہ رُوحۃ المُنْتَهِی وحی کا سرچشمہ ہے جہاں عقل انسان کے لئے تحریر ہی تحریر ہوتا ہے لیکن جہاں نبوت اسے صاف طور پر دیکھتی ہے۔

س د س

اَلْبَيْتُ سُرٌّ - لَيْسَ سُرٌّ - جِهَنَّمُ حَمِيمٌ (۱۰۱) - اَلْبَيْتُ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ
 تَبْدُلُ - اَخْرَجَ سَمْنًا كَوْنًا سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ
 اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ - اَصْلُ سُرٍّ سُرٌّ
 (۱۰۲) سَادِسٌ حَمِيمٌ (۱۰۳) - اَصْلُ سَادِسٍ سَادِسٌ - اَصْلُ سَادِسٍ سَادِسٌ

س دی

[illegible][illegible]

چاہے آزادی سے چلے جائے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں وسعت و کشادگی اور زمین پر چمنے کا مفہوم ہے۔ السَّوْدُ رُبٌّ اور السَّوْدُ رُبٌّ اس بیانی کو کہتے ہیں جو مشکوکوں وغیرہ سے بے نکلے۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی میں ڈبکے ولا پنی۔

سَوْدٌ - وہ چمکی ہوئی ریت جو صحرا میں بہتے پانی کی طرح نہ کھائی دیتی ہے اور جوں جوں پیسا اسکی طرف بڑھتا ہے وہ گے آگے سرکتی چلی جاتی ہے۔ پیسا چمتے چمتے تھک جاتا ہے لیکن اسے پانی کا گہونب تک نہیں پہنچتا*۔ قرآن کریم نے غلط روسِ زندگی پر چمنے والوں کے اعمال کو سَوْدٌ رُبٌّ سے تشبیہ دی ہے۔ (۲۶) - وہ دور سے بہتے ہوئے پانی کی طرح نہ کھائی دیتے ہیں بڑے دلفریب اور خوشنما نظر آتے ہیں)۔ لیکن جب پیسا ان کے پاس آتا ہے تو وہ اسکی تسکین کا سامان بننے کی بجائے اللہ بھلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ السَّوْدُ رُبٌّ نشیب کی طرف جانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ نیز نشیبی جگہ کے لئے بھی*۔ اس میں بھی آزادی سے چمنے کا پہلو موجود ہے، کیونکہ نشیب کی طرف پانی بہا رکھتا ہے۔

س ر ب ل

سَرَّ بَیْسٌ (جمع - اس کا واحد سَرٌّ بَالٌ ہے)۔ کڑوا - بیا زراہ - سر وہ لباس جو (بہن کے - مائی حصہ میں) پہنا جائے۔ سَرٌّ بَیْسٌ*۔ چاندھہ قرآن کریم میں یہ لفظ دونوں معنی میں آیا ہے۔ وَجَعَلْنَا لَكُمُ سَرَّ بَیْسًا تَغْنِيْكُمْ تَحْرًا وَسَرَّ بَیْسًا تَغْنِيْكُمْ بَیْسًا سَرٌّ (۱) اس نے تمہارے لئے ہونے والے بے پائی جو تمہیں سردی سے محفوظ رکھتی ہے اور زراہیں بنائیں جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔ سورہ ابراہیم میں سَرَّ بَیْسٌ وِجْہِیْنِیْ اِسْلَامَ کے متعلق ہے کہ جب ان کی قونین ٹوٹ جائیں گی تو سَرَّ بَیْسٌ مِیْنِ قَمْعِیْرَانِ (۱)۔ ان کی زراہیں تارکوں کی ہن جیسی - یعنی وہ زراہیں جو انہیں دشمن کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لئے تارکوں کی طرح ان کے جسم سے جم کر وہاں بن جائیں گی۔

س ر ج

السَّیْرُ اِحٌ - چراغ کو کہتے ہیں ترہر میں چمڑ کو جو روشنی دے۔ (بعض کے - زندہ کے - درحقیقت ذرسی لفظ چراغ کا معرب ہے)۔ السَّیْرُ اِحٌ - سراج و راعب - *راعب - *سراج و محیط۔

س ر ر ق

السَّيْرُ دَرْفٌ* - وہ نہ میانہ یا سائبان جو گھر کے صحن کے اوپر کھینچ دیا جائے۔ یا ہر وہ دیوار، قنات یا اور ایسی ہی چیز جو کسی چیز کے گردا گرد کھینچ دی جائے اور وہ اسے اپنے احاطہ میں لے لے۔ اسی بنا پر اس نہ موٹس کو بھی کہتے ہیں جو بند ہو کر کسی جگہ چب جائے اور اس طرح سے اسے لے لے۔ ابن فارس نے السَّيْرَ دَرْفٌ کے معنی شہر بندے ہیں۔ رغب نے لکھا ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے جو معرب بنا لیا گیا ہے۔

فَرَانٌ کریمہ میں ہے نَارًا احْصَا بِهِيَ سُرَادِرُهَا اَبْهَامٌ - جہنم کی گجسکے سائبان انہیں چاروں طرف سے گھیر لینگے۔ جہنم کی ہر چاروں طرف سے محیط ہو جائیگی۔

س ر ر

السَّيْرُ - جو بات دل میں چھپائی جائے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی چھپانے کے ہیں لیکن کبھی اس کے معنی اس کی ضد یعنی ظہر (نکالنے) بھی ہوتے ہیں۔ السَّيْرُ وَرُؤُ الْيَحْيُوْرُ وَالْاَنْزَارُ - متھے جننے الفاظ ہیں لیکن السَّيْرُ وَرُؤُ اس خوشی کو کہے ہیں جو دل میں ہو۔ سورہہ رث اور الیحبُّوْرُ اس خوشی کے لئے آیا ہے جس کے شرب چہرہ پر نور نکال دے ہو جائے۔ یہ دونوں قابل تعریف صفت ہیں، مگر انزاع اس خوشی کو کہے ہیں جس سے انسان میں اذیتوں پیدا ہو جائے۔ اس لئے یہ مذکورہ فوق ہے۔ سَرَقٌ - اسے خوش کہا (سار) - خوش (سار)۔

السَّيْرُ - ہر چیز کی صل و بنیاد۔ نیز اس کا نصف حصہ، السَّيْرُ وَرُؤُ مغز۔ اس لئے عمدہ زمین کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے۔ سَرَاْرٌ ابوابی۔ وادی کا بہترین حصہ۔ السَّيْرُ وَرُؤُ - پتھروں کا بختہ۔ السَّيْرُ وَرُؤُ - سودی و خموس حال۔ عین و عشرت کی فراوانی۔ بہت بڑا بختہ۔ السَّيْرُ وَرُؤُ - وہ بنیادی حصہ سے جنسی تعلقات قائم کئے جائیں۔ السَّيْرُ وَرُؤُ - حکومت و سطنت۔ تخت۔ ہنگ۔ کیونکہ یہ آسودہ حال لوگوں کی اس طرف ہے۔

سورہ نہ م میں سیراً بہت بڑا بختہ ہے۔ لہذا وہاں سیر کے معنی بعض راز ہیں۔ سورہ بقرہ میں سَیْرٌ وَرُؤُ وَرُؤُ - السَّيْرُ وَرُؤُ - آیت ہے۔ وہاں بھی اس کے معنی نوسندہ طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

* ساح - * رغب - * نصیب - معنی ہیں درس - * محیط -

سورة ابراهيم میں ہے وَ يُسَنِّفُهُمْ اَمِيَةً رَّاكَ تَنْبِيْهُ سِيْرًا وَ عَدَلًا نَبِيْهَةً
(۱۱۱)۔ خدا نے انہیں جب (پچھلے) دے رکھا ہے ، خدیوہ وہ ن کی ضرورت
نہیں ہوتی اور خدیوہ وہ سامانِ رزاقی جو ہمیں نظر آجاتا ہے ، وہ ن سب
یہ نوع انسان کی زوہب کے لئے ایجاد رکھتے ہیں۔ اس میں نہ مستحق شوق
عبدان شوق شوق اور خدمت میں ہے۔ مہاراجہ صاحب اس کے بے غم و سیر
و حسی (۱۱۲)۔ وہ رازِ شوق بھی جانتا ہے اور اس سے بھی رازِ شوق بھی شوق
چیز کو بھی۔

سورہ یونس میں ہے وَأَسْرَرْنَاهُ سِرًّا كَيْدًا (تہا)۔ وہ اعدائے خود دیکھ کر
 رستہ سے ہٹ کر چھپ گئے۔ بعض افسانہ نگار نے کہا ہے کہ یہ افسانہ میں
 سے ہے اور اس کے معنی نہ شہر خرابے کے بھی کہتے ہیں۔ لیکن عمارت نزدیک
 اس مقام پر چھپانے کے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

سُرُور کا لفظ بخشوں کے لئے ایک ہے جن پر ہمیشہ میں اسرار اس کا
واحد۔ سِرِّ بَرّ بخون ہے۔ اور سِرِّ اَثیر کے معنی بھوتے ہیں راز کی باتیں۔ (۹)
میں نہ واحد سِرِّ بَرّ بخون ہے۔ سِرِّ اَثیر۔ راز کی بات کرنا۔ دوسروں سے چھپا
کر خفیہ بات کرنا (۱۰)۔

س ر ع

سُورُع - سُرْع - سُرْعَة - سُرْعُون - جَدْر و دَعْمُون - تَمْرِي ،
جَدْرِي - سُرْع - وہ تیز ہو - اس نے جسدی کی - السُّرْعَانُ مِینَ الْحَرَكَاتِ -
ان کو جانے والے گھوڑے - ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنہ دی معنی
جلدی کرنے کے ہوتے ہیں -

[illegible]

سورة ق میں سیراً (سیراً) آیا ہے۔ جس کے معنی تیزی سے (واقع ہو جانے کے) ہیں۔ سارِعاً - مُسَارِعَةً و سیراً - جلدی کرنا۔ ایک دوسرے سے سبقت کرنا۔ وَ سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ (بہتر)۔ "مغفرت کی طرف (جانے میں) جلدی کرو"۔

سرف

اَلْمُسْرِفُ - جو حد مقرر کی کٹی ہو اس سے آگے بڑھ جاتا۔ زیادتی کرنے والا۔
 نَادِي نَدَا (نَدَا نَدَا) - سوراخ بنی اسرائیل میں ہے۔ فَتَرَا يَسْرِفُ فِي
 الْفَنَائِلِ (۲۱۰)۔ وہ جس میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی قانون کے جو
 حدود مقرر کی ہیں ان کے اندر رہے۔ یا وہ نادانی سے زخود شیئی قتل نمودار
 نہ کر دے۔ ہمکامہ معاصمہ عمالت کے سپرد نہ کرے۔ نَبَّهٌ كُنْ مَسْهُورًا
 سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ سورۃ النمرۃ میں تغافل کے ضمن میں یہ خبر فتنہ
 کے متعلقہ میں آیا ہے (۲۱۰)۔ فَتَرُ - بخل اور خرچ میں تعدلی نواز ہے۔
 اِسْرَافُ، اِسْرَافِ کے مقابلہ میں اِسْرَافُ ہوگی۔ بعض میں اِسْرَافُ اور اِسْرَافِ
 ضرورت ہو وہاں اس سے زیادہ خرچ کر دینا۔ اِسْرَافِ کہتے ہیں مِسْرَافِ
 اَلْاُمِّ وَالْاَبِ - ماں نے اپنے بچے کو بہت زیادہ دودھ پلاتا ہے اور اس کی
 صحت خراب کر دیتی*۔ اس سے اس کے معنی ہوتا ہیں کسی چیز کا اس طرح
 ضائع ہو جانا کہ جو فائدہ اس سے حاصل ہوتا تھا وہ ضائع نہ ہو۔ جیسے
 مِسْرَافُ مَسَاعِرِ - اُس نے جو زمینیں جو زمینیں اس طرح بہا جائے کہ
 اس کے کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ بیکار چلا جائے۔ اِمْسِیْ اِمْسِیْ کسی چیز
 کو اس مقام میں نہ رکھنا جس کے لئے وہ بنی ہے۔ مِسْرَافُ اِسْرَافِ ہے۔
 اور ایسا کرنے والے کو مِسْرِفُ کہا جاتا ہے۔ قوم لوط کو اسی لئے مِسْرِفُ
 مِسْرِفُ (۱۶۱) کہا گیا ہے، کیونکہ وہ افزائش نسل کے لئے نہ ہو بلکہ
 (لواطت میں) صرف لڑنے کے لئے وہ بہا نہیں اور اس طرح اس کا
 مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی شوہنتوں، حیرتوں اور صبر کرنے کے
 بجائے دوسری جگہ ضائع ہو جاتا تھا۔ زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو
 بھی مِسْرِفِیْنُ کہا ہے (۲۱۱)۔

عسرت بہل سے ظاہر ہے کہ اسراف، صرف و حوا (فضول و بربادی) نہیں
 نو نہیں کہلاتے۔ اس سے مسبب یہ ہے کہ انسان پر ساق و رومب، ذوق و ہوا
 کسی اور صلاحیت کا اب سے مقصد کے لئے نہ خرچ کرے جس سے نعمتوں کی نتیجہ
 مرتب ہو، بلکہ اسے تحریمی مقصد کے لئے بھی ذوق و ہوا نہ خرچ کرے۔
 (اسراف اور تبذیر کے خلاف کے صرف کے لئے ب۔ ذ۔ ر کے عنوان بھی دیکھیے)۔

فوج کا دستہ ، کیونکہ وہ رات کو چلتا ہے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہوئے
 پائے*۔ اَلْأَسْرَى*۔ چھوٹی نہر جو نخلستان کی طرف جاتی ہو**۔ سورۃ مریم
 میں ہے نَحْنُ نَكْرِ سَرَبًا (۲۹)۔ تیرے نشیب کی طرف ایک پانی کی نہر ہے۔
 سَرَاة*۔ ہر چیز کا بلند حصہ۔ وسیع زمین۔

راغب نیز صاحب محیط نے لکھا ہے کہ سَبْحَانِ الَّذِي أَسْرَى
 بَعْبُدْرَہ (۱۶) میں أَسْرَى کا لُفْظ سَرَى یَسْرِرُ (رات کے وقت چننا)
 سے نہیں بلکہ سَرَاة* سے ہے۔ یعنی خدا اپنے بندوں کو سَرَاة*
 (کشادہ زمین کی طرف لے گیا) جسے أَجْبَلْ کے معنی ہوتے ہیں وہ ہم۔ ز
 پھر چلا گیا۔ اور اَنْهَمَ کے معنی ، وہ تمہارے میں چلا گیا***۔ مکہ کی سرزمین
 حضورؐ (اور آپ کی جماعت) پر تنگ ہو چکی تھی اس لئے آپ نے مدینہ کی
 طرف ہجرت فرمائی جہاں کی فضا آپ کے ستن کے لئے وسیع اور کشادہ تھی۔
 لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ سَرَى۔ یَسْرِرُ ہی سے ہے اور لَبِیْلاً تکید
 مزید کے لئے ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ نے ہجرت رات کے وقت فرمائی
 تھی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مردانگی و سخاوت کے معنوں میں (س۔
 ر۔ ی) اور (س۔ ر۔ و) دونوں سے آتا ہے۔ اَنْ سَرَوُہ کے معنی ہیں کسی چیز
 کو کھولنا۔ سَرَاةُ النَّهَارِ۔ دن کی بدی کو کہتے ہیں۔

س ط ح

اَلْأَسْفَلَ*۔ گہر کی جنت جو ہموار ہے۔ ہر جز کے اوپر کے حصہ۔
 مَسَاحٌ۔ یَسْمَحُ*۔ اسنے بچھا دیا۔ پھیلا دیا نیز ہموار کیا، یہ د۔ ب۔ ح۔ ز
 دیا۔ اَلْمَسَاحُ*۔ ہموار جگہ جس پر کھجوریں خشک کی جاتی ہیں۔
 قرآن کریم میں ہے وَآلِ الْأَرْضِ الْيَتِيمَ السَّيِّئَاتِ*۔ زمین،
 کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ اس کی اوپر کی سطح کس طرح ہموار
 بنائی گئی ہے۔

س ط ر

مَسَرَّ*۔ یَسْرُرُ*۔ سَسْرًا (میں ہی لائنوں میں) لکھنا، بنانا
 نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی شے کے صاف بنانا کرنے کے ہیں۔
 جیسے کتب کی مطبوعہ درختوں کی لائنیں۔ اسی سے اس کے معنی لکھنے کے
 آئے ہیں۔ ن۔ و۔ اَلْمَسْرُورُ*۔ اَلْمَسْرُورُ*۔ اَلْمَسْرُورُ*۔ اَلْمَسْرُورُ*۔
 * تاج۔ ** محیط۔ *** راغب و محیط۔ *** تاج و راغب۔

دوات سجھاتا جاتا ہے) اور قدم اور جو کچھ لکھنے والے لکھتے ہیں (یعنی قرآن کریم اور وہ تمام سرمایہ غم جسے انسان لکھ کر محفوظ کر لیتا ہے) اس حقیقت پر بناء ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کَانَ ذَٰلِکَ فِی الْکِتَابِ الْمُسْتَوْرٰی (۱۰۱)۔ یعنی لکھا ہوا۔ یہی معنی مُسْتَوْرٰی کے ہیں۔ (۱۰۲)۔ اَلْمُسْتَوْرٰی (اُسْتَوْرٰی کی جمع ہے) قصے کہانیوں *۔ (بعض نے کہا ہے کہ یہ لغت روم ہے، یعنی Story)۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ تاریخی شواہد پر غور کرو اور سوچو کہ جس قسم کے کام تم کرتے ہو، جن قسموں نے اس قسم کے کام کئے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟ تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان "ہٰذَا اٰیٰتِ اَسَاطِیْرِ الْاَوَّلِیْنَ" (۱۰۳)۔ یہ بچھنے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان سے لہا یہ جارہا تھا کہ یہ خدا کا قانون ہے جو تم پر بھی اسی طرح صادق آئیگا جس طرح اقوام سابقہ پر صادق آیا تھا۔ یہی حال مسلمہ نون کا ہے۔ قرآن کریم نے قانون مکافات عمل کے ضمن میں جو کچھ اہلے اولیٰین سے متعلق لکھا ہے، جب ان سے اس کا ذکر کرو تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات یہودیوں کے متعلق ہے۔ یہ عیسائیوں کے متعلق ہے۔ یہ مشرکین کے متعلق ہے۔ یہ منافقین کے متعلق ہے۔ یعنی ان کے نزدیک سارے کائنات قرآن انہی لوگوں سے متعلق تھا جو اُس وقت اس کے مخاطب تھے۔ اب ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم سے اگر اس کا کوئی حصہ متعلق ہے تو صرف وہ جس میں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (۱۰۴) یعنی وہ جنت جو ان کے خیال میں محض مسلمان کہلانے سے مل جائیگی!)۔

چونکہ قصے کہانیوں عام طور پر جھوٹے ہوتے ہیں اس لئے مُسْتَوْرٰی کے معنی ہیں جو کوئی باتیں جمع کرنا۔ نیز چونکہ مُسْتَوْرٰی سے بھی لکھ کر لیا کہتے ہیں اس لئے اَلْمُسْتَوْرٰی کے معنی تنوار سے سمجھی کٹ کاٹنے کے بھی آتے ہیں۔ اَلْمُسْتَوْرٰی۔ چھری کو کہتے ہیں *۔

مُسْتَوْرٰی کے معنی ہیں کسی کے سر پر سرسبز کی طرح مہر ہے۔ نیز رشہ۔ اسی سے اَلْمُسْتَوْرٰی ہے جس کے معنی نازان۔ وحشت۔ مستط۔ رشہ کے آتے ہیں *۔ قرآن کریم میں ہے نَسَمَتْ عَنَّا نَہِیْمٌ بِہِمْ مُسْتَوْرٰی (۱۰۵) یا۔ اَمْ هُمُ الْمُصِیطِرُوْنَ اَلْاَیْمُ۔ اس کے معنی مُسْتَوْرٰی کے ہیں۔ یعنی جو کسی پر مسلط ہوں۔

قرآن کریم میں اسے صاف سے لکھتے ہیں کہ میں سے پرہیز ہے جس سے جو میں سے پہلے آئے اسے میں اور صاف دور سے لکھتا جاؤں *۔

* تاج۔ ** راغب۔

جزء - پہلی دن نہ سعد ہے نہ نحس - جس کام کا نتیجہ (قانون خداوندی کے مطابق) اچھا ہے، وہ عمل سعد ہے - اور جس دن اس کام کا اچھا نتیجہ سامنے آئے وہ دن سعد ہے - اسی طرح جس کام کا نتیجہ (قانون مکنات کی روش سے) منہر ہے وہ عمل منہر ہے، اور جس دن وہ نتیجہ سامنے آئے وہ دن نحس - دنوں (شمس - سور - سوموار و جمعہ) کی اپنی حقیقت ہی کچھ نہیں ہے - یہ تو ہم نے اپنی سمجھ کی خاطر، وقت (Time) کے گزیر کر رہیں اور ابھی ہمیں تو یہ حسب میں سے نہ ہی سفاروں میں سوئی سعد یا نحس ہے - یہ تو ہے، ہوا میں خدائی کے مطابق گردش کرتے ہیں - ان کی گردش کا نشان کی "مست" سے کیا تعلق؟ اقبال کے الفاظ میں

تیرے مقام کو انجام شناس کیا سمجھے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں
(مزید تفصیل ن - ح - ص کے عنوان میں ملیگی) -

س ع ر

[illegible][illegible]

* تاج - ** محیط -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے مشتعل ہونے، بھڑک جانے اور بندھو جانے کے ہوتے ہیں۔ اس لفظ سے سَعَرَ اور سَعَرَ النَّارَ وَالْجَمْرَ کے معنی ہیں گ اور جنگ کو بھڑکا دینا۔
وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِرَتْ (۸۱)۔ "اور جب دوزخ بھڑک اُٹھے گی"۔ اس میں عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جس قدر کسی کے جرائم زیادہ ہوں گے، اسی قدر ان کے نتائج زیادہ تباہ کن۔

س ع ی

سَعْيٌ کے معنی تصد و ارادہ کرنے، تیز چلنے، کے ہیں۔ کسی کام کے لئے اہتمام، دوڑ دھڑب اور کوشش کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ جب یہ لفظ جمانے پر دوڑنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بعد ایسی آتا ہے۔ جیسے فَمَسْعَوْا ایسی ذر نور آئی۔ اور جب یہ کام کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بعد لام آتا ہے۔ جیسے سَعْيًا لَيْتًا*۔ آیت عیسیٰ کو پیش کرنے و مائتہ صدقات وصول کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ دوڑنے کے معنوں میں (۲۰) میں آید ہے نیز (۲۱) میں - کوشش اور محنت کرنے کے معنوں میں (۲۱) میں - یعنی دوز دھوپ - جد و جہد - تگ و تاز - سعی و عمل وغیرہ -

قرآن کریم میں ایک آیت ہے لَتَسْكُنُوا فِيهَا فَاَنْتُمْ مَكْنُوعُونَ (24)
 ”الساکن کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ سعی و کوشش کرے“۔ یہ آیت ایک
 عظیم اصول کی طرف راہ نہی کرتی ہے۔ معاشیات (Economics) کی دنیا میں
 یہ بتاتی ہے کہ انسان کو صرف محنت (Labour) کا معاوضہ لینا چاہئے۔ سرمایہ
 (Capital) کا معاوضہ، یہ یونہی بغیر محنت کے لینا جائز نہیں۔ اس اصول
 پر معاشیات کا جو نظام تعمیر ہوتا ہے اس کا اندازہ مل سکتا ہے۔
 معاشرت اور تمدن کی دنیا میں اس اصول نے یہ بتا دیا کہ معاشرہ میں
 فرد کا مقام اس کی محنت کے اعتبار سے متعین کرنا چاہئے، نہ کہ خاندانی یا
 اسی قسم کی دیگر اضافی نسبتوں سے۔

”مذہب“ کی دنیا میں اس اصول نے یہ نہ دیا کہ نجات و سعادت، صرف انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ نسی کی سفارش سے نہیں مل

* تاج۔ ** تاج و محیط و راغب۔

سکتی۔ نیز اس نے یہ بھی بنا دیا کہ یہ عقیدہ کہ شر بچہ اپنے اولین مہل
ب کے لئے لیا کر پیدا ہوتا ہے۔ یا جہنم کے جرائم کی داداں میں مبتلا
ہوتا ہے، اس ہے۔ انسان سفید لوح (Clean Slate) سے کر رہا ہوتا ہے اور
جس قدر وہ سعی و عمل کرے اسی قدر وہ زندگی کی خوشگوازیوں کا اہل بن
جاتا ہے۔

نیز اس اصول نے سماست کی دنیا میں یہ کہہ دیا کہ شر انسانی حق کو
سعی و عمل کا یکساں میدان مہیا کرتا ہے۔ اس باب میں نہ کسی کو رعایت
مہی جانتیں اور نہ کسی کے سامنے میں رزق میں سہا دتی پناہیں۔
ک نے دیکھا کہ یہ اصول کس قدر عظیم انقلاب کا منشور ہے؟

س غ ب

سَغَبٌ - يَسْغَبُ - وَسْغَبٌ - يَسْغَبُ - سَغَبٌ - وَسْغَبٌ -
تہکن کے ساتھ بھوکا ہونا۔ (راسب نے بناس کا اضافہ بھی کیا ہے ابن فارس
نے اس مادہ کے بنیادی معنی بھوک بٹائے ہیں اور السَّغَبَةُ کے معنی قحط۔
قرآن درمیان میں ہے "صُعْمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ" (۱۱۰) "ایسے
وقت میں کہ ان کی خوراک کا نظام کرنا جب بھوک اور مشقت عام ہو رہی
ہو"۔ قرآن کریم نے اس پر دو ڈرام (نظام) کو پہاڑی پر چڑھنے سے تعبیر کیا
ہے "۱۱۰۔۱۱۱۔۱۱۲" فی حقیقت یہ چیز کہ انسان محنت و مشقت سے اٹھائے
وہ اپنی محنت کے ماحتمل میں سے فتنہ اپنی ضروریات کے مطابق اسے درستی
میں ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے عام کرنے سے پہلے پھر
اسے زمانے میں جب چاروں طرف بھوک تھی بھوک نثار رہی ہو، میں
عَزْمٌ لِّمُؤْمِرٍ" اسی سے انسانی ذات کی تسو و نما ہوتی ہے اور
اسی اسلام کا مقصد ہے۔ اسی کو نظامِ ربوبیت کا تمام کہتے ہیں۔ (سورہ
البقرہ کی ہدایت ۱۱۰۔۱۱۱) انشاء ربوت کے سلسلہ میں غلبہ حقانی کی مظہر
ہیں۔ ان کا گہری انداز سے سمجھ کر چاہئے۔ (مقدمہ موری کتاب "نظام
ربوبیت" میں ملے گی)۔

س ف ح

سَفَحٌ - سَفَحٌ - اس نے خون بہا دیا۔ خزن ارایا۔ سَفَحٌ الْبَرِّ مَعٌ - اس
نے تسو و نما ہے۔ سَفَحٌ الْبَرِّ مَعٌ - تسو و نما ہے۔ (راز و متعسی)۔ اس سے
سَفَحٌ و راسب۔

اَلْمُسْتَفْحِجَةِ کے معنی زنا کرنے کے آتے ہیں ، کمونکہ اس میں مادہ منویہ کو بیرون ہی خارج کر کے بہا دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ جاشیت میں جب لوگ کسی عورت کو سادی کا پیغام دیتے تھے تو ان کے چہرے پر ”کم ہنرے“ اور جب زنا کے نشے بگڑا دینے تھے تو ”مُسْتَفْحِجِی“ کہتے تھے ۔ ”مُسْتَفْحِج“ جوڑے کے تیروں میں سے چوتھا تیر جس پر کوئی نشان نہیں ہوتا تھا اور نہ شی میں کا کوئی حصہ ہوتا تھا ۔ نہ شی اس پر کوئی تاوان دینا پڑتا تھا ۔ یہ بلا تہجد رشتا تھا * ۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے جنسی اختلاط کے سلسلہ میں پہلے ن عورتوں کی فہرست دی ہے جن سے نکاح حرام ہے ۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر عورتیں نعمت کے لئے حلال ہیں بشرطیکہ اس تعین کی سبکی مَحْضِنَاتٍ غَيْرِ مَسْتَفْحِجَاتٍ (پھر) عورتیں مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ (ص - ن) کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے ۔ سمجھئے اسے ایک نظر دیکھ لیں ۔ ”مُسْتَفْحِجِی“ کے معنی ہو گئے ، مادہ منویہ بیرون نہ گئے کے لئے ۔ اس سے قرآن کریم ایک عجیب حقیقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے ۔ ہمیں اب یہ دیکھئے کہ نکاح اور زنا کے جنسی تعین میں فرق کیا ہے ۔ سہوائی لذت تو دونوں میں ملتی ہے لیکن اول مذکور صورت میں یہ لذت مقصود بالذات نہیں ہوتی ۔ مقصود انزائش نسل ہوتی ہے ۔ لیکن زنا میں لذت مقصود بالذات ہوتی ہے اور زنا کر (مرد و عورت دونوں) کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ استغراقِ جنس یہ ہو ۔ یہ معنی نہیں ”مادہ منویہ بیرون نہ گئے کے لئے“ ۔ لہذا جنسی اختلاط کی وہ سبکی جس میں انسان نکاح کی ذمہ داریوں سے سبک دہی کرے ۔ انہیں (انا کرے) اور مقصود محض جنس سہوائی کی تسکین ہو ۔

قرآن کریم کی رو سے جائز نہیں قرار پاسکتی ۔

اسی سورت میں کن آیت میں قرآن کریم نے مَحْضِنَاتٍ غَيْرِ مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ (ص - ن) کے لئے دیکھئے جن (ص - ن) ۔ مطلب اس سے جنسی تسکین ہے ۔ (انا کرے) ۔ یہ ہے اس زمانے کی عورتوں کے سلسلہ میں آیا ہے لیکن قرآن میں اس کے لئے ان تین اصطلاحات کا مفہوم حسب ذیل ہوگا ۔

۱۔ مَحْضِنَاتٍ مَحْضِنَاتٍ جنسی اختلاط کی وہ سبکی جس میں نکاح کی ذمہ داریوں و مقصود ، مقصود و فرغ ، غرض و لذت کو مقصود قرار کیا جائے ۔

قرآن کریم میں ہے وَالصُّبْحِ اِذَا اسْتَفْرَجَ (۱۰۰)۔ ”جب صبح اچھی طرح روشن ہو جائے“۔ دوسری جگہ ہے وَجُودَهُ يَتَوَسَّعُ فِي السَّفَرِ (۸۰)۔ ”کچھ چہرے اس دن تابناک ہونگے“۔ اسی سورہ میں ذرا پہلے ہے يَا بَلَاءُ مَدْرِي مُسْفَرَةٌ (۱۰۱)۔ ”لکھنے والوں کے ہاتھوں میں“۔ سورہ بقرہ میں عَلٰی سَفَرٍ (۲/۱۸۴) آیا ہے۔ یعنی حالت سفر میں۔

س ف ع

سَفَّحٌ کے معنی میں نکر کر نہ نہنا۔ جھسا دینا۔ ڈانٹنا۔ لگانا۔ نیز تھوڑا مارنے کو بھی کہتے ہیں۔ سَفَّحٌ بَيْنَهُمَا مِصْبَحٌ نَزِيرٌ جَمِيْعٌ۔ اسے پیشانی کے بال یا رنگ بکڑ کر کھینچنا۔ نرن سکڑنا۔ اس کے لفظ سے بِلَا سَفَّحٍ (۱۰۱)۔ ہم بالضرور اسے پیشانی کے بالوں سے بکڑ کر کھینچا کرتے۔ سختی سے گھسیٹنا۔ یعنی یہ بڑے بڑے مخالفین آخر الامر ذلیل و خوار ہوں گے۔ مغلوب ہو جائیں گے اور سکست کہنا جیائیں گے۔ ذلت کے حال سے اُسْتَفْحَتْ سَخَرَتْ کُوڑے و ذلت کے لشکر کو کمزور کرنے میں جو کھینڈروں میں بڑا رشتہ ہے۔ اصل میں یہ لفظ سادی مسئل رنگ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ”رنگ نہ تھکے“ کے معنی گھوڑے کی پیشانی کے سبب ل بکڑنے کے نکشے میں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) رنگ (سببھی سائل) اور (۲) ہاتھ سے کسی چیز کو بکڑ لینا۔

س ف ک

سَفَّكَ۔ بہنا، عورت خون بہانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اُسْتَفَّكَ۔ بہت زیادہ خون بہانے و ما۔ نیز دراکلام آدمی کو کسی کہنے میں۔ قرآن کریم میں یَسْفِكُ تَسْفِكُ (۱۰۱) آیا ہے۔ یعنی خونریزی کریگا۔

س ف ل

اَلِیْسَ لَکُم مِّنْ اَشْجَارٍ اَوْ غُلَامٍ۔ اس کی زیر درجہ سے (دست)۔ یہ غُلَامٌ اور غُلَامٌ (بندہ) کی ضد ہے۔ اَلَا سَفَّكُ۔ بہت نہجے۔ یہ لفظ کی معنی ہے۔ سَفَّكُ اس کے۔ کہنے لوگ۔ فیجے درجے کے لوگ۔ ”از عورت سَفَّكُ“ خاص طور پر اس آدمی کو بھی کہتے تھے جسے کپڑے کی دعوت دی جائے اور وہ میزبان کے ہاں سے کچھ چرا کر لیجائے***۔

قرآن کریم میں قدوم ایوان کے عذاب کے معنی میں۔ اَلَا سَفَّكُ۔ اس کے ویر کے طبیعتے کو بھیجے گا طبعہ پر۔ یہ لفظ۔

* تاج۔ ** تاج و محیط۔ *** محیط۔

[illegible]

س ف ن

سَنَنْ اَشْتِي - سَنَنْتَه سَنَنْتَه - اسی چیز کو چاہتا ہوں ، اس سے اس
 دیں ۔ سَنَنْتَه اسی سے مشتق ہے ۔ اسکا یہ معنی اَشْتِي کے ہیں ۔ اسی سے اس
 میں وہ سورتوں میں اَشْتِیاں اس طرح بنائی جاتی تھیں ۔ وہ درخت کے بہت
 بڑے تھے ۔ وچھل چھل کر انہیں بہنے کی جگہ بنا دیں تھے ۔ یہ پھر اس
 کے نام سے کہتی تھیں ۔ یہ وہ نام ہے جس سے وہ بنی ہو گئی پناڑی
 کہ رہی ہے ۔ سَنَنْتِیْنِ الْبَرِّ - دونوں کو اپنے شہر میں رہنے کی اجازت ہے ۔
 نیرن کریمہ اور رَدِیْمَہ فی سَنَنْتِیْنِ اِیْ وہ دونوں اَشْتِی
 میں رہ رہوئے ۔ سَنَنْتِیْنِ اِیْ ۔ پتی رہا اس نسی اِیْ (عامہ)

س ف ۛ

سُفَّیۃؓ کے معنی ہیں عقل کا ہسکا بن ، نادانی ، جہالت ۔ سَفِیۃؓ کسی
نہ پریشانی اور جہم سے پر آمادہ نہ رہا ۔ کسی نیکو شاک نہ رہا ۔ سَفِیۃؓ
سُفَّیۃؓ کے معنی ہیں ۔ اس وقت کہ جس میں جب کوئی آدمی اپنی ترقی و بہت سے نہیں
دیکھتا ۔ اس لئے کہ جسے ۔ سَوَّابٌ سَفِیۃؓ ۔ چھوٹے اور خراب بنے ہوئے گھر کے لئے
سے نہیں ۔ لیکن اس مسادہ نے بنا ۔ کسی معنی میں اس اور سُفَّیۃؓ کے کسی
میں ۔ جو کہ جس کی علامت شوقی ہے) ۔ اس لئے کہ سَفِیۃؓ میں وہ ہر
کچھ کے میں جو اوتسی کے میں رہنے کی وجہ سے مشغول رہے ۔ اور اس
وہ سرفور میں نہ ہو ۔ چھوٹی غصہ اور سَفِیۃؓ کے میں نہ ہو ۔
اور اس و اختصار و نیکو نامی میں کی نہ ہو فرات سے نہ ہو لیکن
نہ سَفِیۃؓ کے میں جن کے دل نہ تکی نہ کسی کی کہ جس سے عشق نہ ہو ۔
اور وہ سرفور میں نہ ہو ۔ ہاں یہ ۔ شریک عشق میں ۔ جو سَفِیۃؓ کے میں نہ ہو
نہ نہ ہو جس میں چھوٹی میں (سَفِیۃؓ) ۔ یہ لیکن اس کے میں نہ ہو جس سے
میں کہ فرات ۔ یہ نہ ہو جس کے میں نہ ہو جس میں نہ ہو جس میں نہ ہو کہ
یہ نہ ہو جس کے میں نہ ہو کہ سَفِیۃؓ کے میں نہ ہو جس میں نہ ہو کہ

دوسری جگہ سَنَنْتِیَہ^۲ کا نام کم عقل لوگوں کیلئے استعمال ہوا
ہے (م^۲م) اور (۱۰۱) میں سَنَنْتِیَہ کے ساتھ پُرستار شریف کے اضافہ نے بہت
کہ سَنَنْتِیَہ^۳ یہ ہے کہ زمین غنیمت و غن سے کام نہ لے۔ قبرانِ کبریا کی
پوشش سے سَنَنْتِیَہ^۴ (سید و نسل سے کام نہ لے) بہت بڑا جرم اور سخت مذہب
حرکت ہے۔ مومن وہ ہے جو وحی خداوندی کی رہنمائی میں سید و غن سے
کام لے۔

مَسْأَلَةٌ (٦٦) - حماقت - بيوقرفى - جهالت -

سورۃ بقرہ میں آیت "وَمَنْ يَشْرِ الْخَلَفَ" و "وَعَنْ" مترادف ہیں اور خلیفہ اور خلیفہ
 سلفیہ (S. 1, 2) - صحت پر شبہی ہے اس شخص کے سوا انہوں نے اعتقاد
 پرست نہیں کیا ہے جس نے اپنی ذات کے بارے میں ایسی ضرورت و فکر سے ہم نہ
 نہ لیا ہو۔ جس نے یہ سوچ لی نہ ہو کہ ذات کی ضرورت نہ ہے نہ ہو سکتی
 ہے اور یہ کیوں ضرورت ہے؟ مجھے نے سیکھے ہوئے ہیں کہ ان کی دلیل اس
 اور حشر و بیعت وقعت سمجھنا کہ جس میں - یعنی جسے انہوں نے درجہ دار خدا نہ
 سمجھنا - قرآنی تعظیم کا تصور نہ ہو، انہوں نے ذات پر یقین اور اس کے بارے میں
 سوچنے پر ایمان ہے۔ اگر اس حقیقت کی نظر انداز کر دیں، جب کہ یہ ہے
 (S. 1, 2) نہ کہ، تو یہ خدا پر ایمان ہی ہے نہ کہ یہ نہیں ہے۔
 (تنتہیں سی اجمال کی ان - ف - س کے عنوان میں مسئلہ)

س ق ر

نہایت - آفتاب کی گرمی اور اسکی لذت - مستور ہے المستور - مخرب
نے ایسے مکاریاں دیں - جیسے دیکھنا اور میں کے ذہن پر غلبہ نہ ہو سکا۔
آلہ شور میں ٹوٹے ٹوٹے شیش جسے تیرا اس سے جا بڑوں کو نہ
دیتے ہیں - نیز مستور کے معنی ہے - دور دور عورت کے من میں ۔

قرآن کریم میں یہ مفرد جمع لفظ ہے - ذرا سو مسستور ہے ۔

متر کے ان تیرہ سروں کے سوا چکری جو تمہیں زندگی کی خوشگوار باتوں سے دور
(محروم) کر دیتے ہیں ۔

س ق ط

* تاج - محیط - راغب - ** تاج

نکات گونا گونا گویا۔ قرآن شریف میں ہے "وَمَا تَسْأَلُهُمْ فِيْهِ" وَرَقَّتْ رَأْسُهَا۔ کہیں
بتہ نہیں گرتا۔ سورۃ مریم میں ہے "تُسَبِّحُهَا عَلَيْهِمْ وَأَمْثَلُهَا" وَصَلَّاهَا جَنَّتِيَّتًا۔ ۱۔
وہ درخت تیرے سر پر نہ کچھ پڑیں نکات گونا گونا گویا۔ سورۃ شعراء میں ہے
فَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِمْ (۲۱)۔ کہہ کر کہے۔ تَقِيَّتًا۔ گونے والا (۲۲)۔

سورۃ اعراف میں بنی اسرائیل کے مستعق ہے وَاَلَمَّا سَفِطَ رَفِیْ
اَلْیَمِیْنِ (اوجڑا)۔ صاحب قاج نے اس کے معنی لکھیں ہیں نرمندہ اور مستحیر
ہوں۔ راج نے لکھا ہے کہ اس کے معنی شو اسنے آئے ہر حضرت اور نرمندگی
کے احساس نہ ہونے۔ ابن فرس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی نہرامت سے
ہٹنا ہے۔ صاحب معجم نے بھی اس کے معنی نہرمت ہی کے لکھے
ہیں۔ اور یہیں معنی غدر آن حکمرانہ میں بھی واضح ہوئے ہیں۔ یعنی انہی
مستحق و حماقت کے احساس سے نہرمت و راجمانی۔ آیت کے معنی ہوں گے
”جب وہ پشیمان ہوئے“۔

س ق ف

السَّمَاءُ - حیث ، جمع سَمَاءٌ سَمَاءٌ - بن نرس نے کہا ہے کہ اس
 کے بندہ ہی معنوں میں ہندہ ہونے اور جہاں ہوا ہونے کا مفہوم دیا جاتا ہے ۔
 السَّمَاءُ - مر وہ جگہ جس پر حیثیت نسو - بالعموم بشر نچے ہوئے چہر
 کو کہتے ہیں - عرب آسمان کو بھی سَمَاءٌ کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے
 خیال میں وہ زمین کی جہت ہے - سورہ انبیاء میں ہے وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ
 سَمَاءً مَّحْنُوتًا ۝۲۱ - " چہ کے آسمان کو محنوں جیب بنایا " - یعنی
 فضا کے کائنات خیرہ محنوں ہے اور اس کا ہمسہ کچھ سترج رکو گیا ہے کہ
 جہاں نہ کی میں جو انوب مہرب موقی ہے وہ بالعموم فضا کے چکر میں آکر نہیں
 جاتی ہے اور سترج میں اس کی تہہ لاریوں سے محنوں رہ جاتے ہیں - کوہا یہ
 فضا ہم رہے رضی مکان کے لئے چہت کا کام دیتی ہے - ویسے ، آسمان کو سماء
 کہتے ہیں ساری مہر واد کی بھی رعیت ہے - یعنی عرب اسے چہت سے تعبیر
 کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاں آسمان کے مہر واد کی رعیت سے اس کے لئے
 وہی سماء ہے - - - - - معنی اس کے استخرج کی جہت نہیں جس سترج مکان کی
 جہت ہوتی ہے - اس کا مفہوم اور واضح کر دیا گیا ہے - سماء کے معنی بھی
 یہ ہے کہ " جیب " نہیں جو ہمیں اسے سر پر نظر آتی ہے - اس سے مراد ہندہ
 فضا ہے مہرب نہ کی ہیں - تفصیل اس - م - واکے عنوان میں ملے گی ۔

* تاج - ** تاج و راغب -

س ق م

سَقَمْتُ مٌ - اَسْقَمْتُ مٌ - مرض - بیماری - شُوْرَ سَقَمِيْهِمْ - نصیحت - وعظمتہ۔
وہ اس کے خلاف دل میں کینہ رکھتا ہے۔ قَلْبٌ سَقِيْمٌ - ناخوش اور بیزار
دل کو کہتے ہیں *۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرست اور ستارہ پرست تھی۔ حضرت ابراہیمؑ
ان کے اس سرک کے خلاف انہیں دعوت توحید دیتے تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں
قرآن حکیم نے کہا ہے کہ فَتَنَّاكَ فَتَمَّخَرْنَاكَ فِي لَقْمِ لُحْمٍ - فَتَنَّاكَ لُحْمٍ
سَقِيْمٌ (۲۸)۔ انہوں نے ستاروں کے معبود ہونے پر شور و فکرا کیا۔ اس
کا صحیح صحیح اندازہ کیا اور اس کے بعد کہا کہ میں تم سے ان معبودوں
باطل سے سخت بزار ہوں۔ یہ وہی بات ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں
بیان کیا گیا ہے کہ نَبِّئْهُمْ بِمَا كَانُوا فَعَلُوا - وَفِي لَقْمِ لُحْمٍ سَقِيْمٍ -
میں تم سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو ان سے بزار
ہوں *۔ اسی کو دوسرے مقام پر لَا اَحِبُّ اِلَّا فَيَمِيْنُ اِلَٰهًا سے تعبیر کیا
گیا ہے۔ یعنی میں اس سے معبودوں کو پسند نہیں کرتا جو مردانہ
پذیر ہوں۔

س ق ی

اَسْتَسْقِيْ - پلانا - اَسْقَمْتُ مٌ - اس سے اس کے جس کے معنی میں "ساقی"۔
اَلْاَسْقِيْ وَالْاَسْقَمْتُ - تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سَقِيْمٌ
منہ کے ذریعے پلانے کا اور اَسْقَمْتُ پانی دے دینے یا پانی بنانے کے لئے بولا
جاتا ہے۔ راغب کے نزدیک سَقِيْمٌ تو یہ ہے کہ کسی کو پیئ کی چیز
دے دینا اور پلا دینا، اور سَقَمْتُ یہ ہے کہ تم کسی کو پیئ کی چیز دینا
خبر وہ اسے پی نہ پئے۔ اس لئے اَسْقَمْتُ میں سَقِيْمٌ سے زیادہ جمعیت
ہے۔ اَلْاَسْقَمْتُ - پانی پلانے کی جگہ۔ یا پانی پلانے کا برتن (۱)۔ یا
پانی پلانے کا بندوبست۔ جو سے (۲) اس - اَسْقَمْتُ مٌ پیئ کے لئے۔ ی
مانگ یا برش طلب کرنا۔ اَسْقَمْتُ مٌ - مولا نہار برسے کو پلا دینا۔

سورة بقرہ میں اَسْتَسْقِيْ کہا ہے (۱) جس کے معنی ساقی یا بارش
طلب کرنے کے ہیں۔ سورة شعراء میں ہے وَ اَنْزَلْنٰهُ بِسُقُوطٍ مِّنْ سَمٰوٰتٍ
(۲۶)۔ خدا وہ ہے جو مجھے کنسلا دینا اور پلا دینا ہے۔ سورة نحل میں ہے

نَسْتَعِيْذُكُمْ مِّمَّهِ، فِيْ بَنُوْا نِيْه (۱۰)۔ ”ہم تمہیں اس حمز سے جو ان کے
بہٹ میں ہے (دودھ) بلاتے ہیں“۔ سورۃ شمس میں ناقہ حضرت صالحؑ کے منعین
ہے نَاقَةَ اٰلِهٖ وَ سَمِيْهَا (۹)۔ یعنی اللہ کی اونٹنی کا خیل رکھو اور اس
کے بانی بلانے کا۔ قصہ حضرت یوسفؑ میں سِقَايَةَ (۱۲) کا لفظ ایسے
برتن کے لئے آیا ہے جسے صَوَّاع بھی کہا گیا ہے (۱۲)۔

س کی ب

سَكَّابُ الْمَاءِ وَالْمَشْرِجِ۔ اس نے پانی اور کنسٹن کو بہا دیا۔ سَكَّابُ الْمَاءِ۔ پانی بہا (الازم و متعدی)۔ مَاءٌ سَكَّابٌ وَ مَسَكَّوْبٌ۔ وہ پانی جو زمین کے اوپر بہ رہا ہو۔ جسے زمین کنہود کہتے ہیں۔ پڑے۔ اربابِ لغت نے اس کے معنی اوپر سے گرانے اور بہانے کے بھی کئے ہیں، اس لئے مَاءٌ مَسَكَّوْبٌ۔ اس وہ پانی بھی جاتا ہے جو آسمان کی طرح اوپر سے گرتا ہے۔ فیرن کہتے ہیں مَاءٌ مَسَكَّوْبٌ (۱۲۸)۔ اس آیت ہے جہاں لہا گنا ہے کہ جنسی معاشرہ میں انسان زیست، جگر پاش مشقتوں کے بغیر مسکاتا ہے۔ فی سنی کے لئے کتوں نہیں سہونا بڑے گا۔ لیکن شہر جنتی معاشرہ میں ان چیزوں کے لئے جگر پاش مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے (۱۲۹)۔

رجب ۱۰۰۰ھ - مہرکِ روح اور نورِ شہادۃت انسان کو کہتے ہیں۔ * - قمر ۱۰۰۰ھ

س کی ت

سہلکرت۔ سہلکرتوں۔ خدہ دوش ہونا۔ نہ ہونا۔ سہلکرت اور
صدمت میں فرق یہ ہے کہ سہلکرت ان چیزوں کے خدوش ہونے پر ہوتا
جہاں شے جن میں ہونے کی بدلت ترقی ہے اور صدمت میں موحش و آتش سرور
نہیں ہے۔ یعنی وہ جو چیز کے خدوش ہر ہوتا ہو سکتا ہے خود وہ ہونے کی طاقت
و اندھی ہے نہ رکتی ہو۔ سہلکرت مغلطیبت۔ ختمہ ہوتا ہوگا۔

فرمانِ نوح میں ہے - وَ لَمَّا مَكَكُمُ الْعَمَقُ مَوْسَىٰ نُفِخَ فِي الصُّبْحِ رَجَدُوا -
جب موسیٰ نے صبحِ نوح کو دیکھا - راجب نے کہا: اے مکیؤں! میں ایک
کلمہ سناؤں گا - پھر جانا ہے - اس لحاظ سے ہم ان شخص کے فرود کو جانے کے
لیئے مکیات کا خطہ استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ مادہ ، کسی جگہ بسنے کے معنی میں آیا ہے ۔ جسے (۱۰۰) میں (۱۰۰) میں وَ عُنْ - ضَعُفٌ اور اِسْتِيْكَانَةً - ہم معنی استعمال ہوئے ہیں لیکن جس ترتیب سے یہ الفاظ آئے ہیں (یعنی فَمَّا وَعَدْنُوْا . . . وَ عُنْ ضَعُفُوْا وَمَا اِسْتَكَا نُوْا) اس سے مندرجہ ہوتا ہے کہ اِسْتِيْكَانَةً انتہائی کمزوری کے لئے آتا ہے ۔ (چونکہ اِسْتِيْكَانَت - ک - و - ن سے ہے ۔ اس لئے ہم نے اسے اس عنوان میں بھی لکھا ہے) - مَسْكَنَةً دُوحَا کا مطلب قرار دیا گیا ہے (۱۰۱) - اس لئے کہ یہ اس جمود و تعصب کا نام ہے جس سے قوم ، زندگی اور حرکت سے محروم ہو جاتی ہے ۔ مورد تفسیر میں فَمَسْكَنَةً اور مَسْكَنَةً نِسْنِ کے الفاظ بھی آئے ہیں (۱۰۲) - ممکن وہ ہے جس کا چہرہ ہوا کاروبار رک جائے ۔ یہ نسی حادسہ کی وجہ سے وہ زندگی کی تسکین میں حصہ لینے کے قابل نہ رہے ۔ فرقی تمام میں کُوفُ مسکین اسی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہ سکتا ۔ وہ ان چیزوں کو بطور خبرت نہیں ہکا ۔ اپنے حق کے سوا ہر خاص کو دے دے ۔ سورہ البقرہ میں یَسْتَكِيْمُوْنَ ذَا مَعْرَبَةٍ - اَوْ مَيَسْكِيْمُوْنَ ذَا مَعْرَبَةٍ آیت کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو لوگوں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پائے ۔ اور حذر نہ کر اور غور نہ کرنے پر ، معسرہ کے شایہوں میں سے منی جائے ۔ غلط معسرہ میں شرکت نہ کرے کہ جو ذرا نیچے آئے ، معسرہ کا ریل سے روزانہ ہوا کے ٹھکانے ۔ مرنے پر معسرہ کرنے کو اٹھانے کے لئے قائم ہوتا ہے ۔

س ل پ

سَتَمَبُ - کسی سے کوئی چیز زبردستی چھین لینا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کسی کو خدا کا کلام کی چیز تیزی سے چھین کر لینے کو کہتے ہیں۔ ان دنوں کے زمانے میں اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی سے ہٹانے یا اچک لینے کے شوق سے ہیں۔ "سَتَمَبُ" اس لفظ سے مراد ہے جس کا بچہ اس سے چھین لے گا تو "سَتَمَبُ"۔ درخت جس کے پتے اور شاخیں سب جھڑ گئے ہوں۔ "سَتَمَبُ"۔ وہ شہر جس کا بچہ مر گیا ہو۔ "سَتَمَبُ"۔ مرنے والا ہو۔ "سَتَمَبُ"۔ مرنے والا ہو۔

سورة حج مكيه و ١١٠ آيات ١٠٠ - ١١٠ - ١٠٠

سے مکھی کوئی چیز جھپٹ کر لے جائے۔

* محیط - ** تاج و راغب -

چلا لیا۔ (سَلَّ کے معنی کسی چیز کو ڈھونڈنے کے ہوتے ہیں۔ دیکھئے
عنوان (س۔ ل۔ ل)۔

قرآن کریم میں سَلَّ سَلَّ (۱۲)۔ زنجیر کے لئے آپ کے جس کی جمع
مسلّ میں ہے (۱۳)۔ زنجیر کا ایک حلقہ دوسرے حلقہ کے ساتھ متصل چلا
جاتا ہے اور اسی تسلسل سے وہ زنجیر بن جاتی ہے۔

س ل ط

السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔ السَّيْرُ۔
دینا۔ شہد اور افسار دیکھنا۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
تسلط عرف کر دیا۔ (۱۴)۔ بن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی شہد
اور قوت کے ہوتے ہیں۔

سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
ذہب، جوت، منہ۔ محمد بن یزید نے کہا ہے کہ یہ سَلَّ سَلَّ سے ماخوذ ہے
جس کے معنی ذہن کے ہیں۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
وہی حجت و برہان سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
روشن کر دیا۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
(۱۵)۔ "ما تمہر بہ من لیل"۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
یہ اس کے معنی شہد و افسار۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
نے رسوا کر دیا۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
کے میخ بننے کے لئے۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
نہ آجائے۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
ہے۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
نہیں شور۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
ہی۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
و۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
افترا کرنے میں۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
یعنی سلطانی (میرا سلطان)۔ (وقت کی ہاء)۔

سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔
سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔ سَلَّ سَلَّ۔

[illegible]

ب ل ف

[illegible]

نہ کرنے جس سے دوسرے گھوڑے ہسک جائیں یا مشتعل ہو جائیں۔ اس سے اسلامی معاشرہ کا صحیح صحیح تصور سامنے آجاتا ہے۔

(۵) اَلْبَيْتُ لِمَا وَاسْتَبْلَامُ کے معنی ہیں اطاعت۔ انقیاد۔ سرورگی۔ چونکہ جہاں۔ لہذا اس مادہ کے۔ نحوین بنیادی معنی ہوئے قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرنا۔ نواب صلیق حسن خان نے لکھا ہے کہ س۔ ل۔ م میں بنیادی طور پر نرمی اور نیکسار کا بہرہ و مصمم ہونا ہے۔

(۶) اَلْمُسْتَسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ یُقِرُّ کے معنی ہیں وہ راستہ کے درمیان میں چلا کر اس سے ادھر ادھر نہ ہوا۔ قَدَّوْا سَلَامًا کے معنی ہیں وہ میدانہ روی خیر کرتے ہیں اور کوئی بغویات نہیں کرتے۔ لہذا اس مادہ کے چلتے معنی ہوئے اس ل اور توازن کی راہ خیر کرنا اور بغویات اور بے پرواگیوں سے بچنا۔

(۷) اَلْمُسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ کے معنی ہیں کثیفی کی باتیں نہ کہیں۔ لہذا س مادہ کے ساتوں معنی ہیں کونہشوں کا نتیجہ خیر ہونا۔

(۸) اور اَلْمُسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ اس صورت کو کہنے میں جسکے اغناء نہایت نرم و نازک اور خوشنما ہوں۔ لہذا اس مادہ کے نحوین معنی ہوئے حسن و خوب نہائی۔

ان معنی سے ظاہر ہے کہ اَلْمُسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ اس نفیہ حسانت کا نام ہے جس سے انسان کی تمام کمبیاں پوری ہو جائیں اور سکی صلاحیتیں پوری بنسود نہ۔ میں (۲) جس میں وہ زندگی کی تمام تباہیوں اور برائیوں سے محفوظ رہے۔ اور (۳) انبی ارتقاء منازل ملے کرتا ہوا۔ انسانوں کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ (۴) وہ خود اپنی ذات میں بھی امن و سلامتی اور صبح و آفتابی سے رہے اور دنیائے میں امن و سلامتی قائم کرنے کا موجب ہو۔ وہ سفر زندگی میں دوسرے اثرات معاشرہ کے ساتھ پوری ہم آہنگی سے چلے اور کئی حرکات ایسی نہ کرے جس سے کسی دوسرا مشتعل ہو اور اس طرح معاشرہ کا نظام خراب کر دے۔ یہ سب صورتیں میں ممکن ہے کہ (۵) انسان قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرے اور انکے سامنے ہر سر بھی نہیں ہٹکے گا۔ بلکہ بھی جہاد کرے۔ اور یہ کیجیے کہ (۶) نواب صلیق حسن خان نے لکھا ہے کہ س۔ ل۔ م میں بنیادی طور پر نرمی اور نیکسار کا بہرہ و مصمم ہونا ہے۔ (۷) اَلْمُسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ کے معنی ہیں کثیفی کی باتیں نہ کہیں۔ لہذا س مادہ کے ساتوں معنی ہیں کونہشوں کا نتیجہ خیر ہونا۔ (۸) اور اَلْمُسْتَمِ ثُکُمُ الشَّرِّ اس صورت کو کہنے میں جسکے اغناء نہایت نرم و نازک اور خوشنما ہوں۔ لہذا اس مادہ کے نحوین معنی ہوئے حسن و خوب نہائی۔

یہ ہے وہ روش زندگی جس کے متعلق کہہ دیا کہ جو شخص اس روش کے خلاف کیوٹی اور روش اختیار کرے گا، تو وہ اس قسم کے نتائج قلعاً سے نہیں کر سکے گی اور وہ آخر مضر نقصان اٹھائے گا (۱۳۸)۔ پس روش قرآن کریم کے اتباع کا دوسرا نام ہے۔ وَالْمُؤْمِنُونَ عَلَى مَنِّ الشَّيْخِ الْبَيْتِ (۱۳۹)

قرآن کریم میں "مؤمنین" اور ان کے مشفقان اس کثرت سے آئے ہیں کہ اس مقام پر ان تمام کا درجہ کوئی ممکن ہے۔ لہذا ان میں سے جیسے جیسے وہ لوگ برا کثرت سے جاتا ہے۔ مَسْمُومَةً لَا تَنِيْبَةُ فِيْهَا (۱۴۰)۔ وہ اس قسم کے نتائج سے منزہ و محفوظ رہے گا۔ (۱۴۱)۔ اِسْمُ اللَّهِ كُنْ مَعَهُ مَعْنَى هُنَّ جَبَّارَاتٌ (۱۴۲)۔ دو سو دو۔ حوالہ کر دو۔

سورۃ النحل میں ہے کہہ نہ اس میں جھگڑنے کی گئی تھی وَاَكْثَرُ النَّاسِ سَافِهٌ (۱۴۳)۔ اللہ نے تمہیں ان اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رکھا۔ سورۃ النحل میں سُنُّمٌ (۱۴۴)۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ اپنے شرعی کاموں سے امتناعال ہوا ہے۔

سورۃ النحل میں ہے وَكَانَ حَتَّىٰ جَاءُوا الْيَسْمِیْنَ (۱۴۵)۔ اس کے معنی صبح کے ہیں۔ اضاعت و فراموشی کی گئی یہ مدد (۱۴۶) میں آئے۔

سورۃ روم میں ایمان اور اسلام کو ایک ہی چیز کہا ہے اِنَّ الْاِيْمَانَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ هُوَ الْاِسْلَامُ (۱۴۷)۔ یعنی ایمان کے معنی ہیں کسی نصب العین کو صحیح مانتے ہوئے اور سچائی کے مطالب سے اس پر پورے طور پر کرنا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ جو محض مصلحت ہو کر اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں جا گزیں نہ پڑا ہو، ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ مُسْتَبِیْہُونَ (۱۴۸)۔ یعنی مُؤْمِنٌ (۱۴۹) نہیں ہیں۔ سورۃ النحل میں مَسْمُومَةً لَا تَنِيْبُ فِيْهَا (۱۵۰)۔ اس کے معنی ہیں کہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں آئے۔ یعنی سرکاری اور حوالہ سکتی ہوتی نہ کرنا۔ قرآن ہزیر ہو جائے۔ سورۃ صافات میں ہُوَ الَّذِي لَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (۱۵۱)۔ میں آیا ہے۔ (۱۵۲)۔

ان خصوصیات کے حامل انسان کو صحت و صحت سے ہم کہا گیا ہے (۱۵۳)۔ اور ان صحت کی حالت میں قوم کو مَدَّةٌ مُّسْتَبِیْہَةٌ (۱۵۴)۔ (۱۵۵)۔ یعنی ایسی قوم جو احکامات الہی کے اتباع سے ترقی رہے۔ اس قوم کے ہر فرد کو فریضہ حیات یہ ہوگا کہ جس قدر سے اس کے معادہ بڑھے وہ ایسے کام سے سَکَرَامٌ عَذَابٌ لَّہُمْ (۱۵۶)۔ میں تم سے ایسے سکارام کی رزق کرتا ہوں۔ یعنی

نہمذا مسلم وہی ہے جسے قرآن خداوندی کی صاف کثرت۔

[illegible]

س ل و

سَمَوٰی - سر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی ذمے - حذائجہ شہد کو
 بنی آنسَمَوٰی کہتے ہیں - اور گوشت کو بنی - سَمَوٰی ذمہ میں لے لیں۔
 سَمَوٰت اور آرام کی زندگی کو کہتے ہیں جس میں غم و فکر نہ ہو - سَمَوٰت
 عَنۡہُ نَسَمٰی - اس نے اس کے غم کو بدل دیا - سَمَوٰت - غم و فکر کو
 بھول جانے والا - سَمَوٰت - وہ اس کی یاد کو بھول گیا - اس نے اس کے
 غم کو غلط کر لیا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنسبتی معنی سَمَوٰت
 کی زندگی اور فراخی عیش کے ہوتے ہیں -

سَمَوٰی - (۱۰۰) - سفید رنگ کا ایک درجہ (پیر کے منسوب) جو سَمَوٰی
 کی وادیوں میں بنی اسرائیل کو کہنے کو مسمیٰ ہے - رجب نے کہا ہے کہ
 اس سے مراد سر وہ خیر ہے جو وجہ کسی ہو - انہی دیکھئے عنوان - م - ن - ن -

سلیہان علیہ السلام

انہی نے بنی اسرائیل میں حضرت سلیمانؑ جس نے نبوت و حُکومت کے
 مالک تھے۔ آپ حضرت داؤدؑ کے بیٹے (۱۰۱) اور رب (۱۰۲) تھے (۱۰۳)۔
 آپ کو علم اور قوتِ فیصلہ کی فروانی عطا ہوئی تھی اور اس لئے انہیں
 سلطوب دُؤدی کی وراثت محض ان کا ہونا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ انہیں
 اگرچہ بنی اسرائیل میں بادشاہت و ریت میں ملحق تھے - شہروں کی سرب
 پادیں اور وحشی قبائل (جن و انس) آپ کے لشکروں میں جمع رہتے تھے اور
 کیوڑوں کے رسالے ان سے مستزاد تھے (۱۰۴) - حضرت سلیمانؑ کی بہترین سوز
 بنی بزمِ مشہور ہے - قرآن کریم نے بتایا ہے کہ سر میں ان کے تاجِ سلیمان
 تھیں - (۱۰۵) - معنی وہ ن سے بادبانی کشمیروں کو جلاتے تھے - سر میں قبائل
 کے سرکش افراد مختلف کاموں پر مامور تھے (۱۰۶) - وہ آپ کے لئے بڑی
 عداوتیں تعمیر کرتے - مجسمے تراشتے اور تصویروں بناتے تھے (۱۰۷) -
 اس زمانے میں یمن کے مشرقی علاقہ پر قومِ یمن کی حکومت تھی جو سب سے
 تھی - ایک مملکت پر حکمران تھی - آپ نے اس کے بادشاہ کو اس کی اور
 وہ - آخر میں وہ فرہ بردار ہو گئی (۱۰۸) - یہی لشکر و دولت میں
 سے گزرا تھا (۱۰۹) - ہمدھم اسی لشکر میں ایک فسر (۱۱۰) -
 اب اس شوکت و عظمت کے ممالک تھے لیکن اب کہ جب یمن نے زور
 بہت دیا (۱۱۱) - تورات (سلاطین) میں اس کی تفصیل دی ہے -

*تاج - **محیط - ***راغب -

یہودیوں نے سحر و کھانت کے بہت سے لغو افسانے تراش کر آپ کی طرف منسوب کر رکھے تھے۔ خود تورات میں بھی اس قسم کی خرافات ملتی ہیں۔ قرآن کریم نے ان سب کی تردید کی ہے (۱۰۲)۔

س م د

سَمَدٌ - سَمُودٌ ا - تکبر سے سر کو اٹھائے رکھنا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رکے بغیر آگے بڑھتے جئے جانے کے ہیں۔ چنانچہ سَمَدَاتِ الْاَرْبِلِ رَفِیْ سَمِیْرَہَا کے معنی ہیں اونٹ تیز رفتاری سے ناک کی میدہ آگے بڑھتے گئے۔ اس سے اس کے معنی تکبر اور سرکشی کئے جاتے ہیں۔ نیز من مانی کرنے کے بھی۔ سَمَدٌ - یَسْمَدٌ کے معنی ہیں، بند ہونا۔ سَمِیْدٌ - حیرانی میں کھڑا رہ جانے والے کو بھی کہتے ہیں (شاید اس لئے کہ وہ بھی سر نہ بڑھائے کھڑا رہتا ہے)۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اس کے معنی نہو و لعب میں مشغول آدمی کے ہیں جو اپنے فرائض سے غافل ہو جائے*۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ کہنی نکر و حزن سے چہرے کے بگڑ جانے کو بھی اَسْمُودٌ کہتے ہیں**۔ قرآن کریم میں مخالفین کے متعلق ہے وَتَضْحَكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُونَ - فَسَجُدْوا لِلّٰہِ وَاَعْبُدُوْا (۱۰۳)۔ تم ہنستے ہو۔ روتے نہیں ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ تم اس سے بالکل بے خبر ہو کہ تمہارے اعمال کے نتائج کیا سامنے آئے وئے ہیں۔ اس اعتبار سے سَمِیْدُونَ کے معنی غافل اور بے خبر کے آئیں گے۔ لیکن اس کے بعد ہے فَسَجُدْوا لِلّٰہِ وَاَعْبُدُوْا - اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سَمِیْدُونَ کے معنی یہ ہونگے کہ تم بہت متکبر اور سرکش ہو۔ من مانی کروائیمان نہتے ہو۔ تم اس ریش کو چھوڑو اور احکام خداوندی کے سامنے جھکنا اور اس کی محکومیت اختیار کرو۔

س م د

سَمِیْرٌ ا - گندمی رنگ - سَمِیْرٌ اَعْمٌ - گہریوں - السَمِیْرُ - رات - رات کی بات - رات میں فصیح کہانیاں کہنا - السَمِیْرُ - شب میں قصہ گوئی کی مجلس - نیز قصہ گو - اب یہ جمع کے لئے بھی آج بھی ہے (۱۰۴) - السَمِیْرُ - قصہ گو - نامہ زن - اَلْمَسَامِیْرُ - رات کی قصہ گوئی کی مجلس میں تمہارا سربک - سَمِیْرٌ اَعْمٌ - شب - رات کو باتیں کرنا - سَمِیْرٌ کے معنی زمانے کے بھی ہیں***۔

آسٹامیرۃ*۔ آلسیمیرۃ*۔ یہودیوں کی ایک قوم جو اسرائیلی قبائل میں سے ہے۔ یہ لوگ بعض مسائل میں یہودیوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کسی بھی نبی نہیں آئیگا۔ نیز یہ جہنم جہات کے بھی قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نابلس کا شہر شی (جس میں یہ رہتے ہیں) بہت المقدس ہے۔ ان کے دو فرقے ہیں۔ سکوتان اور دوتان۔ انہی لوگوں کی طرف وہ سامری منسوب ہے جس نے بنی اسرائیل کو گوسالہ سرستی کی تعبیر دی تھی*۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ آسٹامیرۃ* فلسطین میں ایک قوم بھی ہے اور ایک قبیلہ بھی جو نساہس میں رہتا ہے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دوسرے لوگوں سے چھو جائے تو وہ ناپاک ہو جاتے ہیں**۔ (۹۰۱) میں اس سامری کے متعلق جس نے بنی اسرائیل کو بہکایا تھا، ایسا ہی کچھ آیا ہے۔

لیکن عصر حاضر کی اشری تحقیقات کی روشنی میں قوموں کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ بہ شخص سمیری قوم کا فرد تھا (بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا)۔ حضرت مسیحؑ سے قریب ساڑھے تین ہزار سال قبل عراف میں دو قبیلوں کی آبادی تھیں۔ ایک قوم جو جنوب کے کئی قوی عرب بھی در دوری جو غالباً سال سے کئی تھی سمیری کہلاتی تھی۔ اس کا وطن درجہ عرب تھا لیکن یہ دور دور تک پھیل گئی تھی۔ مصر کے ساتھ ان کے تعلقات تاریخ کی روشنی میں واضح ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جسے ارن آرمہ نے سامیری کہا ہے بکرا ہے۔ یہ مصر میں حضرت موسیٰؑ کا معتمد اور ایک اور بنی اسرائیل کے ساتھ بھی وہاں ہے نکل آیا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی قوموں کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اندری تھی (۹۰۲)۔

لیکن اگر آسٹامیریؑ کی اصل سمیرۃؑ ہے تو اس کے معنی دامت کو، یعنی قصے کہانیاں کہنے والے کے ہیں۔ "کہانیاں کہنے والے" جس طرح قوموں کو گمراہ اور برباد کرتے ہیں اس کی تاریخ کی ضرورت نہیں۔ خدوں ہماری تاریخ اس کی زندہ شہادت ہے۔ جب ہم ان کو کہنے کے حقائق کو چھوڑ کر قصوں اور کہانیوں میں الجھ گئے تو ہماری قومیں اڑتے گئے۔ رفتہ رفتہ اب ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہماری قومیں کہہ رہی ہیں کہ قصوں اور کہانیوں کا رہ گنا ہے اور واقعی حقائق ہماری قوموں سے فرار پا چکے ہیں۔

*تاج و راغب۔ **محیط۔

س م ع

سَمِعَ - کان کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان آوازوں کو محسوس کرتا ہے۔ سننے کو بھی، اور کبھی کبھی خود کان کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ نیز جو چیز سنی جائے اسے بھی سَمِعَ کہہ دیتے ہیں۔ سَمِعَ کے معنی سننے والا اور سنانے والا دونوں آتے ہیں (اگرچہ بعض اوقات نعت نے دوسرے معنوں کی تردید کی ہے)۔ سَمِعَ کے معنی ہیں کسی نے صرف متوجہ ہو کر کان نہ دیا اور غور نہ کیا۔ لیکن قرآن حکیم میں یَسْمَعُونَ (۱۲۱) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بظاہر ایسے نہ لگتے تھے کہ وہ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں لیکن درحقیقت سن نہ رہے تھے۔ انہیں وہ بہرا کہہ دیا ہے۔ یعنی عقل سے کام نہ لینے والے۔ (۱۲۱)۔

سَمِعَ سَمِعَ - (۱۲۲) اس کے یہ معنی ہیں کہ تو ہماری بات سن، اگرچہ تیری بات منی نہیں جائیگی۔ راجب نے کہا ہے کہ یہ قول طرا بٹرا ہو جانے کی بددعا کے لئے، اور بصورت دیگر دعا کے لئے بولا جاتا ہے۔ نبی نہیں سَمِعَ کہ اختلاف خود فہم و تدبیر پر ہی موقوف ہے۔ یعنی سَمِعَ کے معنی اُنہیں (کسی کو سمجھنا دینا) بھی آتے ہیں۔ نیز اس لفظ کے خلاف اجماع پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ یعنی سَمِعُونَ کے معنی طریعوں پر چلتے ہیں *۔ (۱۲۳)۔ سَمِعَ کے معنی ہیں اس کی بات نہ قبول کیا *۔

قرآن کریم نے حصول علم کے لئے سمع، بصر اور قلوب کا ذکر کیا ہے۔ سمع و بصر و قلوب ان حیواس (۱۲۴) کی ترجمان ہیں جنکے ذریعہ محسوسات کے متعلق معلومات ذہن انسانی تک پہنچتی ہیں۔ یعنی یہ سمع و بصر و قلوب (Perception) کے ذریعہ ہیں۔ ان ذرائع سے جو معلومات (Data) تک پہنچتی ہیں وہ اس سے تصورات (Concepts) بنتی ہیں۔ منطرح سمع، بصر و قلوب سے (Concepts) حاصل ہوتی ہیں۔ قرآن کریم سمع و بصر و قلوب اور علم تصورات پر زور دیتا ہے اور جو لوگ سمع و بصر و قلوب سے کام نہیں لیتے انہیں جہنمی قرار دیتا ہے (۱۲۵)۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی نہیں ہے کہ جب انسان پر حجاب غیب آجائیں تو وہ ذرائع علم اسے صحیح نتیجہ تک نہیں لے سکتے (۱۲۶)۔ آپ نے دیکھا ہو گا مثلاً (۱۲۷) میں انسان منطرح اندر اور بہرا ہو جاتا ہے۔ یہی حال دوسرے جنابت کا ہے۔

* تاج۔ ** نیز دیکھئے عنوانات ق۔ ل۔ ب اور ب۔ ص۔ ر

للاج میں انسان وہ کچھ کدر بیٹھتا ہے جس پر ہر ہوشمند ہنستا ہے۔ اور تعصب میں انسان دوسرے کے نقطہ نگاہ کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ جس طرح نشے کی حالت میں حواس صحیح کام نہیں دے سکتے اسی طرح جذبات سے مغلوب ہونے کی حالت میں عقل بیکار ہو جاتی ہے۔ اسے قرآن کریم ختمہ کلمۃ عَمٰی فِتْنُوْاْ بِیْہِمْ وَاَعْمٰی سَمْعِیْہِمْ وَعَمٰی اَبْصَارِہِمْ غِیْثًا وَّوَاۡءَ (۱) سے تعبیر کرتا ہے۔ آنکھوں پر پردے بڑھانا۔ کانوں میں ڈٹ لک جانا۔ اور دلوں پر مہریں لگ جانا*۔ عَمٰی اُسی وقت صحیح نتائج تک پہنچ سکتا ہے جب اس سے وحی کی روشنی میں کام لیا جائے۔ کہونکہ وحی کے ذریعہ وہ اصول زندگی سے ہیں جن میں نہی جذبات کی آمیزش نہیں ہوتی۔ انسان اپنے عقل و فہم سے جو اصول حیات پس وضع کریگا وہ اس کے جذبات کی آمیزش سے خالی نہیں رہ سکتے۔

سَمَاعٌ*۔ جاسوس کو بھی کہتے ہیں** (۱/۲۷)۔

سورۃ کہف میں ہے اَبْصِرْ بِہِ وَاَسْمِعْ اُنۡسَاۡکَ خَیۡرًا اور کیا خوب اسکا سننا ہے۔

مُسْمِعٌ - سنانے والا (۳۲/۲)۔ مَسْمُوعٌ - سنے والا (۱۲/۲)۔

اِسْتَمَعَ - (چونکنا سننا) (۱/۲)۔ کَانَ لَکَ اَنْوَارٌ مِّنۡ سِنۡا (۳۱/۲)۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اِسْتَمَعَ اور اِسْتَمَعَ*۔ ذکر جمع میں اور شہرت کو بھی کہتے ہیں۔

س م ک

اِسْتَمَعْتُ*۔ گور کی بندی یا چھت۔ تَبَسُّمًا کَہ*۔ اس نے ہنسنے سے گھر دیا۔ اِسْتِیْمَاکٌ*۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو بہتر بنایا جائے۔ اِسْتِیْمَاکٌ*۔ لکڑی جو خیمہ میں لگائی جاتی ہے۔ اِسْتِیْمَاکٌ*۔ اونچا رہے۔ اِسْتِیْمَاکٌ*۔ مچھلی کو کہتے ہیں**۔ (کہونکہ وہ دریاؤں سے مچھلی اور اونچی ہوتی ہے)۔

قرآن کریم میں ہے رَفِیْعَ سَمٰوٰتِہِمْ اُفۡقَہُہُمۡ اِسۡمٰوٰتِہِمْ اِسۡمٰوٰتِہِمْ اِسۡمٰوٰتِہِمْ یا جنت کو اونچا کر دیا۔ فضائے سماوی کو بہت بڑی سمجھئے گئے۔ [(Space) کی بلندی یا وسعت لامحدود ہے۔]

* دیکھئے عنوان خ - ب - م - ** ناج *** راجع -

س م م

السَّمُومُ - نیک سوراخ - جسے سوئی کہتے ہیں - (۱۵) - یہ کرب اور ناک کا
 سوراخ - نیز زہر کو بھی کہتے ہیں - مَسَامُ - جسم کے ہر ایک سوراخ -
 سَمُومٌ - ہر شے کی ہلکی اور تیز چیز - السَّمُومُ - نیز گرم ہوا (سور) جو اکثر
 گرمی کے دنوں میں چلتی ہے - قرآن حکیم میں ہے فی السَّمُومِ وَحَمِيمٍ
 (۵۶) - سورة حجر میں نَارِ السَّمُومِ (۱۵) آیا ہے -

ابن فارس نے اس کے معنی بتائے ہیں، کسی چیز میں داخل ہونے
 کی جگہ - وہ لکھتا ہے کہ زہر کہ سَمُومٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بدن میں
 پس جا رہا ہے، اور سَمُومٌ گرم ہوا کہ کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ تیزی کی وجہ
 سے بدن میں پس جاتی ہے - راجع نے کہا ہے کہ سَمُومٌ کے معنی ہیں اس
 میں گھس گھس، نیز سَمُومٌ اس گرم ہوا کہ کہتے ہیں جس سے زہر کسا
 اثر کرتی ہے - **

س م ن

سَمِينٌ - سَمَنَةٌ - وہ فریب بخرا - موتا تازہ ہوا - سَمِينٌ - سَمِينٌ -
 (جمع سَمَانٌ) غریبہ - قرآن حکیم میں ہے بَشَرًا سَمَانًا (۱۲) - مونی
 ر - پناہ دینا سَمِينٌ (۱۲) - مونی: بَشَرًا سَمَانًا - آدمی مونا
 تازہ ہوا - سَمِينٌ - واسمائه - اسے مونا - سورۃ شمس میں جہنم
 کے لئے متعین ہے لَیْسَمِیْنٌ (۱۲) - وہ مونا نہیں کرتا - بدن کو بڑھاتا
 نہیں - ذات و رسوائی کی رو سے فریبی کہ جسے حاصل ہو سکتی ہے؟ سَمِينٌ -
 نسبی - کہ کہتے ہیں جس کے نیپائے سے بدن مونا ہو جاتا ہے -

س م و

سَمَمٌ - جمع سَمَمَاتٌ - کسمان - کہتے ہیں کہونکہ وہ زمین پر
 رہتا ہے اور وہ فلان ہوتا ہے - نیز ہر اس چیز کو کہ تمہارے اور چھائی ہوئی
 اور وہ بہ بدن خود، سَمَمٌ کہہ سکتے ہیں - چنانچہ کسور کی ہر چیز بھی
 سَمَمٌ کہہ سکتی ہے - یہ سَمَمٌ بھی سَمَمٌ کی بھی تعریف کی گئی ہے -
 راجع نے کہا ہے کہ ہر چیز سے سَمَمٌ - ہر کی نسبت سے سَمَمٌ کہہ سکتے ہیں
 کہ وہ سَمَمٌ سے اور کی چیز سے سَمَمٌ - نیز بدل اور ہر شے کو بھی
 سَمَمٌ کہہ سکتے ہیں - ہونے اور سبب نہ ہو بھی سَمَمٌ کہہ سکتے ہیں کہونکہ
 وہ زمین سے اونچا ہوتا ہے - ***

اسْمُ کے معنی ہیں کسی چیز کی غلامت جس سے اسے پہنچانا چاہئے۔
 پوز نام کو بڑی اسْم کہتے ہیں، اس کی جمع اسْمَانٌ ہے۔ اس کا مادہ بنی
 س۔ م۔ و ہے۔ اس جہت سے آسمان سے مسمیٰ پہنچا جاتا ہے اور اسی سے اسے
 بلندی و عزت حاصل ہوتی ہے۔ سمی کے معنی غمزدہ اور خسر و ہم ہونے کے آتے
 ہیں۔ مَسْمَاہ کے معنی ہنسی و مذاخرت کے آتے ہیں۔ مَسْمَاہ تَسْمِیۃ
 نام رکھنے۔ اَنَّمَسْمٰی کے معنی نام رکھنا ہوا، بتایا ہوا، نامزد کیا ہوا۔
 نیز معین، مقرر اور معلوم*۔

صاحب مفردات نے سَمِیۃً کہہ کر اَلْاَسْمَاءَ رُحَب ثَرَاتِ ثَوْبِ الْکَذِبِ ہے
 کہ مَعْرِفَتِہٖ اَلْاَسْمَاءُ لَا تَحْصٰی رَاٰ بِمَعْرِفَتِہٖ اَلْمُسَدِّی۔ جب
 تک سبیل کا علم نہ ہو اس سے اسماء کی معارف حاصل نہیں ہوتی۔
 اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی و عجم سما کی ایسی صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ ہر
 چیز کو اس کی شکل اور اس کے خواص سے معلوم کر کے اس پر ہم جاننے کے لئے
 نام رکھتا ہے۔

قرآن کریم میں اَرْضٌ و سَمَاءٌ سے منہر و مذہب میں آتا ہے۔ اس
 میں شبہ نہیں کہ ہمہ ری اس زمین کو کہتے ہیں، جس پر ہم رہتے ہیں، اَرْضٌ
 کہتے ہیں۔ ارض جو لفظ عربی کو عربی کی نسبت سے اسماء اور عرب
 ہستی کو اس کی ہستی کی نسبت سے اَرْضٌ کہتے ہیں، اس لئے اَرْضٌ
 و سَمَاءٌ کے معنی کائنات کی ہستی اور مزیں ہوا ہے۔ اور جب اَرْضٌ و
 سَمَاءٌ کے مقابل میں آیا جائیگا تو سَمَاءٌ سے مفہوم کائنات کی زندگی اور اس کا
 نظام بھی ہوگا، اور اَرْضٌ سے مراد انسان کی معاشی و معاشی اور اس کی
 زندگی۔ نیز سَمَاءٌ یا سَمَوٰتٌ سے مراد مختلف اجرام فلکی ہیں جنہیں ہونگے
 بدکہ فضا کی بسایوں میں پھرتی شرفی تمام تدوینوں میں پھر اور ایٹم وغیرہ
 بھی ہونگے۔ یعنی فضا مع اپنے مشمولات کے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اَرْضٌ و سَمَاءٌ کے ساتھ لے لئے ہیں سب
 و سبقت پر شور کرنے سے پہلے سمجھ میں آجائیکہ یہ اس جگہ سَمَاءٌ میں
 ہستی نہ پہنچے اور اَرْضٌ میں ہستی نہ۔ خود وہ مدرس سماء میں ہو۔
 خواہ منصب اور مرتبہ کے لحاظ سے اور خود کائنات میں کے لئے اس انسان
 کی معاشی زندگی جو جسے اس نے اپنی وفاق پرستیوں کے واسطے میں لے لیا
 ہے۔ (مزید بحث ارض کے عنوان کے تحت آچکی ہے)۔

قرآن کریم میں ہے کہہ "وَلَا سُبْحَانَكَ دُثَّيْهَا" (۱۲۱)۔
 آدم کو تمام اسماء کے اسماء سکھایا گئے۔ آدم سے مراد خلیل آدمی
 ہے۔ یعنی انسان (دیکھئے غنون ۱-۲) جبکہ وہ دیکھا کہ اسماء
 کا جائزہ فرماتے ہیں۔ آدم کو جب تک آپ کو سستی اجس بزرگ آدم ہے
 اس کا علم نہ ہو۔ لہذا آدم کو جو اسماء سکھایا گیا کہ اس کے معنی یہ
 ہیں کہ انسان میں اس کے کائنات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی استعداد
 رکھ دی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں آدم کو
 وئی قوتیں) اس کے سامنے رہے۔ بسجود میں۔ جب انسان اس قانون سے واقف ہو
 جاتا ہے جو کائنات میں کارفرما ہے تو جو جو قوتیں اس قانون کے مطابق کام کر
 رہی ہیں وہ سب اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہیں۔ لہذا جس قدر آدمی قوم
 کے متعلق معلومات بہم پہنچا کر نہیں بنے تابع فرمان کر لے گی
 اسی قدر وہ مسجود ملائکہ بننے لگی۔ اس سے "الامر حسیہ" ہے کہ ان
 قوتوں کا استعمال کس طرح کیا جائے۔ سو اس کے بعد ہی فرمایا کہ "فَمَنْ
 تَبِعَ أَمْرِي فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ" وَلَا يَكُوفُونَ" (۱۲۱)۔ جو
 قوم وہی خداوندی کا تابع ہوگی۔ توئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ اور جو
 قوم انہیں اپنی مرضی کے مطابق (اپنی مرضیوں کے لئے) صرف کرتی
 وہ خود بھی خداوندوں میں بزرگی اور دوسروں کے لئے ہی بدنام و محنت بن
 جائے گی۔ "وَلَا يَكُوفُونَ"۔ "فَمَنْ تَبِعَ أَمْرِي"۔ اگر
 کسی نے میرے لئے ہوئے ہوئے "آدم" اسے جس سے کہا جائے تو اسے
 صرف میری خداوندی کے مطابق صرف کرے تو وہ "مومن" نہ
 جائے گا۔ اور جو قوم نہ مسخر و فخر کرے اور نہ ہی تابع رہے تو وہ
 مومن نہ ہوئے۔ جو جسے مسخر و فخر کے لئے نہیں بلکہ
 اس کے لئے ہے۔ وہ سے دور جاننے کے لئے کہہ جائے گا۔ "وَجِب"۔

"آدم" کے معنی اسماء کے معنی میں یہ کہ مغربی داکٹر نے اپنے تفسیر
 کے لئے بڑی دلچسپی سے لکھی ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں۔

آدم پر تمام اسماء سکھائے گئے۔ آدم کی ذمہ داری
 ہے۔ آدم کی ذمہ داری ہے۔ آدم کی ذمہ داری ہے۔
 آدم کی ذمہ داری ہے۔ آدم کی ذمہ داری ہے۔
 آدم کی ذمہ داری ہے۔ آدم کی ذمہ داری ہے۔
 آدم کی ذمہ داری ہے۔ آدم کی ذمہ داری ہے۔

اس سے بڑی مراد، کائنات کے علوم طبعی کی تحصیل ہے جو ”ادبیت“ کی علامت ہے۔ ”شیخ نام“ رکھنے کے ضمن میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ جنہیں تم (خدا کے علاوہ) اپنا معبود سمجھتے ہو وہ بجز انہیں نیست کہ اسْمَاءُ سَمَّيْتُمْ لَهُمُ الْاَنْثَمَ وَابْنًا لَّكُمْ“ (۱۲)۔ ”یونہی“ نام میں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں۔ ”مَا اُنْزِلَ سِتًّا مِنْ سُبْحَانَ“ (۱۲)۔ ”تہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی“۔ یہ جو ہمارے ہاں بھی بڑے بڑے آئمہ نے اور دورِ عینِ سجدہ کا نام بن رہی ہیں، ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے نام رکھ دئے گئے ہیں اور ان ناموں کو سہرت دے دی گئی ہے۔ اگر ان کے ایسے نام نہ رکھے جائیں تو وہ مٹی اور پتھر کی عمارتوں سے زیادہ زحیم حیثیت نہ رکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے کا صحیح نام وہی ہے جو اسے خدا کا قانون عطا کرے۔ کائناتی ذلہ میں اس کا قانون کائنات، اور انسانی ذلہ میں ضابطہ وحی اور ان عظیم)۔ باقی سب بتانِ آزری ہیں۔

س ن ب ل

[illegible]

سن ن د

استغفر - وہ جز جسم کے ذریعہ لہو آدمی سے راہے - سَنَد - سَنَد
یَسَنَد - اس نے ایک لہو سَنَد انسانی - اس نے س - سَنَد سَنَد راہیکر
مضبوط کر دیا - السَنَد - بند - ر جو تمام رے سے منع شو - سَنَد ن -
لوہار کا اشراف جس پر روجے ہو گرم کر کے کونہ جانے -

[illegible]

* تاج - ** محیط -

سے سَنَنٌ لَطِيفٌ بِمَقَرِّ - (سہن کے زہر - زہر اور پشہر کے ساتھ - یہ سَنَنٌ کی جمع نہیں - ایک الگ لفظ ہے -) راستے کے کھلے واضح اور نمایاں حصہ کو کہتے ہیں * - یہیں سے اس کے معنی طریقہ ، مسدک ، معمول اور قہاروں کے ہو گئے۔ وَلَا تَجْرِمُوا لِسَانَكُمْ تَجْرِمُوا (۱۷۱) - "تم ہمارے طریقہ (وعدہ) قہاروں میں کوئی تبہیلی نہیں ہو گے" - سورہ فاطر میں ہے - فَتَوَكَّلْ يَتَنَفَّسُ وَاِنْ رَزَا سَنَنُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۷۲) - اب لوگوں کو صرف اس کا انتظار ہے کہ جو کچھ ان جیسی پہلی اقوام کے ساتھ ہوا ہے وہی کچھ ان کے ساتھ ہو جائے - سورۃ آل عمران میں ہے - قَدْ خَلَّاتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سَنَنٌ (۱۷۳) - نہ سے پہلے بہت سے مسدک و مشرب طور طریقے ، مشاہدات حیات گذر چکے ہیں - ابن فاروق نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میں کسی چیز کا جاری رہنا - اور سہولت کے ساتھ اس کا پکے بعد دیگرے آتے رہنا - سَنَنُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کو سہولت اور آسانی کر دینا جس * - اور سَنَنُ الشَّرَابِ عَمِي وَجَدَ لَا رُخَّ کے معنی میں زمین نرمی کو آسانی اور نرمی سے ڈالا حتّٰی کہ وہ بند کی طرح بن گئی ** -

قرآن کریم میں انسانی تیختی کے ساتھ میں میں حَمَلٌ مَسْمُومٌ (۱۷۴) آیا ہے - اس کے معنی عام طور پر سڑے ہوئے شے کے کہتے ہیں جس میں - ابن نے (مخفف اس کے سے تھا) لکھا ہے کہ سَنَنٌ مَسْمُومٌ مَسْمُومٌ مَسْمُومٌ اُحْجَر کے معنی ہو "میں نے پتھر پر پتھر کر کے رکھا" - میں تاریخ تقریر پتھر رتبہ کر (ورنی لکھ کر) گھسیٹنے سے جو سڑا ہوا مرگتا ہے اس سے سَنَنٌ کہتے ہیں - جب وہ کچھ عرصہ تک پڑ رہے ہوں سخت ہو جاتا ہے *** - بعض نے کہا ہے کہ مَسْمُومٌ کے معنی تیر اور تیر سے شے - ابوالمہشم نے کہا ہے کہ سَنَنٌ مَسْمُومٌ کے معنی ہیں بن مَسْمُومٌ -

قرآن کریم نے کہا ہے کہ انسان کی تیختی کی ابتدا مٹی سے ہوئی تھی - وہ مٹی جس کے ساتھ مٹی ملا تھا - یعنی زندگی کی ابتدا جو نہ مٹی نہ مادہ Matter کے ساتھ مٹی کی آمیزش سے ہوئی - جب ان دونوں کی آمیزش کے بعد قرن گذر گئے اور اس میں کافی تغیر و تبدل ہوا ، مگر اس سے زندگی کی نمود ہو گئی - اس کو حَمَلٌ مَسْمُومٌ سے تعبیر کیا گیا ہے - یہ نہ رہے کہ اس سے اس صریح کا بتانا منصوص ہے جس سے زندگی پیدا ہوئی - مسدک میں ہمارے سامنے آگئی - ہمہ مضرب نہیں کہ زندگی (۱۷۵) کے پیداوار ہے -

قرآن کریم کا یہ اعلان کہ فَمَنْ تَجَیَّرَ لَیْسَ مِنَّا اِنَّہٗ تَجَبَّدَ یَلًا (۱۰۰)۔
 اسک عظیم حقیقت کا ظہار ہے جس پر تمام مٹنے والی تہذیبات کی عبارت استوار
 ہے اور جو قانونِ مکتوباتِ عمل کی روح ہے۔ آج سے دسویں صدی سال پہلے یہ
 نہیں کہ "خدا کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی" کسی انسان کا کام
 نہیں تھا۔ انسان تو ابھی کہ تک قانون (Law) کے تصور سے نسا آشنا تھا۔
 دنیا میں جس قدر سائنٹیفک ایجادات ہوئی ہیں، اور عورتیں جی جی رہی ہیں
 وہ سب اس محکم اصول کی رہنمائی میں ہیں کہ قوانین خداوندی میں کسی
 قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ اصول اس قدر محکم ہے کہ انسان اس پر کامل
 اعتماد کر سکتا ہے اور یہی وہ اتمہ ہے جس نے مسہارے وہ آسمانی کڑوں تک
 جست کرنے سے بھی نہیں جھجکا۔ وہ جب ایک دفعہ قانونِ خداوندی کو
 سمجھ لے گا تو پھر وہ اس یقین کے مبحث کہ اس قانون میں کبھی تبدیلی
 نہیں ہوتی، وہ بے خوف و خسر، کرتا چلا جائے جس کے تصور سے
 ہی ان لوگوں کی روح کانستی ہے جو اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوئے۔

جس طرح اس کا یہ اصول خارجی کائنات میں کارفرما ہے اسی طرح انسانی
 دنیا میں بھی نافذ عمل ہے۔ اس نے قوموں کے عروج و زول کے لئے قوانین
 متعین کر دیئے ہیں اور اس کے بعد کبھی بدلے گا نہ ان قوانین میں کبھی تبدیلی
 نہیں ہوتی۔ یہ قریم ان کے مشاہداتی پیرائے کی وہ طرح حاصل کرے گی۔
 حیوان کے خلاف جب لڑائی، تبہ ہو جائے گی۔ وَلَئِنْ تَجَیَّرَ لَیْسَ مِنَّا اِنَّہٗ
 تَجَبَّدَ یَلًا۔

اس قانون نے خدا کے تصور میں بھی ایسا عظیم انقلاب پیدا کیا
 ہے جس سے انسانی دنیا بدل گئی ہے۔ انسان اپنے معیارِ حیرت میں خدا کا
 یہ معیارِ تعادل، دیکھنے کی طرح سمجھتا تھا، جو کسی قاعدے اور قیودوں کا
 پابند نہیں ہوتا۔ وہ کبھی سونہی سونے پہنچے ناراض ہو جاتا، ہے تو گڑبڑ کا
 رونا تباہ کر دیتا ہے۔ خوش ہو جاتا ہے تو مجرموں کو جہانگیر میں بخش دیتا
 ہے۔ ایسے خدا سے انسان عروفتِ دنیا پر کائنات رہتا ہوا کہ نہ جائے وہ اس
 وقت اپنی طرف سے اس کی تمام شوش پسہ ہوتی ہوئی کہ وہ کسی
 نہ کسی طرح خدا کو خوش رکھے۔

قرآن کریم نے آکر یہ تعادل کفر میں اعلان کیا کہ ہر خدا قادر
 مطلق اور خدا ہی ہے لیکن اس نے کائنات اور انسانوں کے لئے قوانین
 مرتب کر دیئے ہیں۔ اور یہ انتہا اور نامحدود قدرتوں اور قانونوں کا مالک

شہوت کے باوجود ، اس نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ اپنے ان قوانین میں تہمتیں
 نہیں کر رہا ۔ لہذا ، نسوی زندگی کے فیصلے خدا کے قوانین کے مطابق ہونگے ۔
 یعنی انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوں گے ۔ وائیں
 سچیدہ ایسی سنتیں ہیں اور اس کے قوانین میں نہتی تہمتیں نہیں ہوں گی ۔
 "قانون کے مطابق سب رجوع کرنے والا ہے" ۔ اور قانون خدا متبادل ۔
 سوچئے کہ خدا کے اس تصور نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے ۔
 یہ قرآن ہی کا صدقہ ہے ۔

س ن ا

مُسْنِيهِ التَّحْنُوتِ وَ الشَّرَابِ مُسْنِيَةً وَ تَسْمِيَةً - تَابَعَتْهُ وَ تَابَعَتْهُ
جَبَزَ خَرَابٌ شَوْكِي - مَكْرُوكِي - أَتَمَّتْهُ بَعْضُ جَانَا - سُرَّ جَانَا - زَبَنَهُ لَزَزَتْ
سَے کسی چیز میں تغیر واقع ہو جانا - یہ لفظ وئی کے بعض جاتے اور بعض کی
جزروں کے سُر جاتے پر ہوتا ہے - تَابَعَتْهُ مُسْنِيَةً سُرَا ہوا غصہ - تَسْمِيَةً
مُسْنِيَةً بَعْضی ہوئی زوئی - قَرَأَ شَرِبَ مِنْ لَحْمٍ يَتَسَمَّى اِبْنُ آدَمَ وَ
خَرَابِ نَمْنِ شَوْ - بَجَزَ نَمْنِ - بِعْنَى نَمْنِ نَمْنِ مَتَّعَ لَزَزَتْ بِه وَ جَبَزَ وَ
مَتَغِيرَ وَ سَالِخُورِدَ نَمْنِ ہوا* -

ابن فارس نے کہا ہے کہ سَنَدُ کے بندہ کی معنی زمانہ پر دلالت دیتے ہیں۔ سَنَدُ سَنَدُ - جو دور دور کی بات کو ظاہر کرتا ہے۔

لیکن ہم نے سَنَدِ "دُر اس کے ہنس و شہدات اس۔ ن۔ و کے آج کے
 ہیں۔ اُنہوں اس مسادہ کی تکمیل کے لئے اس غنوں اس۔ ن۔ و کے
 دیکھ لیجئے۔

سن ن و

[illegible]

*تاج و محیط -

[illegible]

س ن ی

ہستی - رہائی - سلامت و استغنی - بدستی اور رفعت ۔
 سر کی مکرہ میں ہے سحر و سحر سحر و سحر سحر و سحر
 رہا - "ارباب شہ نادر کی حق کی حاکم تھیں ان میں حاکم تھیں اور حاکم
 میں میں سحر کے معنی حاکم اور حاکم سحر اور حاکم کے معنی
 نہ رہا سحر ہے نہ سحر کے معنی سحر و سحر کے معنی

س ۵ ر

مسکایر - پستہ - مسکایر - زمیں - جوتہ - ست شیر - ارات - نو
حاکم - شیر - زمین - زمین - زمین - زمین - زمین - زمین - زمین - زمین

* تاج - محیط - راغب -

زمین کے لئے بولا جا، ٹیڈا جس پر لوگ بکثرت چمٹے خرتے رہیں۔ کہو، وہ انکی وجہ سے بیدار ہے۔**۔

قرآنِ مکریم میں ہے **فَاِذَا هُم بِاَرْضٍ مُّحِيرَةٍ (۱۰۱) اُس (نشوونما) کے بعد** زندگی عی زندگی ہوگی۔ اور بیداری ہی بیداری۔ یہ نشوونما میں تیزی۔
کَیۡنَکَ اَرْضٍ مُّحٰیِرَۃٌ اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو بہت جلد پونے
 اٹانے والی ہوگی۔ چونکہ حیاتِ انہری کی کیفیت، انسانی شعور کی موجودہ
 سطح پر سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لئے قرآنِ مکریم انہیں تشبیہات و
 استعارات کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ **نَکَلُہٗ بِصُوۡرَتِ اَنْ تَسْبِیۡحَہٗ** و **مَعۡرَۃً** کے
 پردوں میں حقیقت کا خلف سا پر تو دیکھ لیتی ہے۔ اس میں اندازہ سے زائد
 میں ممکن ہی نہیں۔

سریانی زبان میں اللہ، عَزَّوَجَلَّ چاند (ܐܠܗܐ) کو کہتے ہیں ***۔ اور
عربی میں چاند کہن کو بھی - (لین) -

سہ ل

الستہل - الستہل - نرم چیز - الستہل میں اَلَا رُضِ - نرم زمین -
اسکی جمع سَتَہُولٌ * قی ہے * - قرآن کریم میں ہے تَتَخَيَّذُونَ مِینَ
سَتَہُولِیْہَا قُصُورًا () - "تم ہموار اور نرم زمینوں میں محلات تعمیر
کرتے ہو" -

مس

سَوْمٌ - حصہ - دراصل سَوْمٌ اس تہر کو کہتے ہیں جس سے قرعہ لال کر حصے تقسیم کئے جاتے ہیں - تہر کو تہر کا تہر کہتے ہیں - سَوْمٌ - لاشر ہونا اور رنگ کا متغیر ہو جانا - اصل میں یہ ویشوں کی ایک ہمدردی عورتی ہے جس میں انیس گرمی اور سیاس کی سبب مجسوس شوق ہے - سَوْمٌ - کسی دم یا فکر کی وجہ سے ترسرو ہونا - مَہْمٌ - اسنے قوم کے ساتھ قرعہ اندازی کی - تہر اندازی میں مہم - تہر اندازی میں مہم - تہر اندازی میں مہم - غالب آنے کی کوشش کی -

قرآن حکیم میں مندرجہ حضرت یونسؑ میں ہے فَسَبَّحْتَہُ (۱۰۰)۔ ع۔
 طور پر اس کے معنی کئے جاتے ہیں۔ اس نے شیوں کے ساتھ فریاد نہ کیا۔ لیکن
 ہمہ اراخیہاں ہے کہ فَسَبَّحْتَہُ میں کشمی والوں کے ساتھ کثرتِ نعتیں ہیں۔
 * تاج - * رابع - * کتاب الاموال فی الفرس - * تاج و معین و رعب

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ (حضرت) یونسؑ نے ہمارے قانون کا مقابلہ کیا۔
فَكَانَ مِنَ الْغَافِلِينَ (۱۰۱)۔ وہ لغزش کیا گیا۔ اس کا پاؤں پھسل
گیا۔ حضرت یونسؑ سے ہجرت کا وقت متعین کرنے میں اجتمہادی غلطی
ہو گئی تھی۔

س ه و

سَهَوًا فِي الْأُمُورِ۔ کسی چیز کو بھول جانا۔ اہل لغت نے تصریح
کی ہے کہ سَهَوٌ، غَفْلَةٌ اور نِسْيَانٌ، تینوں لفظ ہم معنی ہیں۔ لیکن
بعض نے تخصیص یہ کی ہے کہ سَهَوٌ ان باتوں سے معمولی سی غفلت کو
کہتے ہیں جو حافظہ میں موجود ہوتی ہیں۔ اور نِسْيَانٌ کسی چیز کا حافظہ
سے بالکل محو ہو جانا ہے۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ سَهَوًا فِي الشَّيْءِ کے
معنی ہیں لاعلمی کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ دینا۔ اور سَهَوًا عَنْهُ کے
معنی ہیں جہان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینا *۔ أَلَسَتْهُوَ کے معنی ہیں
ساکن اور نرم ہونا۔ أَلَسَتْهُوَ *۔ آسانی سے کہہ چنے والی نرم کمان کو کہتے
ہیں *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بیشتر معانی کا تعقیب غفلت اور
سکون سے ہے۔ جَاءَ سَهْوًا رَمُوزًا وہ بڑے سکون کے ساتھ آیا۔

قرآن کریم میں ہے عَمَّ فِي غَمْرَةٍ سَهْوَنَ (۱۱)۔ "وہ اپنے
الذہن میں منہمک، حقیقت سے بے خبر ہیں"۔ دوسری جگہ ہے تَذِينَ هُمُ
عَنِ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ (۱۰۶)۔ وہ اپنی صلوٰۃ (فرائض منصبی) کی طرف
سے دیکسر ذہل ہیں۔ یہاں انکی تکمیل میں بہت سست اور ذہلے ڈھالے رہتے
ہیں (۱۰۶)۔ یہ، وہ صلوٰۃ کی حثمت سے بیخبر ہیں اور صرف اس کے محسوس
و مرتبی حصہ (تعمیلِ ارکان، قیام، رکوع، سجود وغیرہ) ہی کو اصل صلوٰۃ
سمجھتے ہیں (۱۰۶) کیونکہ یہ بڑی آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں اور دیکھنے
والوں میں عزت بھی ہو جاتی ہے۔

س و ا

سَاعَهُ۔ يَسْهُوْهُ۔ کسی سے ایسی بات کرنا جو اسے ناگوار ہو۔
سَاعَ نَشْتِهِ۔ کوئی چیز بڑی دہلی۔ أَسَاعَ يَسِيْرِي۔ برا کرنا، ناہمواری پیدا
کرنے۔ بکرا اور ایتری رونہ کرنا (یہ احْسَنَ کا ضد ہے) أَلَسْتَبِيْةً۔ زندگی کی
ناخوشگوار دن *۔ نہ حَسْبَتْہِ کی ضد ہے۔ اسکا مفہوم سمجھنے کیلئے (ح۔ س۔ ن)

* تاج۔ راغب و محیط۔ ** تاج۔

کہ عنوان دیکھئے۔ چونکہ حسن نام ہوتا ہے کسی چیز کے ہرٹ ہرے توازن قائم
 کر دینے کا اس لئے **مَسَامُتٌ** توازن کے بگڑ گئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ **سَوَاءٌ** کے
 معنی نساہ، شلاکت اور ضرر کے ہوتے ہیں۔ نیز **حَسَنَةٌ** درمیان رہی ہو
 کہتے ہیں۔ اس لئے **سَمِيحَةٌ** کے معنی ہیں افراط و تفریط۔ **مَسَاوِيءٌ**۔
 ناخوشگوار امور، عیوب، نقائص۔

آلَسَوُءُ كَدُّ - بڑی ذہانت، معیوب بات یا کام - عروہ قول و فعل جس کے ظاہر ہونے پر نرم محسوس نہ رہے - بنا پیریں مراد اور صورت کی سرمکاء کو بھی کہتے ہیں ** - اسکی جمع سَوَاتُ ہے (۲۰ : ۲۶)۔

قِرآنِ شَرِیفِ مبین سَبَّحْتَہٗ بِہٖ حَسْبَنَدُّۃٌ - متعدد مقامات پر
آیا ہے - (مکملہ ۱۱۹ : ۱۳۱) - نیز بُتِ حَسْبَہٗ (بہانہ روی) کے معنی
میں سَاعَ (۵/۶۶) -

مغموم یا متردد ہونے کے معنی میں (۱۱) میں میری "پوشیم" یا ہے۔
 صحیح روئے زندگی کا منجہ انسان کی ذات اور دوسرے میں حسن کی فزائش
 ہے۔ یعنی اس سے انسان کی اپنی ذات اور معاشرہ دونوں میں صحیح صحیح
 توازن قائم ہو جاتا ہے اور زندگی کی ساری عوارضوں کا مناسب توازن بھی
 اس کے خلاف زندگی بسر کرنے سے توازن بگڑ جاتا ہے اور نہ خیر نہ شر پیدا
 ہو جاتی ہیں۔ اس نئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس قسم کی منفرد ذات
 بسر کرنے والے کبھی ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے (۱۲)۔ اس سوال سے
 ہے کہ اگر کسی معاشرہ کا توازن بگڑا دیا تو اس کی اصلاح کی صورت
 ہے؟ قرآن کریم کہتا ہے کہ تم حسن سے نرسو اور کرم سے نرسو۔
 بگڑا خود بخود رفع ہو جائیگا۔ "ذُفِعَ بِهَا تُمِي تُمِي" (۱۳)۔ اگر
 تم بہت زیادہ عوارضوں سے نرسو گے تو نہ عوارضوں خود بخود بہت
 ان "الْحَسَنَاتِ بِنَاءٌ عَمِلْنَ خَيْرَاتِ" (۱۴)۔ سورت رعد میں سورۃ نحل کی
 صفت سے بتائی گئی ہے کہ وہ بہت رعد و برق سے بہت رعد و برق سے
 نماز (۱۵)۔ وہ سنت کو حسب ذیل ذریعے سے نہیں۔ واضح رہے کہ
 ان بات سے یہ مفہوم نہیں کہ قرآن کریم "بک شہر" پر نہایت
 والے کے لئے دوسرے گالے نہیں۔ "یا جو کون سے رائے اسے شریعت خود
 انار شریعت کی تعمیل نہیں ہے۔ میں قسم کی تعظیم مجسمہ کے خصوصیات
 بڑھ دیتی ہے۔ اس سے لئے ان کے انوار میں کی تعمیل نہیں ہے۔ یہی جرم

* تاج و لطائف اللغة - ** تاج

کی سزا دینا تاکہ مجرمین کی جراتیں بے ہد ک نہ ہونے پائیں۔ لیکن اس کے لئے
بہنی اس نے اصول یہ دیا ہے کہ جَزَاؤُ اسَیْئَتِہِ مِثْلُہَا (۱۲۰)۔ نیز
۱۲۱۔ سزا ہمیشہ جرم کی ذوعمت اور مقدار کے مناسب درمیان ہونی چاہئے۔
یہ نہیں کہ ذرا سے جرم کی سنگین ترین سزا دی جاتی ہے۔ (نیز جہاں اصلاح
کا امکان نظر آئے وہاں معاف بھی کرا دینا چاہئے۔) (۱۲۲) اس سے آپ نے
دیکھا کہ یہ اصول اس آیت کا یہ مطلب صحیح نہیں کہ جو کچھ سے برائی
کرتے ہیں اس سے اسی طرح کی برائی کرو۔ اس میں جرم اور اس کی بددش
(عزیر) کا اصول یہ ہے کہ کیا ہے جو خدا کے تعینات مکافات میں بہنی ہے۔
یعنی سزا، جرم کی مناسبت سے۔ وَكَانَ جَزَاءُ يَشْهَدُهُ أَمْوَالُهُمْ كَانُوا
بِغَيْرِ مَعْمُولٍ (۱۲۳) "یقیناً ہم انہیں ان کے اس قسم کے اعمال پر جو وہ
کرتے رہے ہیں بدترین سزا دینگے۔"

حسرت بولا سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن حکیم انسان کو ایسی زندگی بسر دلوانا چاہتا ہے جس سے اس کی اپنی ذات میں بھی حسن (خوبی) ہو، خوشگوار (پہلا) ہو اور معاشرہ میں بھی۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے فرائض و احکام کے مسابقتی زندگی بسر کرنے کے۔ اس کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی ذات میں بھی نہ خوشگواریاں اور معاشرہ میں بھی نہ کی یا بری، بھلائی یا برائی کا قرآنی تصور یہی ہے۔

۶۱-۷۰

ہوم روح کا تھا، البتہ عرب کے لوگ سر ہٹ کے نام سے اچھی طرح متعارف تھے۔ چنانچہ بنو ہذیل کے لوگ اسی نام کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔

س و د

۱۔ لا سٹوڈ - بے سٹش کی ضرورت ہے - یعنی سسٹم - اس کی جامع سٹوڈ ہے -
 ۲۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - اسٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۳۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۴۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۵۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۶۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۷۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۸۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۹۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -
 ۱۰۔ ایئر لائن سٹوڈ - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم - سسٹم -

السَّيِّئَاتِ - سرداری - اَلَا سُوْدٌ مِّنَ السُّجُودِ - قوم کا سب سے بڑا اور
جلیل المراقبہ آدمی - سُرُكُ قَوْمٍ - اَلَا يَتَّخِذُ السُّعُودُ دَهْرًا - بد حالی اور انداف
کے دن *** - راغب نے لکھا ہے کہ اَبْيَضَ خُشُّ السُّوْجُوْدِ سے مراد مسرت
و لذت دہانی ہوتی ہے اور سُوْدٌ دَاوُدُ السُّوْجُوْدِ سے مراد تکلیف اور غم
و حزن *** - (نیز دیکھئے عنوان ب - ی - ض)۔

سَيِّئًا - بمعنی سردار (۱۱۳) میں آیا ہے - مراد اس سے صاحب عزت
و تکریم ہے - اور شوہر کے معنوں میں (۱۱۲) میں - لیکن وہاں یہ لفظ عزیز و محرم
کے لئے آیا ہے جو اپنی بیوی کے شوہر ہونے کے ساتھ وہاں کا سردار بھی تھا -
عام شوہر کے لئے قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا - سورۃ نحل میں ہے
وَحَبْنَهُ مَسْوُودًا - (۱۱۱) کلا، سیاہ - یعنی مغموم - سورۃ آل عمران میں ہے
تَسْوُودُ وُجُوْهُ (۱۱۰) - چہروں کا کالا ہونا یعنی ذلیل ہونا - گتھراہب اور
پربشانی کی وجہ سے چہروں کے رنگ سیاہ پڑ جانا - اِیْمًا بِمَا تَبَيَّنَ - سند
ہونا - باعزت ہونا)۔

س و ر

سَارَ - بِسُوْرٍ - سَرَرَةٌ کے معنی ہیں کسی پر حُرّہ جانا - حمہ
کرنا - سُرَّتُ الْحَيَاءِ و تَسْوَرْتَنَّهُ کے معنی ہیں میں دیوار پر چڑھ گیا -
السُّوْرُ - شہر پناہ کو کہتے ہیں - اسی سے اس کے معنی بندری شہر - رفعت -
مصرف و فضیلت - باندی و بندری - سَوْرَةٌ - سَتْمَتَمَانٍ - بدنامی کی منسوب
و شوکت و جاہ و جلال، اور زور و دبہہ کے لئے آتا ہے - سَوْرٌ - کنگن
کو کہتے ہیں جو سردی اور سارج کی بندی کا نشان ہوتا تھا - السَّوْرُ
اسکی جمع ہے - اَلَا سُوَارٌ يَّاسُوَارُ - سوار فوج کے کمانڈر کو کہتے ہیں -
نیز بہترین تیر انداز اور عمدہ شہسور کو - ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلَا سُوْرٌ
عربی لفظ نہیں ہے - السَّوْرَةُ - درجہ و مرتبہ، قدر و منزلت، بندری -
نیز اس عمارت کو کہتے ہیں جو خوبصورتی کے ساتھ آسمان کی طرف بڑھتی ہوئی
ہوئی اٹھ گئی ہو ***۔

قرآن کریم کی سُوْرَةُ کو سُوْرَةُ کہنے کی بہت سی توحیدیتوں میں
کی گئی ہیں - بعض کا خیال ہے کہ ان کی بدمرئی کی وجہ سے انہیں سُوْرَةُ
کہا جاتا ہے - بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہی سُوْرَةُ ہے جس میں آئے اور
سُوْرَةُ کے لئے سیر علی کا نام دتی ہے اس لئے اسے سُوْرَةُ کہتے ہیں -
بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ منزل بمثل آتی ہیں اور ان میں کے مجموعہ
*** تاج - ** محیط - *** راغب -

سے قرآن کریم کی عمارت کی تکمیل ہوتی ہے اس لئے انہیں سورۃ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ ان میں قرآن کریم کے احکام محفوظ ہوتے ہیں، جس طرح شہر پناہ سے شہر کی حفاظت ہوتی ہے، اس لئے انہیں سورۃ کہا جاتا ہے۔ نیز علامت کو بھی سورۃ کہتے ہیں۔

سورۃ۔ مضبوط قوی اور شریف النسل اونٹوں کو بھی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ سادہ قرآنی سورۃ کے لئے (۲۱) میں آسا ہے۔ اور (۱۱) میں بھی۔ دیوار کے معنوں میں (۱۱) میں۔ اور سرداری (کی علامت یعنی نشان) کے لئے (۱۱ و ۱۲ و ۱۳) میں۔ سورۃ ص میں ہے اِذْ تَسُوْرُوْا سُبْحًاۤ اَوْۤ اَمْسًاۙ۔ جب وہ دیوار بھانڈ کر محراب کے اندر آگئے۔

جنت میں سونے کے کنکروں کا جو ذخیرہ ہے (۱۱) تو اس کا مطلب وہ قوت و حشمت اور سرفرازی و سرمدی ہے جو جماعت مؤمنین کو اس دنیا کی جنتی زندگی میں حاصل ہوتی ہے۔ باقی رہیں اسکے بعد کی زندگی کی سرداریں اور سرفرازیں، تو اس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ یہ حقیقت کا تمثیل بیان ہے۔ تم اپنے شعور کی موجودہ سطح کی روش سے ان چیزوں کی کنہ و حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے۔ اذ کہتے سنو ح۔ ن۔ ن۔

س و ط

اسْتَوْصُوا۔ بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملانا۔ خط مل کر دینا۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی یہی بتائے ہیں۔ اسْتَوْصُوا۔ چابک (لوڑا) کیونکہ وہ گوشت کو خون کے ساتھ محفوظ کر دیتا ہے۔ یا بتوں ابن فارس لوڑا میں کہتے جاتے ہیں۔ یا پھر اس لئے کہ وہ خود مختلف قسموں کو ملا کر بند جاتا ہے۔ جمع استوا۔ اگرچہ اس کے معنی لوڑوں سے مارنے کے ہیں لیکن عربوں کے ہاں ہر شدید اور درد انگیز سزا کو سوط عذاب کہتے تھے۔ یعنی سزا کا لوڑا۔ لیکن صاحب محیط اور راغب کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جو سوط عذاب (۱۱) آیا ہے تو اس سے منہوم نوع و اقسام (طرح طرح) کے عذاب ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ سوط عذاب سے مراد ہے عذاب کا ایک حصہ و مدار۔

س و ع (سی ع)

سَاعٌ۔ یَسُوْعٌ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ میں اعلیٰ معنی علات اور زول کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں سَاعٌ السَّيْفُ۔

*تاج۔ **محیط۔ ***تاج راغب و محیط۔

[illegible][illegible][illegible][illegible]

گھڑی (جس سے تم میں اس طرح دراغمت ہو) کب آئے گی۔ کہہ دو کہ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے۔ اسے اس کے وقت پر خدا کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا۔ (نہز ۲۰-۲۱)۔ دوسری جگہ ہے: **يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ**۔ بس! **يَسْأَلُكَ عَنِ السَّاعَةِ عَيْنُكَ اللَّهُ**۔ وَمَا يَشْرِيكَ بِالْعَمَلِ السَّاعَةِ تَكُونُ قَرَارًا لِّبَنِي آدَمَ)۔ "لوگ تجھ سے اساعت کی پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو"۔ (نہز ۱۲)۔ دیگر مقامات پر ابھی یہی کہہ رہے کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ (نیکھئے سورہ ۱۰۱)۔

بنی اسرائیل کے گھرانے میں نبوت اور حکومت پر یہ دیرینہ عذر رہا۔ تک رشی۔ شروع شروع میں تو وہ قرآن بن خداوندی کے پیمانہ رہے مگر بعد میں انہوں نے شر قسم کی سرکشی اور فساد انگیزی شروع کر دی۔ نہیں بار بار سے جہاد کیا کہ وہ اس روش زندگی کا نتیجہ یہ ہو کہ تم ذلت و مسکنت کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ برکت تمہارے گھرانے سے چھین کر دوسری شاخ کی طرف چلی جائیگی۔ لیکن انہوں نے نسی کی نہ مانی۔ آخری مرتبہ حضرت عیسیٰؑ نے انہیں خاص طور پر تنبیہ کی اور ان سے ہرملا رہا دیا کہ یاد رکھو۔

خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائیگی دے دی جائے گی۔ (متی باب ۲۱۔ آیات ۴۵-۳۳)

لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اس کا جو جواب دیا وہ نہ رنج کے اور نہ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ آخری نقاب کی گھڑی آگئی اور اس عہد کی شوکت و حشمت سب چھین گئی۔ اسی لمحے حضرت عیسیٰؑ کے ہونے قرآن کریم نے کہا ہے کہ **وَإِنِّي لَأَعِظُكُمْ لَيْسَ سَعْدُكُمْ فِي مَا كَسَبْتُمْ** اس انقلاب عظیم کا علم (دینے کے لئے) بھی ہے۔ نیز یہ کہ **وَلَا يَنْفَعُكُمْ** اور اگر نفع کی ضمیر سے مراد قرآن کریم ہے جسے وہ سب یہ دھوکہ کہ یہ قرآن کریم اس انقلاب کا علم دیتا ہے جو اب آنے والا ہے۔

س و غ

سَاعَ الْبِقَرَابِ۔ سَاعَ الْبِقَرَابِ۔ جمع کی چیز کا کسی سے جان کے لئے اتار دینا۔ سَاعَ الْبِقَرَابِ کہہ کر کسی سے حق سے بچنے اور گناہ سے

اَسْمُوْا نَارُ - جس چیز سے بنے ہیں اسکی صورتی چیز کو کہتے ہیں اتر جائے۔
 سَرَابٌ سَائِغٌ - خوشگوار مشروب جو آسانی سے مٹی سے نکلتا ہے اور جھٹکے۔
 سَعَاءٌ سَائِغٌ - خوشگوار کھانا۔ مٹی سے بجا کر سَائِغُ السَّعَاءِ کہتے ہیں
 یعنی دن آسانی سے گزر گیا *۔

قرآن مجید میں اہل جہنم کے معنی ہے سَجَرٌ عَدُوٌّ وَ لَوْ لَا سَكَادُ
 سَجَرِ عَدُوٍّ (۱)۔ وہ ایسے ہیں جو تیرتوں کا نہایت بڑی مٹی خوشگوار ہے۔
 (۱) جس کے لئے دھکے دینے والے ہیں۔ (۲) ع - (۳) ع - سوارہ حمل میں دودھ کے
 معنی کے سَائِغٌ سَائِغٌ سَائِغٌ (۱)۔ وہ مٹی کے لئے بڑا خوشگوار ہے۔
 یا با آسانی خلق سے اتر جاتا ہے۔

سوف (حرف)

سَوَفَ - یہ بھی اس کی طرح مضارع ہوتا ہے اور اس کے معنی
 اترنے کے۔ جس کے نزدیک اس معنی کے لئے اَنَہُ ہے (یعنی وہ
 سریر یا حمی بھی ہو) اور سَوَفَ مستقبل ہے۔ کے لئے۔ لیکن یہ
 ماضی کی شکل نہیں۔ سَوَفَ سے ہم نے اَنَہُ کے لئے بعض وقت ل بھی آج
 کے جسے وَ تَمَسَّكَتْ بِمُخْتَلِفَاتٍ رَاٰكَ فَتَمَرُّضِي (۱)۔ اور تیرا رب تجھے
 سے لے کر اَنَہُ کو راضی ہو جائے گا۔ (وہ تیری رزق کے عین مصداق

ہوگا)

سوق

سَوَفَ - اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے۔ (۱) سَوَفَ کے معنی
 شرح ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 ک - س - ف کے لئے ہیں۔ اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 مرنے والے ہیں۔ اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 اس کے معنی ہیں۔ اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 مفہوم ہے۔

سَوَفَ - اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے
 اس کے معنی ہیں۔ اس کے معنی ہیں۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے (۱)۔ اسکی جمع سَوَافٌ ہے

* تاج - محیط - راغب -

۱۱)۔ دَسَافِ - دَمانِکَ - دَمانِ (دَمان) - اَجَمَعِ اسَوفِ - (دَمان) -
 بازو - اَلَمَوَکَلَّہ لَوَکِ اس حاکم اِنے مَیشی و مَیرہ مَکِ دَر حَیے دَمانِ لَکِ
 ہس *۔ لَواب صَدِیقِ حَسَن حَن نے لَکِہ، عَہ دَہ س - و - ق مَکِ لَکِ اور اَجَمَعِ
 کو ظاہر کرتے ہیں **۔

ابن فارسی نے کہا ہے : نہ میں نے بہ دی معنی نہ تکلی کے ہوتے ہیں ۔
 جس کو کسی اللہ سے ہے نہ ہے میں نہ معنی و لا میں مراد ہے ۔

سے فول

نفسو بطل کے معنی میں نفس دروازہ تو حسین اور خورشید نے
 نہ دیا تا کہ انسان اس کے ذریعے کی طرف و غلبہ ہو جائے۔ اسی ایسی چیز تو
 جسے نفس جانتا ہے۔ اسی رک سے تو خود صورت پر نور میں نور۔
 یوسف میں ہے بکلی "مَنْ لَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ فَهَلْ يَنْصَرِفْ" (۱۰۰)۔
 ایسی بات جس سے یہ رک اس حیرت انگیز کے لئے ہے جس سے خورشید
 میں نور پیدا ہے۔ "بعض نے کہا ہے کہ یہ "مَنْ لَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ" سے
 تفسیر کے ذریعے میں حال میں اور "فَرَبِّهِ" میں میں سے ہے۔
 بہائی ہے۔ "مَنْ لَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ" سے "مَنْ لَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ" سے
 ہے اسے ان لوگوں کے سامنے مزیں ترک پس نہ "اور سراج" سے
 کر دیا۔ سورہ طہ میں ہے "وَلَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ" سے "وَلَمْ يَكُنْ لِقَاءِ رَبِّهِ"
 ایسی "نَفْسُ بَطْلٍ" (۱۰۰) ایسی طرح مرنے والے کے لئے ہوتی ہے۔

س و ف م

سَقِيمٌ کے معنی میں کسی چیز کی حالت خرابی میں ہونے سے ۔
 معنی مر کتب میں ۔ حالت اور ۔ اصل و حقیقت اور ۔ م ۔ ان میں صرف یہ ہے
 معنی مراد الیٰہی جانے میں ۔ جسے سقام کہتے ہیں جس کے معنی میں خرابی کے
 الیٰہی کہیں ۔ یہاں اللہ جسے کہتے ہیں کہ خرابی ہے ۔ اور جسے کہتے ہیں
 جسے کہتے ہیں ۔ یہاں سقام کہتے ہیں ۔ یہاں سقام کہتے ہیں ۔
 بستر میں غلاب کی لاش میں رہتے ہیں ۔ روح الفرج کی مدد میں ۔ یہاں سقام کہتے ہیں
 کہ لاش کے لئے ۔ کسی شے کی اور شے کی کہ لاش کی ۔ یہاں سقام کہتے ہیں
 قسم و زبانی اور پیرائی کے ۔ وہ کہتے ہیں ۔ یہاں سقام کہتے ہیں ۔

* تاج و محیط - ** العزم الخفاق *** تاج و راغب

ہر منے اس چیز پر منڈلاتے رہے *۔ سَمَ فُتِلَانِہُ الْاَلَمُورَ : اسے کسی بات کی
تعلیل دی ، اور کوئی بات اس پر لازم کی کہ اَلَمُورَ اَلْمَرِیْلَہُ ۔ وفتوح کو چرت
کے لئے چھوڑا۔

فلاں کے اعتبار سے اَلْسُوْمَةُ - اَلْسَيِّمَةُ - اَلْسَيِّمَةُ کے معنی
 میں علامت - نشان - سَوْمَہ - سَوْرَس - نَسْمُوہ - گھوڑے پر نشان لگا دینا -
 لیکن سَوْمَہ کَلَامَات کے معنی میں فلاں - نہ آزاد چھوڑ دینا - اس لئے سورۃ
 اَلْبَلَدُ رَبِّس میں جہان ہے اَلْیَوْمُ رَبِّسَ عَنَّا نَسْمُوہ حَبِجَہ وَکَہ مِیْن طِیْمِیْن
 مَسْمُوہ - اَلْسَمِیْن - تو اس کے معنی یہ بھی ہیں - وہ سحر خدایا کے
 مانون محنت کی رو سے اس مفصلہ کے لئے نشان زدہ (F r a g m e n t) کر دے لئے
 تھے - یہ نہ انہی آزاد چھوڑ دیا نہ ہو - (انہیں چارپائیہ تھا) -

سورہ آل عمران میں عذاب دینے والے ملائکہ ذومُؤنن (۱۳۱)
 کہا گیا ہے۔ اسی سورہ میں تَمَثَّلُ الْمُتَّقِیْنَ (۱۳۱) آیا ہے۔ جس کے
 معنی میں تَمَثَّلُ تَمَثَّلُ یہ ایسے فرشتے ہیں جنہیں حور کے لئے زاد
 جبریل اور میکائیل اور ہاروت اور زکریا کے لئے ہے۔ یعنی جن
 میں تمہاری موشی حورائے حق۔ سُبْحَانَكَ (۱۳۱) کے معنی تبارک اور علامت
 کے ہیں۔

سوی

مستویات کے معنی ہیں کسی چیز کی اپنی ذات میں نہایت سوزی
احوال پر شہید۔ ہر قوت کا صریح و صریح کے ساتھ موعودہ اور اس
صریح میں ہر ایک اپنی اپنی مشورہ نہ ایک دوسرے سے شہید ہوتا ہے۔ ہر قوت میں
اس مادہ کے بہت سی معنوں میں مستویات اور دو چیزوں کے درمیان امتداد لگنے
ہیں۔ مستویات کے معنی ہیں وہ شخص اپنی پوری حالت پر پہنچ
نہ اس کے سبب تمام پر پہنچ نہ اس کے قریب نہ اس کے مستویات کی تشریح
بصورتی کے ہے (۱) اس میں صریح مستویات کے معنی مستویات (۲) اس
میں مستویات کے معنی واضح ہیں۔ یعنی ہر چیز کے مشہور ہو کر اسے قوت پر سہارا
نہ ہر چیز کے۔ اس کے معنی ہیں۔ ہر چیز کے ہر حال کے جو ہر اعتبار سے قوت
و ہر حال کے مشہور ہو کر ہر ایک کے سبب و ہر حال کے معنی ہیں۔ اس کے معنی ہیں
مستویات کے (۱) اس میں صریح امتداد کی ہے۔ و جس کے معنی ہیں اس شخص کو
نہ اس کی حالت اور ہر حال کے ہر حال کے ہر حال کے ہر حال کے۔

* تاج - ** محیط -

کے معنی یہ ہیں کہ یہ شرائط ہم پر اور تم پر یکساں طور پر عائد ہوں گی۔ یعنی ہم اور تم یکساں پوزیشن میں ہونگے۔ راغب نے کہا ہے کہ مَكَانٌ سَوًی اس مقام کو کہتے ہیں جس سے دونوں طرف کے فاصلے برابر ہوں۔ لیکن بن سیدہ نے لکھا ہے کہ سَوًی اس مقام کو کہتے ہیں جس پر نشانات لگے ہوں کہ لوگ ان سے اس مقام کا راستہ معلوم کر لیں۔ نَزَّ السَّيِّوَاءُ کسی چیز کے وسط اور درمیان کو بھی کہتے ہیں۔ سَوًی السَّيِّوَاءُ کے معنی ہیں زمین کا درمیانی حصہ۔ اور سَوًی السَّيِّوَاءُ کے معنی ہیں جہنم کے عین وسط میں۔ فَسَوًی السَّيِّوَاءُ کے معنی ہیں خدا نے ان کے شہروں کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ یعنی وہ سب بستیاں تباہ ہو گئیں۔ سورۃ نساء میں سَوًی السَّيِّوَاءُ بَيْنَهُمُ الْاَرْضُ (۲۰)۔ اے کاش ان پر زمین ہموار کر دی جاتی۔ یعنی وہ اس سے قبل ہی ہلاک و برباد ہو چکے ہوتے۔ سورۃ کہف میں سَوًی کے معنی ہموار کر دینے کے ہیں۔ (۹۹)۔

سَوًی اور السَّيِّوَاءُ کے معنی غیر کے بنی آتے ہیں۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ سَوًی السَّيِّوَاءُ کے معنی ہیں تیرے سوا کسی اور آدمی کے ساتھ گزرا۔ یعنی تیرے ساتھ نہیں بلکہ ایک اور شخص کے ساتھ*۔

سورۃ نجم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے فَسَوًی (۲۰)۔ اس ایک لفظ میں صرف انسانیت کا انتہائی کمال، معجزانہ طور پر معصوم کر آگیا ہے۔ یعنی حضورؐ سیرت و کردار اور خیم و نصیرت کے اعتبار سے انتہائی اعتدال پائے ہوئے تھے اور آپکی ذات میں یہ خصوصیتیں کمال تک پہنچ چکی تھیں۔ اس کے بعد آپؐ مقام نبوت پر فائز ہونے کے اہل قرار پائے تھے۔ نبوت سر اس وقت اس کو نہیں مل جاتا کہ اس کی ذہنی و جسمانی استعداد اس کی منتخب کرنے والی قوت سے زیادہ ہو۔ اس کی نگرانی میں شوق تھی اور اس کی ذات معراج انسانیت کی مظہر بن جاتی تھی۔

س ی ب

سَبَبٌ - سَبَبٌ - وہ تیز چارہ*۔ سَبَبُ السَّيِّوَاءُ بنی سہ اور ہر طرف سے۔ بنی سہ اس کے بنی سہی معنی دوام اور تسلسل کے ہیں۔ جسے سَبَبُ السَّيِّوَاءُ - بنی کے جاری ہونے کو کہتے ہیں۔ سَبَبٌ - اس میں سے جو آزاد چھوڑ دیا نہ وہ جہاں چاہے جائے۔ اسی مادہ سے السَّيِّوَاءُ ہے۔ یہ جہاں میں عرب بعض جانوروں

کیوں) مقررہ بجھے دے چکنے کے بعد یا کسی آئینہ مرجمہ سے بخسرو
و نہی گزار دینے کی وجہ سے یا بخسرو نذر اندوز۔ ٹل کے نام پر گزار چھوڑ
دینے کے لئے اور ان سے نہائی کم نہیں لیتے تھے۔ وہ حمل سے چھٹے مہینے
ہتے۔ کشتی نہیں روکتے نہیں۔۔۔ جو سے ناموسمان میں مسافرت چھوڑ
دیئے ہیں)۔ اور ان کے لئے یہ ہے کہ اس قسم کی توبہ۔۔۔ مسافروں اور
مشرفانہ رسوم کی بناء خدا نے ان میں بڑی نہیں کی۔ یہ سب تصدیق دے سکتے
کی خود ساختہ رسوم ہیں۔ املئے انہیں چھوڑ دو۔ (۱۵۴)۔

س ی ح

سَاحَ السَّاحِۃُ۔ زمین کے وسیع پائی کا نام۔ السَّاحِۃُ۔ وسیع زمین پر
بہت بڑی۔ ان کے لئے یہاں سے کہ اس کے بڑی معنی میں ہیں جتنے
رہنے کے ہیں۔ السَّاحِۃُ۔ زمین میں جو۔۔۔ مساحت نونہاں۔ بعض
کا خیال ہے کہ السَّاحِۃُ۔ ہی سے ہے۔ لیکن دوسروں نے اس کی تفسیر صحیح کی
ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں۔ (انہوں نے یہی عنوان م۔ س۔ ح۔ السَّاحِۃُ۔ وسیع
وساحت کرتے والے)۔ قرآن مجید میں مؤمنان کی صفات میں السَّاحِۃُ۔ (۱۱۹)
(۱۱۹) اور مؤمن عورتوں کے لئے السَّاحِۃُ۔ (۱۱۹)۔ (۱۱۹)۔ بعض کے
نزدیک اس سے مراد "روزہ رکھنے والے" ہیں۔ ان کے لئے یہ ہے کہ
بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ شوک ہیں جو مسلمانوں کے لئے فرما دیا
نہی۔ السَّاحِۃُ۔ وافی۔ "راز"۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔
یہاں اور ان کے لئے السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔
کے لئے سفر کرتے ہیں۔ یہی مفہوم زیادہ عرصہ قبل سے ہے۔ مسلمانوں
کیوں جگہ۔ مسلمان۔ گروہ کے عرصہ کی زمین اور خدایاں جگہ۔ مسلمانوں کے
صحن کو سَاحَۃُ الدَّارِ کہتے ہیں *۔ (۱۱۹)۔

مؤمن عورتوں کی صفات۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔ السَّاحِۃُ۔
راہیں اور مسلمانوں کے لئے یہ تفارہ۔ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں
میں محبوس رکھنا چاہیئے کس قدر غیر قرآنی ہے۔

س ی ر

سَاحِۃُ۔ جگہ۔ جگہ۔ دن اور رات۔ مسلمانوں کے لئے
جیسے کہ کہتے ہیں "سَاحِۃُ"۔ اس کے لئے مسلمانوں میں۔ مسلمانوں کے لئے۔

* تاج۔ ** واغب۔

رواج تھا۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ فی بی السیف شام۔ یعنی کتب
بیسٹیف شام۔ ا۔ یا اسی شاعر کا ایک مصرعہ ہے۔ قُنَّا لَمَّا قُنَّا قُنَّا
لَمَّا قُنَّا قُنَّا۔ یہاں وقت کی جگہ اس نے صرف "قُنَّا" کہا ہے*۔

السین۔ ستون اور سہارے کو کہتے ہیں۔ (مثلاً چھت کی کھڑکی
کڑی دمزور ہو گئی ہے تو جو دوسری کڑی اسے سہار دینے کے لئے کھڑی
جائے اسے سین کہا جاتا ہے) کیونکہ فنی زبان میں اسکی جگہ سین
ستون کے مشابہ شوق تھی**۔

سیناء۔ ایک قسم کے پتھر کو کہتے ہیں۔ و طُورِ سینین
و من طُورِ سیناء۔ (۲۳) سیناء (پتھروں کا) پہاڑ۔ سام میں ایک پہاڑ کا
نام ہے۔ السینینۃ۔ ایک قسم کے درخت کو کہتے ہیں۔

سیناء

طُورِ سیناء (۲۳) یا طُورِ سینین (۲۴) سام میں ایک
ہے جس پر حضرت موسیٰؑ ہکارتے گئے تھے (دیکھئے عنوان سین)۔

سینین

طُورِ سینین (۲۴)۔ یا طُورِ سیناء (۲۳) سام میں ایک پہاڑ
ہے جس پر حضرت موسیٰؑ ہکارتے گئے تھے (دیکھئے عنوان سین)۔

ش

ش ا م

الشُّؤْمُ الْمُسِيءُ - بایاں شدہ - یہ الشُّعْمُنُی (دایمن شامتہ) کی ضد ہے۔ اسی اعتبار سے الشُّؤْمُ (شُعْمُن کی ضد ہے) - معنی نجاست - صاحب تاج نعروس نے سُؤْم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ امور ہیں جن کے انجام کو ناسخ لیا جائے اور اس سے ذرا جاتے - قَدْراً تَبَاكَهْمُ* - اس نے ان سے نجاست مسخہ کر دی - رَجُلٌ مَسْشُؤْمٌ* - منحوس آدمی* - (نجاست کے برائی مفہوم کے لئے عنوان ن - ح - س دیکھئے)۔

قِرَآنٌ مُرْسِلٌ مِّنْ حُجُبٍ شَعَثُ مَنَاقِرِ کے متبادل میں اصْحَابُ الْمَسْأَلَةِ (مناظر) ہے - شش شاعہ فرمے - بعض سے بے بختی والے - جن کی شامہ مَنَاقِرِ اَعْمَلِ ان کے لئے عرب بن کر آجئے۔

ممک شامہ کوسمائم* اس لئے کہنے میں کہ وہ تیسہ سے شش جانب واقع ہے۔

ش ا ن

سَنَائِلٌ - اجمع - سَنَائِلٌ - امر - معنہ ابالخصوص اعمہ اور قبل رجاء حلف*** - عرب نے نام سے کہ یہ سم اب سے معنہ اور حاکم کے لئے ہوا جاتا ہے جو کہ نام سے سم اب کا بدلہ ہوا - سَنَائِلٌ سَنَائِلٌ* - اس نے اس کے قصہ میں سے نام معنہ سَنَائِلٌ نہ جاتا ہے کیونکہ اس کے مندر نہ جاتا ہے اس سے وہ کہہ کر جسے وہ حق تعالیٰ نجات دے سکتا ہے - سَنَائِلٌ سَنَائِلٌ* - ناموں کی جنوں جنوں کے منہ کی جگہ -

* سَنَائِلٌ سَنَائِلٌ* - بعض سے سَنَائِلٌ* - سَنَائِلٌ* - سَنَائِلٌ* - سَنَائِلٌ* -

’سِتّٰن‘ - ایک رات کا نام ہے جس سے آنکھ تک خون پہنچتا ہے - نیز ، راستہ دھمکے ذریعہ آنکھوں سے آنسو آتا ہے - ’سِتُّوْنُ التَّخْمُرِ‘ - شراب کا وہ حصہ جو جسم کے رات و رے میں سرایت کر جائے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تلاش ، طلب اور ارادہ کے ہیں -

صورۃ رحمن میں ہے "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ" سَمِیعٌ سَوَاتِر و اَرَاغِش۔
 "کَلَّ یَوْمَ یُؤْتِی السَّانِ اَیْمًا"۔ کائنات کی سبوں اور ان سبوں میں جو
 لپیٹے (سماں سمیت وہ سب اپنی نشو و نما کے لئے رہنمائی بخور و نوری کے وسیع
 ہیں۔ ہم سے ایت کے پہلے حصہ کا ترجمہ ہے۔ دوسرے حصے میں ہم سے
 "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ" اور "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ" کے لئے خدا کی ایک طرف
 سنان میں خوں ہے۔ خدا کے خوں میں خدا کے معنی یہ تصور صحیح ہے۔
 وہ خدا کی ایک جہاں میں خدا ہے۔ خدا ایک مستقل ذات ہستی ہے
 جو ہم سے ایک ہی شان میں رشتہ ہے۔ روح میں کے میں (فردوں کی نمود و نمائند
 و شہر میں رقی رقی ہے۔ میں اپنے آپ میں نور و نور کے دوسرے حصہ میں
 سے مراد "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ" سَمِیعٌ رَءِیْفٌ۔ "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ"۔ میں
 سے پوری ایت کا مفہوم یہ ہونا کہ کائنات کی جہاں اپنی نشو و نما کے
 روست خداوندی کی مدد ہے، اور ان سب کی نشو و نما کے لئے خداوند میں
 بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی بدلتے ہیں میں نشو و نما کے مختلف شعبوں میں
 ہیں اور ربوبیت خداوندی کی جہاں ایک جہاں کے میں ان کی نشو و نما
 کے میں ان تمام رقی رقی ہے۔ "سَمِیعٌ رَءِیْفٌ"۔ اور اس طرح سب کے سب
 Deeds کا مفہوم، انوں اور ان کے میں جاری رہتا ہے۔

سورۃ یسونس میں ہے "وَمَا كُنَّا بِمَنَافِقِیْهِ" - اور جس میں
میں بھی ہو۔

ش ب لا

تَشْبِيْهَ اِىَّكَ مَعْنٰی ہيں ذوقِ روائے زوہد و عبادت ۔ ایک تفسیر ہے ۔
اس طرح مہم جیسا اور مہم اور مہم ہوں ۔ اس میں شبہ میں شروع ہو گئے اور
امتداد میں شروع ہوئے ۔ سبب شریعت " اِنَّہٗ " کے معنی میں " اِنَّہٗ " کے معنی میں
جز کی معنی میں ہے ۔ دونوں " اِنَّہٗ " کے معنی میں ہے ۔ مہم اور مہم
یہ " اِنَّہٗ " و " اِنَّہٗ " کے معنی میں ہے ۔ مہم اور مہم
مہم اور مہم کے معنی میں ہے ۔ اس پر مشتبہہ و شبہ و شبہ

زندگی میں بھی مختلف مقاصد ہو سکتے ہیں جن کے حصول کے لئے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر چند یہ مقاصد مختلف اور متنوع ہوتے ہیں لیکن اگر یہ حیثیت مجموعی ان کی تقسیم کی جائے تو یہ دو بنیادی شقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک اَعْمَلٰی کی شق (۱۲) اور دوسری بَخْلِی کی شق (۱۳)۔ اَعْمَلٰی سے مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی محنت کے حاصل کو دوسروں کی نشوونما کے لئے بھی دے۔ اور بَخْلِی سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے صرف اپنے مفاد تک محدود رکھے۔ پہلی شق وجہ ہدایت کی شرف انسانیت ہے اور دوسری شق، باعث تذلیل انسانیت۔

سورۃ طہ میں ہے نَبَاتٌ سَّاسِیۃٌ (۱۲)۔ انواع و اقسام کی بوٹیاں اور پیودے۔ (سَّاسِیۃ جمع ہے سَّاسِیۃ کی جس کے معنی ہیں جدا جدا ٹپک ہوا، جداگانہ، الگ۔)

ش ت و

اَشْرِیۡتَ اَ؟ - سردی کا موسم۔ عرب والے سال کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک شتاء، دوسرا صیف۔ پھر شتاء کے دو حصے، جن میں سے آخری تین مہینے رَجُوع کے ہوتے۔ اسی طرح صَیْف کے تین مہینے ہوتے۔ یوں سال چار موسموں میں بٹ جاتا تھا۔ چونکہ عام معمول سردی کے موسم میں عرب سفر کے لئے نہ نکلتے تھے اور روزی تلاش کرنے کے بجائے گھروں ہی میں رہتے تھے اس زمانہ میں شہ اور چارہ کی قلت ہوتی تھی۔ اس لئے اَشْرِیۡتَ اَ؟ فقیر ہو گیا کہتے تھے۔ اور صَاحِبُ السُّؤۡلِ وہ شخص جس کی طرف لوگ سردی اور خشک سالی کے مصائب سے گھبرا کر رجوع کریں۔**

قرآن کریم میں قریش کے قبیلوں کے لئے رَحْمَۃٌ اَشْرِیۡتَ اَ؟ وَاَصْحَابِ (۱۲) آیا ہے۔ بمعنی ان کے سردی اور گرمی کے موسم کے سفر۔ اس سے درحقیقت مراد سارا سال ہے۔

ش ج ر

شَجَرٌ - ہر وہ چیز جو مجتمع ہو کر پھر کسی وجہ سے متفرق ہو جائے اسے شَجَرٌ کہتے ہیں۔ اسی سے شَجَرٌ سَمَوٰتِیۃ کے معنی ہیں آسمانی اختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنا۔ قرآن کریم میں فِیۡمَآءَ شَجَرٍ سَمَوٰتِیۃ (۱۵) باہمی اختلافات کے معنوں میں آیا ہے۔

*تاج۔ **تاج و محیط۔

تَجَرَّ فُلَانٌ فُلَانًا - فُلَانٌ لَی فُلَانٍ سے منازعت و مخالفت کی۔
 اَسْتَجَرْتُ - کے معنی درخت ہیں۔ (یہ جمع ہے۔ ایک درخت کَوْشَجَرَةٌ*
 نہیں کہے)۔ غالباً اس لئے کہ اس کے تنہ کے ایک ٹوٹنے کے باوجود اس کی شاخیں
 مستحکم اور بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ یہی تَجَرَّ کے بنیادی معنی ہیں۔ اگرچہ
 تَجَرَّ لغوی میں ہے کہ تَشْتَا جَرَّ کے معنی میدان جنگ میں فوجوں کا باہمی
 ٹھٹھکا ہوا جانا ہے اور چونکہ درخت کی شاخیں بھی ایک دوسرے میں
 ٹٹھکتی ہوئی ہیں اس لئے اسے تَجَرَّ کہتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کے بنیادی مفہوم
 کے اعتبار سے سہی توجیہ زیادہ قرین قیاس نظر آتی ہے۔ یعنی ایک ٹوٹنے کے بعد
 شاخوں کا منتشر ہونا۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا
 بکھرا ہوا اور اس کے اجزاء ایک دوسرے میں گھسے رہنا بتائے ہیں۔

قرآن کریم میں قصہ آدم میں ہے کہ آدم سے لہا گیا تھا کہ فُلَانٌ
 تَغْتَرَّبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ (۱۲۱)۔ اس شجر کے قریب نہ جانا۔ جیسا کہ آدَمُ*
 کے عنوان (دیکھئے ۱-د-۴) میں لکھا جا چکا ہے، قصہ آدم در حقیقت نوع انسانی
 کی تمدنی سرگزشت ہے۔ انسان اپنی تمدنی زندگی سے پہلے ایسی حالت میں رہتا
 تھا کہ اس کی ضروریات بہت قلیل تھیں اور ماسمانِ خور و نوش بافراط تھا۔
 اس لئے ان میں باہمی افتراء و اختلاف نہ تھا۔ اس کے بعد جب انسانی شعور
 نے ذرا ترقی کی تو اس نے تمدنی اور معاشرتی زندگی شروع کی۔ اس سے مختلف
 افراد اور اس تصادم کے بعد مختلف قبائل کے مفاد میں تصادم (Clash of Interests)
 شروع ہوا اور اس تصادم سے باہمی اختلاف و افتراق پیدا ہوا۔ وَمَا كَانَ
 الْإِنْسَانُ إِلَّا أُمُتًا وَآحَادًا فَخَسَمْنَاهُمْ لِنُفُوسِهِمْ (۱۹)۔ "نوع انسانی ہمے ایک
 ہی جماعت تھی لیکن بعد میں انہوں نے آپس میں اختلافات شروع کر
 دیے۔" یہ مطلب ہے فُلَانٌ تَغْتَرَّبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ (۱۲۱) سے۔ یعنی
 ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ دیکھنا! تم سب کی اصل ایک ہی ہے۔ اس لئے
 تم نے باہمی اختلاف و افتراق پیدا نہ کر لینا۔ لیکن عقلِ خود پس (ابلیس) نے،
 جو ہر فرد کو اس کے ذاتی مفاد و محبت سے بھرتی ہے اسے عکسِ عقلِ جمہانی میں
 کے جو پوری نوع انسانی کے تحفظ کی فکر کرتی ہے، انہیں انفرادی مفاد
 پرستیوں کی طرف مائل کر دیا، اور اس طرح یہ آپس میں ایک دوسرے کے
 دشمن ہو گئے (۱۲۱)۔ لہذا اس مقدمہ پر تَجَرَّ سے مفہوم انسانوں کے وہ
 باہمی اختلافات ہیں جو ان میں انفرادی مفاد پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں
 * تَجَرَّ - ** نوع انسانی کو پھر۔ ایک ہی جماعت بن کر رہنا ہے لیکن یہ وعدہ
 انسانہ وحی کے ضابطہ کے بغیر ممکن نہیں۔ (۱۲۱)۔

اور جن کا حمل صرف یہ ہے کہ انسان وحی کے نصیب کے مطابق ہمارے ہمارے
کرے (۸)۔ اسی کو ربوبیت حاصل ہے کہہتے ہیں۔

ش ح ح

الشَّحَّحَ اس کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اس نقشے کو سامنے لائے کہ
۔ سخت گرمی کا موسم ہو، کسی جگہ تھوڑا سا پانی ہو اور بہت سے۔ اسے۔ ایسی حالت
میں دو آدمی جس طرح ایک دوسرے کو دھکیں کر بیچ رہے ہوں اور ان کے بڑے بڑے
انہی۔ اس بجائے کے لئے دوسری کرتے ہیں اسے تَشَحَّحًا اِسْمًا۔ تَشَحَّحًا
کہتے ہیں۔ قرآن کریم کا نظام ربوبیت یہ ہے کہ ہر فرد دوسروں کی نشو
ونما کی فکر کرے اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔ اِسْمًا
شَحَّحَ نَفْسُ اس خصوصیت کی ضد ہوا۔ یہ مفہوم سورۃ حشر کی سورت سے
بالکل واضح ہو جاتا ہے جس میں کہنا ہے کہ مومنین کی صفت یہ ہے کہ
يُؤْتِرُونَ عَمَلِي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۹)۔ وہ
خود تسکین ہی میں کیوں نہ ہوں دوسروں کی ضروریات کو اپنے سر ترجیح
دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہے وَمَنْ يُوَفِّ شَحَّحَ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ (۱۰)۔ یاد رہے جو شخص (یہ قوم) شَحَّحَ نَفْسِ سے ہے
اب کو بیچنے والی کی کیفیت پر وہ حشر ہوتی ہے۔ یعنی دنیا کے عدم تعلق
کی رو سے، اُسی انسان کی کیفیت میں فصل اگتی ہے جو اسے میرب کرے۔ ان
نظام ربوبیت میں اس کی کوئی سرور چڑھتی ہے جو دوسرے کے کام کی
میرا ہی کو بنے اوپر ترجیح دے۔ تَشَحَّحَ نَفْسُ کے معنی ہیں، انہوں
نے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی کہ کہیں ان کے ہاتھ سے چیز نہ
جاتی رہے۔ تَشَحَّحَ نَفْسُ لَمْ يَرَوْا۔ وہ دونوں میں معاملہ میں جھگڑنے اور
ان میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ تھا کہ وہ چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہے۔
ان فرس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی روکنے کے ہوتے ہیں۔
اس اعتبار سے تَشَحَّحَ نَفْسُ وغیرہ کے یہی معنی نہیں ہونگے کہ اس قوم
نے ایک دوسرے سے بڑھنے میں کوشش کی بلکہ یہ بھی کہ خود کے بڑھنے
کے لئے دوسروں کو روکنے کی کوشش کی۔ اس سے شَحَّحَ کے معنی بھی واضح
ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ نسبتی کیفیت کہ آگے بڑھ کر ہر چیز کو اپنے
مخمس کر لیں اور دوسروں کو روکنے کہ اس چیز تک پہنچ نہ جائیں۔

* تاج - شح کے عنوان کے تحت - * تاج - * تاج -

ش ح ن

شَحْنُ السَّافِيْنَةِ بِشَحْنِهَا - کشتی کو بھر دیا اور جو سامان اس میں لادنا تھا لاد دیا *۔ قرآن کریم میں اَلْفُتُكُ الْمَسْحُوْنَ (۱۱۱) آیا ہے۔ یعنی بنری اور لمبی ہوئی کشتی۔ اَلِشَّحْنَةُ - وہ مال و اسباب وغیرہ جس سے کشتی کو بھر جائے۔ اَلشَّحْنَةُ - وہ چارہ جو جانوروں کے لئے اکٹھا کر کے رکھا گیا ہے اور ایک رات دن کے لئے کافی ہو۔ شَحْنُ - شَحْنُ کے معنی جھڑک دینے، دور کر دینے کے بھی آتے ہیں۔ (غالباً) اسی سے اَلِشَّحْنَةُ - بدستہ کی طرف سے کسی علاقہ کے نساغ کو کہتے ہیں۔ اَلْمُشْحَنُ - بغض و کینہ دل میں بھرا رکھنے والا *۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں بھر دینا اور دور کر دینا دونوں آتے ہیں، لیکن یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ یعنی ان میں جمعیت کوئی نظر نہیں آتی۔

ش د د

اَلِشَّارَةُ - سختی اور صلاحیت کو کہتے ہیں۔ سَمَرٌ - اس نے مضہور اور مجکھ کیا۔ سَمِيٌّ شَدِيدٌ مُشْتَدٌّ - بہت مضبوط جز۔ اَلشَّارَةُ - کسی کو مضبوطی سے باندھ دینا۔ اَلِشَّادَةُ - ہم ذری اور بہت قد۔ اَلشَّارَةُ شَجَاعٌ - بہادر۔ قوی۔ نیز بخوبی کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اَلِشَّارَةُ بِحَبَرِ اَلْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (۱۱۱) میں شَدِيدٌ کے معنی بخوبی ہیں۔ اَلِشَّادَةُ - من بئوخ - سن رسد۔ وَ سَمَرٌ ذُو عَصَى مُدَوِّبٍ (۱۱۲) کے معنی ہیں ان کے دلوں پر مہر کر دے ***۔

قرآن کریم میں سن بئوخ و سن رشد کے لئے نَفَقُ السُّدِّ (۱۱۳) سے مراد ہے۔ (مثلاً کہ سید، عبا)۔ سورہ نساء میں (۱۱۴) میں سَمَرٌ کے معنی کہا گیا ہے کہ جب تک وہ "نکاح کی عمر" کو نہ پہنچیں ان کے مال کی نگرانی کرو۔ اور دوسرے مقامات (۱۱۵) میں کہا گیا ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کرو جب تک وہ جوانی کو نہ پہنچ جائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے نکاح کی عمر، جوانی ہے، صغیر منی نہیں۔

(۱۱۶) میں ان بتیموں کے متعلق حق کی دیوار گزر رہی تھی اور جسے حضرت موسیٰؑ اور انکے رفیق سفر نے کینڈا کر دیا تھا یہی کہا گیا ہے۔

* تاج و راغب - ** محیط - *** تاج و محیط

قرآنِ کَریم میں ہے کہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، سَّوَرَحُ صَدْرُہٗ اَیْنَہٗ سَلَامُ (۱۱۶)۔ اسلام کہنے کے معنی میں کُشادگی پیدا کر دیتا ہے۔ اس لفظ میں بیات کے سمجھنے کی صلاحیت، صحیح بات کو قبول کرنے کی استعداد، اور حق کو اختیار کرنے کی جرأت، سب خصوصیات آجاتی ہیں۔ اس کے برعکس غمناک راستے پر چلنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یَجْعَلُ صَدْرُہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (۱۱۷)۔ وہ اس کا سینہ تنگ، پہنچ نہ پا کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرح صدر بہت بڑی خصوصیت ہے جسے حاصل ہو جائے۔ تعصب سے آزاد، بات کو دلالتوں و بصیرت کی بناء پر (On Merits) سمجھنے، حق و مصافحت اور حسن و خوبی جہاں سے ملے (Appreciate) کرنا، اور ہر تمام میزبنتوں کے لیے ارنجہ ایسے اختیار کرنا۔ نیز اسے اس طرح تفصیل و جہن سے آگے پہنچنا۔ ہر ایک سے حسن سلوک سے سنا آنا۔ دشمن تک سے فراخ دل برتنا۔ دشمن تک دشمنی کا بیج نہ دینا۔ یہ سب باتیں شرح صدر میں آجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دلوں کو نرم و انہیسا لے کر آئے ہوئے ہمیشہ خدا سے شرح صدر اور وسعت قلب و وسعت اور رفعت عزم و عظمت کی دعائیں مانگتی ہیں (۱۱۸)۔ اور خود بھی ادرم سے لہا لہا کہ وہ شرح صدر کی ہیئت ہے نہ ان کی ہیئت میں ہوں آسان ہوئی اور اس شرح ان سے ذمہ داریوں کا وہ سوجھ بوجھ ہو گا جس سے ان کی ذمہ داریاں بھی آسانی سے ادا ہوں گی۔ اور انہی میں کی کہ وہ ہر ایک ایسی بات جن سے انسان کا دم نہیں تنگ جائے۔

لہذا قرآنِ کَریم کی رو سے معاملات کے آسان ہونے کے معنی شرح صدر نہایت ضروری ہے (۱۱۹) اور ہر مسلم کا بھی یہی شعار ہونا چاہئے۔ جس شخص میں تنگی دشمنی اور دلوں دشمنی ہو، سمجھنے کے معنی کہ اس کے دل کی روشنی کے لئے سدا نہ نہیں ہوا۔ (۱۲۰) میں اسے فسوف قلب سے تعبیر کرتا ہوں ہے۔ نیز سَّوَرَحُ صَدْرُہٗ کے معنی میں کسی چیز کو بے غیب خدا سے نہیں کرنا۔ اس کے لئے اپنا دل کھول دینا۔ (۱۲۱)۔

ش ر د

شَرَّ دَا اَبْعَیْتُ۔ اوب بیک کر بھاگ نکلا۔ سَّوَرَحُ صَدْرُہٗ حَزَنُہٗ دینا۔ نکل دینا۔ منتشر کر دینا۔ کسی کو بے پروا کر دینا۔ راجب نے کہا ہے کہ سَرَّ دَا تِیہ کے معنی میں، میں نے اس سے ایسا برتاؤ کیا کہ وہ سے دیکھو کہ دوسرے لوگ اس جیسے کام کبھی نہ کریں۔ ویسا کام کرنے سے بدتر میں اور

باز رہیں۔ **۔ قرآن کریم میں ہے فَسَيَرُّدُ بِيَهُمْ مَقِنٌ خَلْفَهُمْ (۱۵)۔ یعنی انہیں ایسا مزہ چکھاؤ کہ جو لوگ ایسے ہی مقصد کیلئے ان کے پیچھے آ رہے ہیں وہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر خود بخود بھاگ جائیں۔ متوحش ہو جائیں (اس لئے کہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بدکنا اور دور ہو جانا ہیں)۔

ش ر ذ م

شیر ذمۃ۔ تھوڑی سی جماعت۔ بڑی جماعت سے کٹ کر الگ ہو جانے والی برائی۔ ثیاب شراذم۔ پرانے بیٹے ہوئے اور بوسیدہ چمٹھڑوں کو کہتے ہیں۔ **۔ قرآن کریم میں شیر ذمۃ فَيُيْمِنُونَ (۲۶) آیا ہے۔ یعنی حقیر اور قلیل سی جماعت۔ ان فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ میں ذال زمرہ ہے۔ یہ دراصل شراست انشائی سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کو پارہ پارہ کر دینا ہیں۔ چھوٹی سی جماعت کو اس لئے شیر ذمۃ کہتے ہیں کہ وہ بڑی جماعت سے پھٹ کر الگ ہوتی ہے۔

ش ر ر

شراً۔ خسر کی ضد ہے (۱۸)۔ انسانِ عرب میں ہے کہ شراً۔ برائی (سوءاً) کو کہتے ہیں۔ اور مصباح میں ہے کہ اس کے معنی فساد اور ظلم کے ہیں۔ الشراۃ۔ وانشیر۔ گ کی چنگریاں (جو آگ میں سے نکل کر اڑتی ہیں)۔ اس کا واحد شرارۃ اور شراۃ ہے *۔ (۲۶)۔ شرراًۃ۔ میں انشیرۃ۔ مشکیزہ سے پانی لگا کر ٹپکتا رہا۔ نیز انشیر کے معنی تیزی۔ نسا۔ غصہ۔ طین۔ حرص۔ فحش اور سفاقت ہونے ہیں۔ نیز اس سے مرد شر وہ ہے جو انسان کی طبیعت کے مطابق نہ ہو۔ لہذا وہ اس کی ضرورت کے رستے میں روک بن جائے۔ ***۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی منتشر ہو جانے، ادھر ادھر اڑ جانے اور بکھر جانے کے ہیں۔

راغب کے نزدیک خسر اور شراً دونوں اضافی لفظ ہیں۔ یعنی دوہرنا ہے کہ ایک ہی چیز ایک آدمی کیلئے خیر ہو اور دوسرے کے لئے شر۔ ***۔

چونکہ یہ لفظ خسر کی ضد ہے اسلئے اس کے صحیح معنوں کے لئے عنوان خ۔ ی۔ ر بنی دیکھنا چاہئے۔ ابن فارس نے اس مادہ کے جو بنیادی معنی * تاج۔ راغب۔ *** تاج و راغب۔ *** محیط۔ *** راغب۔ عنوان "خیر" میں

بتائے ہیں اس اعتبار سے شکر کے معنی ہوں گے انسان کی صلاحات اور
توانائیوں کا اس طرح صرف (یا فایده) ہونا، بکھیر جانا اور منسوب ہونا۔ یہ
نہ سے ہوئی تعمیری نتیجہ مرئی نہ ہو۔ اس کے برعکس خیر کے معنی ہوں
گے کسی قوم یا قوموں کا تعمیری نتیجہ پیدا ہونا۔ انی دریا کے ساحلوں کے سر
مندہ شہر ہیں تو اس کا نتیجہ خیر ہی خیر ہے۔ لیکن جب وہ نہ
کی شکل میں اندر بکھیر جائے تو خیر کا موجب ہو جاتا ہے۔ ہوا گرم ہونے
کے ساتھ ایک سمت میں جلی تو موجب خیر ہے لیکن جب جنگلات اور کھیتی
جائے تو تباہی کا موجب۔ انہی ہوں گے بکھیر جانا، قوتوں کا بے حکم ہونا
منتشر ہونا۔ یہ بھی چیز خود انہی ذات نے منع ہی ہے۔ انہی
کی فوٹس منتشر (Diffuse) ہوں گے اس کی نشو و نما نہیں ہوتی۔ گہر وہ
موریکز (Convalescent) ہو جائیں تو اس میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

[illegible][illegible]

خیر اور شر کے ان گوشوں کا ذکر قرآن کریم کے مختلف مقامات میں
میں گاہیں سے وہ حتمی واضح ہو جائیں گے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔
واضح رہے کہ قرآن کریم نے مسئلہ خیر اور شر (Good and evil) کی بحث
فلسفہ نہ طور پر نہیں کی۔ اس لئے کہ اس کا موضوع فلسفہ نہیں۔ اس کا مقصود
ایسی راہ بتانی دینا ہے جس سے شر، شر ہی نہ رہے۔ یعنی توانائیاں بکھر کر
تبخریبی نتائج (Disintegration) نہ پیدا کریں، بلکہ نظم و ضبط کے ساتھ
مجتمع میں تعمیری نتائج پیدا کریں۔

واضح رہے کہ ہم نے حوالہ دیا کہ شوئی سے فی نفسہ نہ خیر نہ شر، اور
کائنات میں استعمال ہے جو انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے، تو یہ چیز جسے کائنات یا
کائنات اور انسان کی قوتوں کے متعلق ہے۔ ہم ان تک ان مسئلہ اور رکنا معنی
ہے حسن بشر شرف انسانیت (یعنی دین) کی عمارت استوار ہے اور جو وحی کے ذریعے
عطا ہوئی ہے، وہ فی نفسہ خیر ہے۔ مثلاً عدل و حسن فی نفسہ خیر ہے۔ اور
ان کی ضد ذی جور و شر۔ یہی طرح وہ چیزیں جنہیں قرآن کریم نے حرام
قرار دیے ہیں، وہ شر یا شر کے موجب ہیں۔

ش ر ط

الشُّرُطُ - شرائط یا نشانی جسے لوگ آپس میں مقرر کرتے ہیں۔ (جمع
شُرُطٍ)۔ شر چیز یا پہلا حصہ - الشُّرُطَةُ - فرج کا پہلا دستہ جو جنگ
میں سرحد ہو اور موت کے لئے بانٹ کر تیار ہو۔ شور شر کے عنوان و انحصار کی
جماعت (یعنی وہ اپنے اور ایسی علامات لگا لیتے ہیں جن سے وہ پہچاننے
جائیں)۔ اس کا واحد شُرْطٌ ہے۔ قرآن کریم میں الشُّرُطَةُ (آئے وائے
انقلاب) کے متعلق ہے فَتَنَّا جَاغَا شُرُطِيہَا (آ)۔ اس کی ابتدائی علامات
نوجو کی ہیں۔ اب اس کے بعد وہ انقلاب کی گھڑی ہو ویسے دن لڑائی جن
میں مخالفین (قریبی) کو ایسی شکست ہوئی کہ اس کے بعد وہ کبھی نہ
سکے (جمہ) جائیں۔

ش ر ع

الشُّرْعُ - وہ کتاب جس پر آدمی اور جانور پانی دینے کے لئے آتے
ہیں۔ لیکن اس کے لئے خصوصیت یہ ہے کہ پانی مسلسل بہنے والے چشمہ سے
رہے جو بند نہ ہو، کھلا ہوا اور سطح زمین پر جاری ہو۔ یعنی اسے
شُرْعٌ و حفظ و رغبت۔

حاصل کرنے کے لئے کسی رسمی وغیرہ کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر بے رش وغیرہ کا جمع شدہ پسانی ہو، تو وہ شریعت نہیں بلکہ "کھلائیگا"۔ اسی سے الشَّارِعُ۔ عدم راستہ کو کہتے ہیں جس پر سب لوگ چل سکتے ہوں۔ الشَّرِيعُ۔ سیدھے راستہ کو جو واضح اور کھلا ہو۔ ابن الاعراسی نے کہا ہے کہ شَّرِيعُ کے معنی ظہر ہیں۔ یعنی ظاہر ہو گیا۔ قبول کیا۔ شَرِيعَتِ الشَّرِمَاحِ کے معنی ہیں نرمے سیدھے کئے گئے۔ اَشْرَعُ سَقْسُ۔ اس نے اس چیز کو بہت بند کر دیا۔ اَلشَّرِيعُ۔ کستی کے باندھان کو کہتے ہیں۔ اَلشَّرِيعَةُ۔ دروازے کی چوکھٹ کو بھی کہتے ہیں۔ اَلشَّرِيعَةُ۔ و الشَّرِيعَةُ۔ سیدھا اور واضح راستہ*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو سول کی جانب سے کھول دینا۔ یعنی اِشْرَاحِ کھول دینا کہ وہ یہاں سے وہاں تک پوری کی پوری سامنے آ جائے۔

سورۃ شوریٰ میں ہے شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الشَّرِيعِ (۱۲۱)۔ خدا نے تمہارے لئے اس نظام زندگی (الشَّرِيعِ) یا قانون حیات کو نمایاں اور واضح کیا ہے۔ سورۃ جاثیہ میں ہے لَبِمْ جَعَلْنَاكَ عَدَسِ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُورِ (۱۸)۔ ہمارے لئے تجھے الامر (دین کے معاملہ) میں ایک کھسے اور واضح راستے پر لگا دیا۔

ن آیات میں (شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الشَّرِيعِ)۔ یہ شَرِيعَةُ مِّنَ الْأُمُورِ سے (مفہوم خرد تدبیر ہے۔ یعنی خدا کا منعین کردہ راستہ۔ سورۃ مائدہ میں پہلے یہ کہا گیا ہے کہ "ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو ن حقائق کو سچ کر کے دکھانے والی ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی۔ اور یہ ن سب کی تعلیم کی محافظ ہے۔ مومنوں کے متعلق فیہ معاملات میں ماسا انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کر۔ اور جب تمہارے پاس حق آچکا ہے تو پھر ان کے جہالت و خواہشات کے تابع مت کرو"۔ اس کے بعد ہے لَبِمْ جَعَلْنَاكَ سِرْ عَمَةٍ وَ مِّنْهُ جَمًا (۱۸)۔ اور ہم نے تمہیں سے ہر ایک کے لئے ایک سرشت ارسل اور منہاج (طریقہ) مقرر کیا (تیدا)۔ یہاں شَرِيعَةُ کے معنی تدبیر کے وہ شعبہ متبہل اصول نہیں جو حضرت نوحؑ سے بھی اکرمؑ تک ہر نبی کو یکساں طور پر ملے گئے تھے (۱۲۱)۔ یہاں اس سے مراد تدبیر کے اصولوں کے تابع وہ جزئی حکام ہیں جو انہیں نے سابقہ کو وقتی ضروریات کے لئے دئے جاتے رہے اور جن میں زمانے کی

تبدیلی کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہی۔ قرآن کریم کے کہنے سے یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قرآن کریم منجانب اللہ ہے تو اس میں ایسے احکام کیوں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک چیز ہے دین کے اصول، اور دوسری چیز ہے جزئی احکام۔ دین کے اصول ہمیشہ ایک رہے لیکن جزئی احکام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اس لئے اگر قرآن کریم کے کوئی حکم، سابقہ اقوام کے کسی جزئی حکم سے مختلف ہے تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کریم منجانب اللہ نہیں۔ اس مفہوم کی تائید سورۃ حج کی وہ آیت کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے اَلَمْ یَکُنْ اَمَّاۗءُ جَعَلْنٰہُمْ نَسَبًا کَاۗوُنًا فَاَنۢتَا زَعَمْتَ کُنۡتَ فِی الْاَمۡرِ اٰتِیًا۔ "اللہ نے ہر قوم کے لئے (دین کے اصول کے لئے) طریقہ تجویز کیا تھا جس پر وہ ہیں۔ (اس طریق میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اصل دین میں نہیں) اس لئے یہ تجویز الہی (اصل دین) کے بارے میں تو تنازع نہ کریں۔"

اس آیت الہیہ "جَعَلْنٰہُمْ نَسَبًا کَاۗوُنًا" اور "فَاَنۢتَا زَعَمْتَ کُنۡتَ فِی الْاَمۡرِ اٰتِیًا" سے کلمہ دین کے اختصار کرتے ہوئے کسی طرح نہیں نکلتے۔ جس جس طریق پر کوئی از خود حکم دے، وہ اس کے اس اختیار و ارادہ میں داخل نہیں دیتے۔ ہمارے کام دین دیننا ہے۔ یہ انسانوں کی اپنی مرضی ہے کہ وہ دین کو اختیار کریں یا اپنے اپنے طور طریقوں پر چلتے رہیں۔ اس مفہوم کی تائید اس سے کی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وَکُوۡلُوا مِمَّا رَزَقَکُمۡۤ اَللّٰہُ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ۔ "اور کھاؤ اور پیو اللہ کی نعمت سے کہ تم شکر کرو"۔ اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ایک کھمبہ بنا دیتا۔ لیکن اس طرح ہمہ را اختیار و ارادہ سب پر ہوتا۔ اور یہ چیز مشیت خداوندی کے خلاف ہوتی۔

ہمارے علم دین اور شریعت ایک الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ شریعت سے مراد، وہ جزئی احکام بنے ہوئے ہیں جن پر امت کے لئے چار ضروری ہیں۔ اسلام کا نام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایجنز حشر مسندت (دین کے صرف اصول دئے ہیں۔ یہ اصول اور وہ چند احکام جو قرآن کریم میں دئے گئے ہیں) ہمیشہ کے لئے ہر اصول رہینگے لیکن ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہنے والے، ہر زمانے کے امت اپنے اپنے جزئی احکام، اپنے زمانے کے مصلحتوں کے مطابق، ہر شے سے خود مرتب کریں گے۔ قرآنی اصول غیر متبدل رہینگے اور یہ جزئی احکام تبدیل ہونے رہینگے۔ ان احکام کو اگر شریعت نہ جائے تو یہ شریعت پر سی رہیں گی اور اصول شریعت غیر متبدل رہینگے۔

روایت تمام انسانوں کی نشوونما کا ذریعہ - یہی وہ نساء ہے جسکی روشنی سے آخر الامر تمام روئے زمین جگمگا ٹٹمگی - وَاسْرَفَتْ اِلَآرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا (۳۹) -

اسْرَافٌ (۳۹) طدوع آفتاب (یا دن چڑھنے) کیمنی آیا ہے - اَمَّا اَمْسٌ مُشْرِقٌ قَیْمٌ آیا ہے - اس کے معنی یہ ہیں کہ عذاب نے انہیں اسوقت کسرفت میں لے لیا جب ان پر سورج کی روشنی سڑ رہی تھی - یعنی طدوع آفتاب کے وقت -

ش ر ک

الشِّرْکُ کے بنیادی معنی تیس چمٹے رہنا - خط ملط ہو جانا - شَرَّکْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں فلاں کا ساتھی ہو گیا - اور الشِّرْکُ الْفُلَانُ کے معنی ہیں معصمہ گندہ ہو گیا - مُشْتَرِکٌ کے معنی ہیں ایک کا دوسرے کے ساتھ کسی کام میں شریک ہو جانا - فُلَانٌ شَرَّیْکُ فُلَانٍ - فلاں شخص کسی دوسرے شخص کا شریک کار یا مساجھی ہے - نیز اس کے معنی ہیں کسی کی بہن یا بیٹی سے شادی کر کے اس کے خاندان سے رشتہ داری پیدا کر لینے والا - اسکی جمع شُرَکَاءُ ہے - الشِّرْکُ سکاری کے جال کو کہتے ہیں - نیز وہ چھوٹے چھوٹے راستے جو بڑے راستے (اُمُّ الشِّرْکِ یَقِی) سے نکلیں اور آگے جا کر ختم ہو جائیں - ان کا واحد شَرَّکٌ ہے ** -

شِرْکٌ - قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے - اسکے معنی ہیں خدا کی قوتوں کو خدا کے ہمسر سمجھنا - جو اختیارات صرف خدا کیمنی مخصوص ہیں ان کا حامل دوسروں کو بھی سمجھنا - انسانوں کے خلود مابعدہ قیونین کو، قیون خلدونی کے برابر سمجھنا - خدا کے حق ملکیت میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا - قرآن کریم کی تعبیر یہ ہے کہ اس کائنات میں شر سے انسان کیمنی تابع فرمان نر دی گئی ہے اور انسان صبر برابر نہیں - کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے سے ہنی بدست نرائے - لہذا اس کائنات میں، انسان سے برتر کوئی اور قوت نہیں - انسان سب برابر اور کائنات کی دیگر اشیا انسان سے فروتر - بس ایک خدا کی ذات ہے جو انسان سے برتر ہے - لہذا انسان کا خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنے سے برتر سمجھنا خود اسکی

[illegible]

اَشْرَکَ - اس نے شرک کیا، اس سے اسم فعل مُشْرِکُ ث: یعنی
شرک کرنے والا۔ اسکی جمع مُشْرِکُونَ و: مُشْرِکَاتٌ ث:۔

[illegible]

شیر توڑ - صر - مس - ہے - اور بختب نرقی - ہر - ہر - ہر - راستے
 ان - حق - مس - ہو - مس - ہے - بہر - نور - نور - مس - ہے - اور
 جیوری دور - ہے - نور - ہے - مس - ہے - مس - ہے - مس - ہے - مس - ہے -

شرک ہزار دہا ہے۔ (۳۲: ۱۷)۔ اس لئے کہ فرقوں میں آخری مند انسان ہوتے ہیں۔ دین میں سزا اور جنت صرف خدا کی کتاب میں ہے۔

نہ۔ شرک یہی نہیں کہ انسان بتوں کی یا سُرودوں کی پرستش کرنے لگ جائے۔ شرک یہ بھی ہے اور یہ شرک بہت بڑا ہے کہ اسے بتوں نے بنائے ہوئے قانون کو خدا کے بتوں کا درجہ دیا جائے اور سب طرح دین کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایسا کرنے والوں کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت مشرک ہوئے ہیں۔ وَمَا يُؤْمِنُ إِلَّا لِسَرِّهِمْ بِإِسْمِهِمْ لِيُشْرِكُوا بِآلِهَتِهِمْ۔ ان میں سے اکثریت انکی ہے جو خدا پر اس طرح ایمان رکھتے ہیں کہ سب کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

جس طرح سارے قرآن حکیم میں توحید کی تفصیل کا یہ سورہ ہے اسی طرح اس میں شرک اور اسکی حریمات و نصیحتات کا ذکر ہے۔ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیم شرک کو مٹانا اور توحید کو قائم کرنا ہے۔ اَللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ معنی یہی ہیں۔ ہر شے خداوندی قانون و کائن کی رعایت سے بنی ہوئی قانون خداوندی کی طاعت کا عملی اقرار۔ مسمیٰ اور مشرک ایک دوسرے کی ضد ہیں (۱۷: ۱)۔ ہر شرک خدائی قوتوں پر بیرونیہ کرنے والے اور خدائی قوتوں کو تسمیہ کرنے والے مشرک ہیں (۱۷: ۱۶)۔

تسمیہ ایک قسم کی وراثت ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں مسرتین کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ہر وقت میں جاری رہا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مسرتین، تمام دنیا کے مشرتین سے شر حاصل ہیں جبکہ مشرتے نہیں۔ ان مقامات میں مشرتین سے مراد زمانہ نزول قرآن کے مسرتین نہیں مسمیوں نے جنگ کے حالات یاد کر کے کہے۔ اس لئے یہ۔ جنگ صرف انہی سے کی جائے گی جو اس قسم کے حالات میں مشرتین۔ یہ نہ دیکر، اسی مشرک سے بچیں اس کے مشرک ہونے کی بنا پر جنگ نہیں کی جائے گی۔ جنگ کا قیود صرف اس کی جائے جو جنگ کے حالات میں مشرتین۔ اس کے لئے قرآن حکیم نے تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

لیکن اسلامی معاشرہ میں مسرتین یا مشرکوں کی جو سوائس قرآن حکیم نے متعین کر دی ہے اور ان سے جس قسم کے تعصبات رکھنے کا حکم دیا ہے، وہ ہر دور کے مسرتین (یا سیر مسمیوں) پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ

(۱۱) جو خصوصیات اور قوتیں خدا کے لئے مخصوص ہیں، ان میں کسی دوسرے کو شریک سمجھنا، شرک ہے۔

(۱۲) اپنے آپ کو خدا کے سوا، کائنات کی کسی قوت یا کسی انسان کا محکوم اور تابع فرمان سمجھنا اور اس کے سامنے جھکنا، شرک ہے۔

(۱۳) قرآن کریم کے علاوہ، کسی اور کی محکمہ اختصار کرنا، شرک ہے۔ اس ضبطہ کے علاوہ، کسی اور ضبطہ کو نہ - حکم ماننا، شرک ہے۔

(۱۴) اس میں وحدت نہا کرتا ہے - فرقوں میں بٹ جانا اور گروہ درگروہ ہو جانا، شرک ہے۔

(۱۵) ایک خدا - اس کا عطا کردہ ایک ضابطہ زندگی - اس پر جانے والی ایک نوبت - اس نوبت کا ایک نظام - یہ ہے نبوت - اس کے خلاف جو کچھ ہے شرک ہے۔

شری

سَرَّی کے معنی بیچنے اور خریدنے دونوں کے آتے ہیں۔ (۱) اور یہی مفہوم بِشْع کا بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خرید و فروخت، جنس کے عوض جنس سے ہوتا ہے جسے (Barter System) کہتے ہیں، تو اس میں یہ تھا کہ ایک شخص کو دوسرے کو دیتا تھا تو اس کے عوض دوسرے سے اس کی جنس خریدنا بھی تھا۔ اس طرح ان دونوں میں سے ہر ایک خریدتا بھی تھا اور بیچتا بھی تھا۔ پہلا یہ کہ خریدنے اور بیچنے دونوں کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ سَرَّی کا اسی مطلب ہے کسی چیز کا بیچنے سے کر کے اس کے عوض دوسری چیز کو بیچنے میں لینا۔ اس اعتبار سے ایک چیز نہ چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری چیز اختیار کر لینے کو ہی سَرَّی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سَرَّی بیچنے کے لئے اور سَرَّی خریدنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں سَرَّی کے معنی اپنے آپ کو روح کا لینے کے ہیں۔ وَ سَرَّوْهُ بِمَمْنَنِ شَخْصٍ (۱۲۱) میں بھی اس کے معنی روح لینے کے ہیں۔ لیکن اِسَاسَتَاہِی (۱۱۱) میں اس کے معنی خریدنے کے ہیں۔ وَ شَرَّیْتَ لِنَبِیْنِ سَرَّوْهُ الشَّیْءَ کَبِالْمُہْرَکَا (۱۲۲) میں اس کے معنی عداوت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنے کے ہیں۔

* تاج و محیط و راغب - ** تاج -

ساتھ ہی میں غور۔ اور اس طرح اس کے معنی گذرہ، صرف، سمت اور جانب، نیز کسی چیز کے بعد حصہ ہو گئے۔ ایک ہو جانے کی جہت سے اس میں دور شوجانے کا مفہوم نہیں پیدا ہو گا۔ چنانچہ "السَّطْرُ" کے معنی میں جو کسی احبابی۔ نیز دور، بعد۔ مَنَزِلٌ۔ مَصِيرٌ۔ دور کی منزل۔ لَشَقٌ حَیْرٌ۔ ذاک کا تیز رفتار گھوڑا جو کسی مسافت کو قلیل عرصہ میں طے کر لے۔ جہت اور سمت کے لئے "سَطْرٌ" سے "سَطْرٌ"۔ میں نے اس کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ ویسے "السَّطْرُ"۔ کسی چیز کے آگے حصے کو بھی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لغتِ اسمت اور جہت کے معنیوں میں آیا ہے۔ سَمَّوْرُ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (سَمَّوْرُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)۔ مسجدِ الحرام کے سمور۔ اس فہرست نے کہا
کہ یہ سمور کے لئے سَمَّوْرُ کا لفظ اس وقت ہوتے ہیں جب اس میں دوری کا
مفہوم بھی شامل ہو۔

ش ط ط

مَسْفُوفٌ - يَسْتَعِظُ - مَعْدُ - دور ہو جانا - مقدار یا حد مفردہ ہے تجاوز کر
جانا - حق سے دور نکل جانا - بے انصافی کرنا - مؤخر الذکر معنوں میں اس معنی
بھی مستعمل ہے ^{۱۱۱} - قرآن کریم میں ہے نَبَا حُكْمِهِمْ يَسْتَعِظُ يَا نَحْفَیَّ وَلَا
تَسْتَعِزْ ^{۱۱۲} - تم میرے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور نہ انصافی نہ کر -
یعنی حق سے دور نہ رہے جہاں - سورہ کہف میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ إِذْ سَمِعْتُمْ

یہ بھی ہے نہایت دشوار اور پتھر کی طرح مرادف اس معنی لکھنا ہے۔
اس میں دو بڑی کلمات ہیں۔ "بین فارس" اس کے بعد دی معنیوں میں
دو بڑی اور جو دو دونوں لکھے ہیں۔ "نہا" و "لا تَنْصِفُ" (۲۲) کے
معنی ہونگے، کسی ایک طرف مت جھک جاؤ۔

ش ط ن

سَمَنْتَن ۴ مشہور بٹی ہوئی اچھی رسی کو کہتے ہیں۔ - بِسْمَرْ ۵ نَسَمُوں ۶۔
اس ناموں کو کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو۔ اچھائی کی نسبت سے ہر
س سے گور جو بہت دور دور ۷ سَمَنَیْن ۸ = ناک طین ۹ کہتے ہیں۔ - برمانی کے نسبتاً۔
سَمَنْتَن ۱۰ (دور دور سے) دوسرے دفعہ بمعنی اکب ۱۱۔ - بین دریں نے بھی
۱۲۔ - ۱۳۔ - ۱۴۔ - ۱۵۔ - ۱۶۔ - ۱۷۔ - ۱۸۔ - ۱۹۔ - ۲۰۔ - ۲۱۔ - ۲۲۔ - ۲۳۔ - ۲۴۔ - ۲۵۔ - ۲۶۔ - ۲۷۔ - ۲۸۔ - ۲۹۔ - ۳۰۔ - ۳۱۔ - ۳۲۔ - ۳۳۔ - ۳۴۔ - ۳۵۔ - ۳۶۔ - ۳۷۔ - ۳۸۔ - ۳۹۔ - ۴۰۔ - ۴۱۔ - ۴۲۔ - ۴۳۔ - ۴۴۔ - ۴۵۔ - ۴۶۔ - ۴۷۔ - ۴۸۔ - ۴۹۔ - ۵۰۔ - ۵۱۔ - ۵۲۔ - ۵۳۔ - ۵۴۔ - ۵۵۔ - ۵۶۔ - ۵۷۔ - ۵۸۔ - ۵۹۔ - ۶۰۔ - ۶۱۔ - ۶۲۔ - ۶۳۔ - ۶۴۔ - ۶۵۔ - ۶۶۔ - ۶۷۔ - ۶۸۔ - ۶۹۔ - ۷۰۔ - ۷۱۔ - ۷۲۔ - ۷۳۔ - ۷۴۔ - ۷۵۔ - ۷۶۔ - ۷۷۔ - ۷۸۔ - ۷۹۔ - ۸۰۔ - ۸۱۔ - ۸۲۔ - ۸۳۔ - ۸۴۔ - ۸۵۔ - ۸۶۔ - ۸۷۔ - ۸۸۔ - ۸۹۔ - ۹۰۔ - ۹۱۔ - ۹۲۔ - ۹۳۔ - ۹۴۔ - ۹۵۔ - ۹۶۔ - ۹۷۔ - ۹۸۔ - ۹۹۔ - ۱۰۰۔ - ۱۰۱۔ - ۱۰۲۔ - ۱۰۳۔ - ۱۰۴۔ - ۱۰۵۔ - ۱۰۶۔ - ۱۰۷۔ - ۱۰۸۔ - ۱۰۹۔ - ۱۱۰۔ - ۱۱۱۔ - ۱۱۲۔ - ۱۱۳۔ - ۱۱۴۔ - ۱۱۵۔ - ۱۱۶۔ - ۱۱۷۔ - ۱۱۸۔ - ۱۱۹۔ - ۱۲۰۔ - ۱۲۱۔ - ۱۲۲۔ - ۱۲۳۔ - ۱۲۴۔ - ۱۲۵۔ - ۱۲۶۔ - ۱۲۷۔ - ۱۲۸۔ - ۱۲۹۔ - ۱۳۰۔ - ۱۳۱۔ - ۱۳۲۔ - ۱۳۳۔ - ۱۳۴۔ - ۱۳۵۔ - ۱۳۶۔ - ۱۳۷۔ - ۱۳۸۔ - ۱۳۹۔ - ۱۴۰۔ - ۱۴۱۔ - ۱۴۲۔ - ۱۴۳۔ - ۱۴۴۔ - ۱۴۵۔ - ۱۴۶۔ - ۱۴۷۔ - ۱۴۸۔ - ۱۴۹۔ - ۱۵۰۔ - ۱۵۱۔ - ۱۵۲۔ - ۱۵۳۔ - ۱۵۴۔ - ۱۵۵۔ - ۱۵۶۔ - ۱۵۷۔ - ۱۵۸۔ - ۱۵۹۔ - ۱۶۰۔ - ۱۶۱۔ - ۱۶۲۔ - ۱۶۳۔ - ۱۶۴۔ - ۱۶۵۔ - ۱۶۶۔ - ۱۶۷۔ - ۱۶۸۔ - ۱۶۹۔ - ۱۷۰۔ - ۱۷۱۔ - ۱۷۲۔ - ۱۷۳۔ - ۱۷۴۔ - ۱۷۵۔ - ۱۷۶۔ - ۱۷۷۔ - ۱۷۸۔ - ۱۷۹۔ - ۱۸۰۔ - ۱۸۱۔ - ۱۸۲۔ - ۱۸۳۔ - ۱۸۴۔ - ۱۸۵۔ - ۱۸۶۔ - ۱۸۷۔ - ۱۸۸۔ - ۱۸۹۔ - ۱۹۰۔ - ۱۹۱۔ - ۱۹۲۔ - ۱۹۳۔ - ۱۹۴۔ - ۱۹۵۔ - ۱۹۶۔ - ۱۹۷۔ - ۱۹۸۔ - ۱۹۹۔ - ۲۰۰۔ - ۲۰۱۔ - ۲۰۲۔ - ۲۰۳۔ - ۲۰۴۔ - ۲۰۵۔ - ۲۰۶۔ - ۲۰۷۔ - ۲۰۸۔ - ۲۰۹۔ - ۲۱۰۔ - ۲۱۱۔ - ۲۱۲۔ - ۲۱۳۔ - ۲۱۴۔ - ۲۱۵۔ - ۲۱۶۔ - ۲۱۷۔ - ۲۱۸۔ - ۲۱۹۔ - ۲۲۰۔ - ۲۲۱۔ - ۲۲۲۔ - ۲۲۳۔ - ۲۲۴۔ - ۲۲۵۔ - ۲۲۶۔ - ۲۲۷۔ - ۲۲۸۔ - ۲۲۹۔ - ۲۳۰۔ - ۲۳۱۔ - ۲۳۲۔ - ۲۳۳۔ - ۲۳۴۔ - ۲۳۵۔ - ۲۳۶۔ - ۲۳۷۔ - ۲۳۸۔ - ۲۳۹۔ - ۲۴۰۔ - ۲۴۱۔ - ۲۴۲۔ - ۲۴۳۔ - ۲۴۴۔ - ۲۴۵۔ - ۲۴۶۔ - ۲۴۷۔ - ۲۴۸۔ - ۲۴۹۔ - ۲۵۰۔ - ۲۵۱۔ - ۲۵۲۔ - ۲۵۳۔ - ۲۵۴۔ - ۲۵۵۔ - ۲۵۶۔ - ۲۵۷۔ - ۲۵۸۔ - ۲۵۹۔ - ۲۶۰۔ - ۲۶۱۔ - ۲۶۲۔ - ۲۶۳۔ - ۲۶۴۔ - ۲۶۵۔ - ۲۶۶۔ - ۲۶۷۔ - ۲۶۸۔ - ۲۶۹۔ - ۲۷۰۔ - ۲۷۱۔ - ۲۷۲۔ - ۲۷۳۔ - ۲۷۴۔ - ۲۷۵۔ - ۲۷۶۔ - ۲۷۷۔ - ۲۷۸۔ - ۲۷۹۔ - ۲۸۰۔ - ۲۸۱۔ - ۲۸۲۔ - ۲۸۳۔ - ۲۸۴۔ - ۲۸۵۔ - ۲۸۶۔ - ۲۸۷۔ - ۲۸۸۔ - ۲۸۹۔ - ۲۹۰۔ - ۲۹۱۔ - ۲۹۲۔ - ۲۹۳۔ - ۲۹۴۔ - ۲۹۵۔ - ۲۹۶۔ - ۲۹۷۔ - ۲۹۸۔ - ۲۹۹۔ - ۳۰۰۔ - ۳۰۱۔ - ۳۰۲۔ - ۳۰۳۔ - ۳۰۴۔ - ۳۰۵۔ - ۳۰۶۔ - ۳۰۷۔ - ۳۰۸۔ - ۳۰۹۔ - ۳۱۰۔ - ۳۱۱۔ - ۳۱۲۔ - ۳۱۳۔ - ۳۱۴۔ - ۳۱۵۔ - ۳۱۶۔ - ۳۱۷۔ - ۳۱۸۔ - ۳۱۹۔ - ۳۲۰۔ - ۳۲۱۔ - ۳۲۲۔ - ۳۲۳۔ - ۳۲۴۔ - ۳۲۵۔ - ۳۲۶۔ - ۳۲۷۔ - ۳۲۸۔ - ۳۲۹۔ - ۳۳۰۔ - ۳۳۱۔ - ۳۳۲۔ - ۳۳۳۔ - ۳۳۴۔ - ۳۳۵۔ - ۳۳۶۔ - ۳۳۷۔ - ۳۳۸۔ - ۳۳۹۔ - ۳۴۰۔ - ۳۴۱۔ - ۳۴۲۔ - ۳۴۳۔ - ۳۴۴۔ - ۳۴۵۔ - ۳۴۶۔ - ۳۴۷۔ - ۳۴۸۔ - ۳۴۹۔ - ۳۵۰۔ - ۳۵۱۔ - ۳۵۲۔ - ۳۵۳۔ - ۳۵۴۔ - ۳۵۵۔ - ۳۵۶۔ - ۳۵۷۔ - ۳۵۸۔ - ۳۵۹۔ - ۳۶۰۔ - ۳۶۱۔ - ۳۶۲۔ - ۳۶۳۔ - ۳۶۴۔ - ۳۶۵۔ - ۳۶۶۔ - ۳۶۷۔ - ۳۶۸۔ - ۳۶۹۔ - ۳۷۰۔ - ۳۷۱۔ - ۳۷۲۔ - ۳۷۳۔ - ۳۷۴۔ - ۳۷۵۔ - ۳۷۶۔ - ۳۷۷۔ - ۳۷۸۔ - ۳۷۹۔ - ۳۸۰۔ - ۳۸۱۔ - ۳۸۲۔ - ۳۸۳۔ - ۳۸۴۔ - ۳۸۵۔ - ۳۸۶۔ - ۳۸۷۔ - ۳۸۸۔ - ۳۸۹۔ - ۳۹۰۔ - ۳۹۱۔ - ۳۹۲۔ - ۳۹۳۔ - ۳۹۴۔ - ۳۹۵۔ - ۳۹۶۔ - ۳۹۷۔ - ۳۹۸۔ - ۳۹۹۔ - ۴۰۰۔ - ۴۰۱۔ - ۴۰۲۔ - ۴۰۳۔ - ۴۰۴۔ - ۴۰۵۔ - ۴۰۶۔ - ۴۰۷۔ - ۴۰۸۔ - ۴۰۹۔ - ۴۱۰۔ - ۴۱۱۔ - ۴۱۲۔ - ۴۱۳۔ - ۴۱۴۔ - ۴۱۵۔ - ۴۱۶۔ - ۴۱۷۔ - ۴۱۸۔ - ۴۱۹۔ - ۴۲۰۔ - ۴۲۱۔ - ۴۲۲۔ - ۴۲۳۔ - ۴۲۴۔ - ۴۲۵۔ - ۴۲۶۔ - ۴۲۷۔ - ۴۲۸۔ - ۴۲۹۔ - ۴۳۰۔ - ۴۳۱۔ - ۴۳۲۔ - ۴۳۳۔ - ۴۳۴۔ - ۴۳۵۔ - ۴۳۶۔ - ۴۳۷۔ - ۴۳۸۔ - ۴۳۹۔ - ۴۴۰۔ - ۴۴۱۔ - ۴۴۲۔ - ۴۴۳۔ - ۴۴۴۔ - ۴۴۵۔ - ۴۴۶۔ - ۴۴۷۔ - ۴۴۸۔ - ۴۴۹۔ - ۴۵۰۔ - ۴۵۱۔ - ۴۵۲۔ - ۴۵۳۔ - ۴۵۴۔ - ۴۵۵۔ - ۴۵۶۔ - ۴۵۷۔ - ۴۵۸۔ - ۴۵۹۔ - ۴۶۰۔ - ۴۶۱۔ - ۴۶۲۔ - ۴۶۳۔ - ۴۶۴۔ - ۴۶۵۔ - ۴۶۶۔ - ۴۶۷۔ - ۴۶

اس کے بنیادی معنی دور دورے کے رکھنے میں - شَیْطَان کے معنی نہیں وہ بہت دور چلا گیا - شَیْطَان صَاحِبِہ کے معنی ہیں اس نے اپنے ساتھی کے رخ اور قصد کی مخالفت کی ، اس کی نیت کے خلاف اپنی نیت رکھی - ہمیں سے اس کے معنی مخالفت اور سرِ نسی کے لئے جاتے ہیں * - اسی سے لُفَّ شَیْطَان ہے - جسکے معنی ہونکے ۱۱ خدا کی رحمتوں سے دور - زندگی کی خسرونگو رسوں سے محروم اور (۲) سیرہی راہ دیوڑ در شیط راستے پر جسے ولا - سر - نس -

شَیْطَان - ایک مسورت مسائب لوسنی کہتے ہیں - ور رعووس
لُفَّ شَیْطَان - ناک معنی نھوھر لو کہتے ہیں * - ابن فارس نے بھی لکھے
یہی معنی لکھے ہیں) -

عض کا خیال ہے کہ شَیْطَان در اصل شیط - یثیہ لُفَّ سے مشتق ہے - شَیْطَان کے معنی ہیں حل جان - ہلاک ہو جان - شَیْطَان شَیْطَان کے معنی ہیں وہ چیز حل گئی - شَیْطَان شَیْطَان و الزیٹ - گئی - نال اس قدر نرم ہوا کہ اس میں ک سی ناکے لگی - اس سے شَیْطَان کے معنی سر نش -
شعدہ صفت اور تخریبی نتائج سے کرنے والے کے ہوئے * -

قرآن درہم میں ہے کہ شَیْطَان کَانَ رَاۤیِضًا مِّنۢ وَعۢصِیۃِ الْاِنۡسِ - شَیْطَان احکام خداوندی سے سر نشی رہنے والا ہے - سورہ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے غصہ میں شَیْطَان کے قہقہے کے مکر سے راہ سے وہ مر لیا تو آپ نے کہا کہ عَصَا مِیْن شَیْطَان اُتٰی - یہ - شیطانی کام ہو گیا - اس سے نہ شر ہے نہ حسد ہے نہ عیب ہے نہ جو غم نہ نہ جائے سے شَیْطَان سے تعبیر نہ جائے - (نہ ۱۱) - عو لول کہہ سراوندی کی مخالفت کرنے ان کے سرخیزوں کو بھی شَیْطَان کہا گیا ہے - و ذَا خَمَوۡا۟ اِیۡسٰی نَسِیۡمَیۡہِیۡمَہُ (۱۲) - کے یہی معنی ہیں کہ جب یہ لوگ ہنی ہارٹی کے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں -

ان وحسی و سر نش ہارٹی کے لوگوں کو بھی حضرت عَصَا مِیْن نے مطیع بنا کر کام میں لگا رکھا تھا - شَیْطَان نہ کہ شَیْطَان و ہارٹ -
سائب کے لئے یہ نغمہ قدس حضرت ایوبؑ میں آیا ہے (۱۳) - عربیہ ہارٹ (مرزا ابو الفضل) میں قوس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شَیْطَان کے معنی یہاں کی شدت کے بھی ہیں - اس لئے حضرت ایوبؑ کے قصے میں شَیْطَان شَیْطَان شَیْطَان کے معنی سائب کا حیدر جان اور یہ اس کا شہہ دونوں ہو سکتے ہیں -
* تاج ولس - * ہارٹ ولس میں - یہاں کے معنی رکوس پیدا کرنے والے کے ہیں -

نیز (۱۱) میں رَجُوزَ الشَّيْطَانِ کے معنی پیاس کی وجہ سے پیدا شدہ کوفت اور نتاھت بنی ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں شَجَرَةُ الزَّيْتُونِ کے متعلق کہا گیا ہے مَتَّعْنَاهُ كَنَازَةٍ رُءُوسُ الشَّيْطَانِ (۱۲) یعنی اس میں سے جو نفوٹ کر نکلتا ہے وہ ایسا ہون ہے جسے شیطانوں کے سر (سہن) جس طرح : گ بنی تھوہر کے چوڑے چوڑے پتے ہوتے ہیں۔

کھنڈوں اور نجوموں کو بھی شَيْطَانِ کہا گیا ہے (۱۳ و ۱۴)۔

قرآن کریم کی رو سے ہر وہ قوت جو خداوندی سے سرکشی اختیار کرتی ہے شَيْطَان ہے، خواہ وہ انسان کے اپنے بنے ہوئے اور سرکش جذبہ ہوں اور خواہ نظم خداوندی کی مخالف جماعتیں اور ان کے سرغنہ۔ سرکشی اور تخریب ان سب کی امتسازی خصوصیت ہے، اور صحیح نظام کے قیام میں روئیں پیدا کرنا ان کا کام۔ شیطان اور طاغوت ایک ہی ہیں۔ اور طاغوت ہر غیر خداوندی قوت کا نام ہے۔ (۱۵ و ۱۶)۔

[شَيْطَان کے متعلق مزید بحث - ہِلْمِیْنس کے عمون (ب - ل - س) اور (ع - ب - د) میں دیکھئے]۔

ش ع ب

شَيْعُوب - جمع لڑنا اور متفرق کرنا۔ بھاڑنا اور شگاف ڈالنا۔ (احداد میں سے ہے)۔ راغب نے لکھا ہے کہ شَيْعُوب کے معنی جمع کرنے اور متفرق کرنے کے ہیں لہٰذا اس کے شَيْعُوب مین شُورِی، وادی کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اس کا ایک کنارہ مہل ہو لیکن دوسرا کنارہ اس سے جڑا ہوتا ہو۔ جب ہم اس مقام کو دیکھو جو جم ل سے اس کا ایک سرا جدا ہو رہا ہے تو ایسا معلوم ہو کہ جیسے ایک چیز کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، اور جب اس سرے کو دیکھو جہاں دوسرا سرا اس سے ملتا ہے تو دونوں سرے آئے جسے دو سرے یا شمع کر میں رشتے ہیں۔ اس لئے اس کے معنی اکٹھا کرنے اور جدا کرنے، دونوں کے آئے ہیں۔ ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے۔ یعنی اس میں اجتماع کے ساتھ افتراق اور افتراق کے ساتھ اجتماع پایا جاتا ہے۔

شَيْعُوب - بزر قبیلہ - مختلف قبائل کا وہ جسٹراعی جسکی طرف وہ سب منسوب ہوتے ہیں، اور وہ انہیں ملا دیتا ہے۔ جمع شُعُوب (۱۷)۔ قبیلہ، شُعُوب سے خیوا ہوتا ہے۔ شُعُوبَة کے معنی ہیں شاخ، کسی چیز *راغب۔

کا انگ ہو جائے والا ڈکڑا، دوہندوں یا دو شاخوں کے درمیان کا حصہ۔ اسکی جمع شُعَبٌ ہے (بک)۔ نیز شُعْبَةٌ مِینَ الشَّجَرِ۔ درخت کی مختلف شاخیں ہوتی لہذا۔ انشعاب۔ سہار کے درمیان راستہ۔ دو پہر زوں کے درمیان دو پہلی پہلی جگہ ہو۔ شُعْبَان۔ رمضان سے سہ ماہیہ۔ اس مہینے میں عرب ہائی کی تلاش اور لوٹ مار کے لئے منتشر ہو جاتے تھے*۔ اور شُعْبَان شرب کے لئے معنوں میں)۔

شُعْبِیٌّ۔ ایک نبی کا نام ہے جو قوم مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ (بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کے خسر تھے*)۔ [مزد۔ انصاف] "شعیب" کے عنوان میں ملے گی]۔

قرآن کریم کی نبی نعت یہ ہے کہ تم مروج انسان امت واحدہ، ایک عالمگیر برادری ہے (اسلام) لیکن یہ بھی تعارف کی غرض سے یہ مختلف شعوب و قبائل میں بٹ جاتی ہے۔ ان شعوب و قبائل کی تقسیم سے منقسم و مختلف تعارف ہے، جس طرح ہم اپنے بہن بھائیوں کے نام رکھتے ہیں تاکہ ان کے تعارف میں آسانی رہے۔ اس سے کسی قسم کی برتری یا نفوذ و متدبر نہ ہو۔ اس لئے دنیا کی کوئی نسل، کوئی قوم، کوئی قوم دوسروں سے فضل نہیں۔ تمام انسان و قبائل کے لحاظ سے یکساں واجب الکریم ہیں (۱)۔ مدارج کا مدار اعمال میں۔ اور جو سب سے زیادہ خیر اعمال و کردار کا حامل ہو وہ سب سے زیادہ واجب الاحترام ہوتا ہے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا جس میں اللہ تعالیٰ ہے کہ وَاجْعَلْ لِّکُمْ مِّنْ شَعْبَةٍ مِّنْکُمْ رُءُوسًا لِّیَحْمِلُوا ذِکْرَکُمْ وَاجْعَلْ لِّکُمْ مِّنْ شَعْبَةٍ مِّنْکُمْ رُءُوسًا لِّیَحْمِلُوا ذِکْرَکُمْ (۲)۔ جس طرح کسی شہر اور مکتبہ میں ایک شخص سے غرض بخیر تعارف کی آسانی ہو۔ وہی طرح انسانوں کی مکتبی تقسیم بغرض تعارف تھی۔ اگر انسان تمدن ایسی سبکی اختیار کر لے جس میں تعارف کا مقصد قبائلی تقسیم کے بجائے کسی اور طرح کا ہو۔ اس لئے اس طریق کا بغرض تعارف ہی رکھنا ہی ضروری نہیں رہتا۔ یہی رہا ہے کہ میں مدارج کا تعین، سو اس کا مدار شرف انسانیت ہے۔

شعر

سَعْرٌ اور شَعْرٌ۔ انسان کے جسم پر جو مٹا ہوا خیرات ہیں انہیں سَعْر کہتے ہیں۔ (اونٹ کے بالوں کو سَعْر اور بندر کے بالوں کو سَعْر کہتے ہیں)۔ *تاج۔ **محیط۔

یہ تینوں لفظ ہم میں آئے ہیں)۔ اگرچہ زمخشری کے نزدیک شَعَر کا لفظ نسیان اور غیر انسان سب کے بالوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے*۔

الشَّعِیرُ اور الشَّعِیرُ۔ کسی چیز کو سمجھ لینا، جان لینا، تار لینا، معاملات کی ریکیوں کو جان لینا، حواس کے ذریعہ کسی شے کا ادراک کرنا۔ اس سے فعل شَعَرَ۔ یُسَعِّرُ و شَعَّرُ یَشَعِّرُ آتے ہیں۔ اس کے مصادر من الشَّعِیرِ و سَعَرَ و سَعَّرَ و سَعَّرَ و سَعَّرَ و سَعَّرَ و سَعَّرَ و سَعَّرَ۔ اس سے بتایا، معموم، ذرا یا۔ بعض نے کسی شے کا حواس کے ذریعہ ادراک کر لینا ہی اس کے بنیادی معنی قرار دئے ہیں*۔ (ذہنی فساد اور تجربی تصورات عربوں کے ہاں شعور نہیں کہلاتے تھے۔ ان تصورات کو شعور سے تعبیر کرنا عجیبی اصطلاح ہے جو یونانی طرز فکر سے پیدا ہوئی ہے)۔ ہیر السَّعِیرُ کا عدم استعمال کلام منظوم پر ہونے لگا۔ اس کی وجہ راغب نے یہ بتائی ہے کہ شاعری عربوں کی نازک خیالوں، دو نیمہ رازوں اور بے انتہا منجیوں کا مجموعہ ہے۔ شاعیر کو شاعر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی فطرت و ذہانت سے ان معانی کا ادراک کر لیتا ہے جن کا ادراک عام لوگ نہیں کر سکتے۔ البتہ شَعِیر سے جھوٹ بھی مراد لیتے ہیں۔ ورنہ شاعیر جھوٹ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ ورنہ چونکہ بیشتر جھوٹ شاعری میں جگہ دیتا تھا اس لئے یہ مثل بن گئی تھی کہ أَحْسَنُ شَعِیرٍ أَكْثَرُ بَثَّةٍ۔ یعنی سب سے عمدہ شاعری وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ اپنے اندر رکھتی ہو۔ مخالفین رسول اللہ کو سحر و قرآن کفریہ شاعر اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے تھے*۔

سَعَارٌ۔ جنگ میں جو غارت بطور علامت (Cavalry) استعمال ہونے لگے۔ سفر میں اپنے قند کو سمجھانے کے لئے جو نشان مقرر کیا جاتا ہے، انہیں شَعَارٌ کہتے تھے۔ سی طرح حج میں لے جانے والے جانور پر نشان لگانے کو سَعَارٌ کہتے تھے اور اس جانور کو شَعِیرُ کہتے ہیں۔ اس کی جمع سَعَائِرُ ہے۔

سَعَارٌ۔ حج کے مکہ و علامت اور کار و اعمال و شے کہتے ہیں۔ نیز تمہ وہ اعمال حج خواجہ کی سعادت کا ظہار کرنے کے لئے ادا کئے جاتے ہیں۔ ان اعمال و علامات کے منہ کو مَسَعِرُ کہتے ہیں۔ اس کی جمع مَسَاعِرُ ہے۔ اس معنی میں شَعَائِرُ بھی آتا ہے*۔

سَعِیرُ۔ بک سترہ کا نام ہے جو سخت گرمی کے زمانے میں نکلتا ہے اور بہت روشن ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں رَبُّ الشَّعِیرِ (۱۹۴) اسی کے لئے

ایسا ہے۔ حادثات میں بعض عرب قبائل اس کی برستیں کھینچتے تھے*۔ لیکن
شریعتوں کو سیکھنے سے متبرک ماننا جائز ہے اس کے معنی عقول و شعور قبول ہے۔

قرآن حکمرانوں میں عقل، تدبیر، فہم، تدبیر، تفقہ، وغیرہ ہے۔ محض
دماغ پر آئے اس۔ ہر مقام پر شعور کو لئے سے ان کا ہر ایک اور لذت فوری
مستحق نہیں تھا۔ لیکن ایک نادر متحرک صفت میں ہے۔ اور وہ یہ کہ
جو لوگ عذر و سبب سے کام نہیں لیتے وہ انہیں حیوانات سے بہتر قرار دیتا ہے۔

قرآن حکمران کے جہول شہسری کی مدد کتاب کی ہے۔ اس میں صراحت
نہیں کہ قرآن حکمران کی رو سے نہ رہیں بہن اور وہ منہبہم قبول ہے اور
نہیں کہ وہ نہ ہو۔ قرآن، اسلوب بہن ہے۔ بہت نہیں کرتا۔ مضمون
بہن ہے۔ بہت کرتا ہے۔ شہسری سے اس کی مراد، وہ جناب برسی کے جو
حکمت سے بہت نہیں کرتی۔ چنانچہ سورہ اس میں جنہوں میں نے انہیں ہے کہ
وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْتَبِهُنَّ لَهُ أَهْلٌ ۚ وَكُلٌّ مِنْهُمْ قَوْمٌ فَاسِقُونَ
کی تعلیم نہیں دی ورنہ ہی شہسری ایک ہیجڑہ نہ رہتے نہ ان میں
شوق ہے۔ تو سب کے ساتھ ہی یہ نہ ہو کہ انہیں شہسری کہتے ہیں
مُتَّبِعِينَ ۚ ۱۰۰۔ جو انہیں شہسری کہتے ہیں وہ شہسری کہتے ہیں۔ اور
زندگی کے پس منظر پر اور رنج قبول نہیں اور ان کا منہ ہے کہ
بَشَرًا مِمَّنْ كَانُوا فَاسِقِينَ ۚ ۱۰۱۔ جن لوگوں میں زمانہ زمین کی ممانعت
ہے وہ انہیں کہتے ہیں۔ زندگی کی منہ روس کے نہ ہو۔ ان کے منہ سے کہتے ہیں
ہے۔ معنی قرآن شہسری، شہسری کہتے ہیں۔ اور ان کے کہتے ہیں کہ
نہیں ہے۔ اور شہسری کہتے ہیں کہ بہت جانتے ہیں۔ شہسری کہتے ہیں۔
نے۔ شہسری کے معنی شہسری کہتے ہیں کہ ایک ایسے وقت کی طرح، جسے شہسری کہتے ہیں
کی بہت ہی اور سے اُدھر اور اُدھر سے شہسری کہتے ہیں کہ شہسری کہتے ہیں۔
کی زندگی میں ہمارے ہمارے پھرتے ہیں۔ ہر ایک کی شہسری کہتے ہیں کہ
جوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہسری کہتے ہیں کہ شہسری کہتے ہیں کہ
بہت رسول ۱۰۲۔ اور اس کے معنی اس کے معنی میں ہے۔ شہسری کہتے ہیں کہ
میں شہسری کی ضد (شہسری) شہسری کہتے ہیں کہ شہسری کہتے ہیں کہ
حونکہ شہسری کہتے ہیں کہ بہت کرتا ہے۔ شہسری کہتے ہیں کہ شہسری کہتے ہیں کہ
نہیں ہے۔ اس کی رو سے قبول نہیں ہو سکتی۔

اس میں اور۔ * دیکھو منوں ہی۔ * دیکھو منوں ہی۔ * دیکھو منوں ہی۔

[illegible][illegible]

متصل علاقہ میں ، سکونت پزیر ہوا اور اس کی نسل ، تماریح کے اوراق میں قوم مدین کے نام سے متعارف ہوئی ۔ ان کا زمانہ قریب . . . ق . . . سمجھنا چاہئے ۔ یہ قوم یہیں بڑھی ہوئی ۔ قریب چار سو سال تک ان کی یہی حالت رہی ۔ تا آنکہ ان میں حضرت شعیبؑ کی ہمت ہوئی ۔ جب حضرت موسیٰؑ مصر سے بنائے گئے تھے ، تو مدین کی بستی کی طرف ہی آئے تھے ۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہاں انہوں نے ایک مرد بزرگ کے محل رہائش اختیار کر لی اور وہ بنی کی خدمت سنبھال لی ۔ اس مرد بزرگ نے اپنی بیوی کا عقد حضرت موسیٰؑ سے کر دیا ۔ (ذیکہش) (۱۰۰ و ۱۰۱) قرآن کریم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ مرد بزرگ کون تھے ۔ لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ حضرت شعیبؑ تھے ۔ قصور میں ان کا نام کہیں راعوبیل ۔ کہیں یرو اور کہیں حوہاب لکھا ہے ۔ مورخین کا خیال ہے کہ آپ کا نام حوہاب ہی تھا (تورات) ۔ کتاب تثنی نام ۱ ۔ اور باقی نام ان کے انساب تھے ۔ اور یہی حوہاب قرآن کریم میں شعیبؑ کے نام سے موسوم ہیں ۔ اس اعتبار سے حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ایک ہی ہے ۔ یعنی قریب . . . ا . . . ق . . .

تورات میں مذکور ہے کہ مدین کا ایک اور بڑا تھا جس کا نام یثبان تھا ۔ اس کا یہ دوان اپنے چچ مدین کے قریب ہی آباد ہو گیا ۔ یہ علاقہ بہت سرسبز و سادات اور نئے چھوٹے سے لے کر بڑے تھا ۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیبؑ قوم مدین کی طرف (۱۰۱) اور اصحاب الایکہ کی طرف (۱۰۶) مبعوث ہوئے تھے ۔ رب تعالیٰ کا خیال ہے کہ اصحاب الایکہ ، بنو دوان ہی تھے ۔ قرآن کریم نے قوم مدین اور اصحاب الایکہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ وہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے ۔

حضرت شعیبؑ نے انہیں جو تہن کی اس سے پتہ چلا ہے کہ ان میں اس اس قسم کے جبر نہ پیدا ہو چکے تھے ۔ آپ نے ان سے کہا ۔ یٰقَوْمِ عِزُّوْا اللّٰہَ ۔ مَا لَکُمْ مِّنْ شَیْءٍ (۱۰۶) ۔ اے میری قوم ! اللہ کی عبادت میں اختیار کرو ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی اور الہ نہیں ۔ . . . فَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۔ اِنِّیْ اَتٰیْبَتُکُمْ شَہٰدًا ۔ اَسْمِعُوْهُمْ وَلَا تَسْمِعُوْا فِی الْاَرْضِ سَعٰی ۔ (۱۰۷) ۔ تمہیں چاہئے کہ عہد تو لو پورا کرو ۔ اور ان کی چیزیں کہہ نہ دو ۔ تمہارے اسرار کے بعد اس میں عہد نہ کرنا ۔

اس سے واضح ہے کہ اس قوم میں سخت معی ناعمواریں پیدا ہو چکی تھیں جنہیں دور کرنے کے لئے حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے ۔ آپ نے ان

تک اپنی دعوت پہنچائی اور (حسب معمول) قوم کے سرمایہ دار طبقہ (سردارانِ قوم) نے آپ کی سخت مخالفت کی اور دشمنی کی کہ آپ اور آپ کے ساتھی انہی کا مسلک اختیار کر لیں ورنہ وہ ان سب کو ہستی سے نکل دینگے (۱۰۸)۔

سورۃ ہود میں بھی قوم کی طرف سے ایک ایسا اعتراض کیا گیا ہے۔ جو اسلام کی ایک عظیم حقیقت کو اپنے غیوتوں میں لٹے ہے۔ انہوں نے کہا:

يَسْتَعْجِلُ - اَصْلُؤْنُكَ نَارًا مَّرْكُوتًا اَنْ نَّتْرُكَ مَا سَعَجِبْنَا بِكَ كَافِرًا
اَوْ اَنْ نَنْفَعَلَ رِيفًا اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ... (۱۰۸)۔ ”اے شعیب! زہری صدقہ تجھے یہ حکم دستی ہے کہ (ہمیں کہے کہ) ہم ان معبودوں اور چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پر جتے رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے مال و دولت میں جس قسم کا تصرف کرنا چاہیں نہ کریں؟

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں صدقہ اور معاشیات کا تعلق نفس و سرگہرا ہے۔ صدقہ سے مقصود ہے قوانین خداوندی کا اتباع۔ اور قوانین خداوندی معاشیات کو بھی اپنے دائرے کے اندر رکھتے ہیں۔ اس لئے صدقہ اور معاشیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

قوم نے اپنی حسرت میں اصلاح نہ کی اور خدا و سرکشی میں آگے بڑھتی گئی، نہ انکے وہ تباہ و برباد ہو گئی۔ سورۃ غافر میں ہے:

الرَّجْفَةُ (۹۱)۔ ”نہیں سرزا دینے والی ہولناکی نے آج“۔ سورہ ہود میں:

الْحَصِيحَّةُ (۹۲)۔ ”اس کے معنی بھی سخت آواز کے ہیں۔ سورہ شعراء میں اسے یَوْمَ تَشْتَقِلُ اَقْوَامُ کہا گیا ہے۔ ”یعنی سائے و زلزلہ“۔ معصوم ہونے کے سخت آواز کے ساتھ زلزلہ یہ جس سے آتش فشاں بہاؤں سے دھوئیں کے بادل نکلتے۔ اور اس طرح یہ قوم تباہ ہو گئی۔

(طبعی حوادث اور عذاب خداوندی کا باہمی تعلق کیا ہے۔ اس کے لیے میری کتاب ”جوئے نور“ میں حضرت نوحؑ کا عنوان دیکھیے)۔

ش غ ف

الشَّعَفَةُ - دل کے خلاف یا پردہ کو کہتے ہیں۔ نیز دل کا اندرونی حصہ۔ سورہ اے قلب۔ سَخَفَتْهُ - اُس کے خلاف دل تک پہنچ گئی۔ سَخَفَتْهُ الشَّجَبُ - محبت اس کے خلاف دل تک پہنچ گئی۔ محبت نے اس کے خلاف دل کو سن کر دبا دباؤ اور اندر داخل ہو گئی۔ اس لئے اللہ کے محبت کو الشَّفَقَةُ کہتے ہیں۔**

اس میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تعاون میں ایک دوسرے کی مدد کرنا مقصود ہونا ہے لیکن شفاعت میں ایک شخص، دوسرے شخص کی مدد کے لئے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

اب اس سے آگے بڑھئے۔ ہمارے ہاں مروجہ عقیدہ یہ ہے کہ جب قیامت میں حساب کتاب ہوگا اور مجرمین کو دوزخ کی سزا کا حکم ہو جائیگا تو خدا کے مقرب بندے، بالخصوص حضرات انبیاء کرام^۳ (اور ان میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم^۴) خدا کے حضور ان مجرمین کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش پر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیگا۔ اور وہ جنت میں چلے جائیں گے۔ اسے شفاعت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ دین کی ساری عمارت منہدم کر دیتا ہے جسکی بنیاد قانون مکافات عمل پر ہے۔ مَن يَشَاءْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَشَاءْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۱۰۰)۔ ہر عمل کا ذرہ ذرہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور سامنے آجاتا ہے۔ نثر آت ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ ہمارے دور مذہب و کثیف کی پیداوار ہے جب مستبد حکمرانوں کے مقربین ان کے پاس لوگوں کی سفارش کیا کرتے تھے اور انکی سفارش پر مجرمین کو معافی مل جایا کرتی تھی۔ اسکے ساتھ ہی اس سلسلہ کو عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ نے بھی تقویت دی۔ وہ جب کہتے ہونگے کہ ہمارے رسول (حضرت عیسیٰ^۵) کو دیکھو کہ جو شخص ان ر ایماں لے آتا ہے وہ اسکے گناہوں کا کفارہ دیکر اسے جہنم سے بچا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس تمہارا رسول^۶ گنہگاروں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تو اس اعتراض کے نشہ نذر اس قسم کی روایات وجود میں آگئیں کہ قیامت میں جب حساب کتاب ہو چکے گا اور مجرمین دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے تو نبی اکرم^۷ مسجد میں گر جائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے تمام افراد کو دوزخ سے نکل کر جنت میں نہیں بھیج دیگا حضور^۸ نہ سجدے سے سر اٹھائیں گے نہ خود جنت میں جائیں گے۔ اس سے عیسائیوں کے اعتراض کا تو جواب وضع کر لیا گیا لیکن دین کی ساری عمارت بنیاد سے ہل گئی اور قوم تباہیوں کے جہنم میں جا گری۔ قرآن کریم سے اس قسم کی شفاعت کی کوئی سند نہیں ملتی نہ ہی اس میں اس قسم کے عقیدہ کی گنجائش ہو سکتی تھی (۱)۔ اس میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ قانون مکافات کی رو سے لَا تَجْزِي نَفْسٌ مِّنْ نَّفْسٍ نَّسِيتٌ وَلَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ عَذَابٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (۱۰۱)۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ نہ ہی کسی کی شفاعت (سفارش) قبول کی جا

سکے گی نہ ہی کسی سے اس کے لٹاؤں کا معاوضہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔
اور نہ ہی مجرمین کی کوئی مدد کرے گی۔

معاذت کے عقیدہ کی بناء پر قرآن کریم کی اس قسم کی آیات ہمیشہ سر دی
جاتی ہیں جن میں امثالاً یہ ہے "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ" (یہ کون ہے جو اس کے
پہلے سے یہ نتیجہ اخذ کرے گا۔ جو اس کے اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے گا۔)
اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا جائز ہے کہ خدا کی اجازت سے شفاعت کی جا سکتی
ہے اور حضورؐ اپنی امت کی شفاعت خدا کی اجازت ہی سے کر سکتے ہیں۔

لیکن ان آیات سے اس قسم کا نتیجہ اخذ نہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو
اس سے یہ اس قسم کی شفاعت کا عقیدہ قانونِ مکتوت کے یکسر خلاف ہے جو
قرآن صریحہ میں شروع سے آخر تک مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ اہل قرآن
مکتوت کے ساتھ شفاعت کا عقیدہ بھی اسی قرآن کریم میں موجود ہوتا ہے اس کے
یہ معنی ہوں گے کہ قرآن کریم میں (مَعَذَاتُ اللہِ) متفقہ شہادت دے گئے ہیں۔
مثلاً اسی آیت سے دیکھیں جسے اوپر درج کیا گیا ہے۔ اس سے ہمیں ات
یہ ہے "اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَوْ اَنَّهُمْ نَفَعْتُمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُ" (جو ایمان لائے ہیں وہ اس سے
کچھ نہیں) کہہ کر پہلے اس کے ساتھ وہ وقت آجائے "وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)
خَالِفٌ وَلَا يَنْفَعُكُمْ (یہ نہیں)۔ جس میں یہ شہادتوں کی قیمت ادا کر کے جنت
خریدی جا سکتی ہے۔ نہ کسی بزرگ کی دوستی کسی کے نام کے۔ اور نہ ہی
نسی کی شفاعت۔ اس کے بعد اس آیت میں ہے "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ
عِنْدَهُ" (یہ کون ہے جو اس کے پہلے سے اس کا مقابلہ کرے گا۔ وہ خدا کی اجازت
سے سفارش کی جا سکتے ہیں اور یہ سب رشتہ قبول بھی ہو جائے گا تو ان دونوں
آیات میں کھلا ہوا تضاد پایا جائیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس (دوسری) آیت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ ان
مکتوت کی رو سے انسان کے شر میں کتنا نتیجہ ساری کے ساتھ مرتب ہو رہا ہے۔
لیکن قرآن کریم نے جزا و سزا کی معیاد حقیقت سے سمجھنے کے لئے ہمیں
ایسا نقشہ نہیں بچا ہے جیسے مظلوموں کی عدالت میں کسی شوق سے فوراً
کی معاذت کے بعد حکم سنایا جاتا ہے۔ یہ وہاں کے حالات ہیں جو
ہے۔ مستغث ہوتا ہے۔ گواہ ہوتے ہیں۔ سوائس کے۔ یہی شہادتیں ہیں۔ دوسرے
دوسرے۔ قرآن کریم نے اسی قسم کے استعداوں میں حقیقت کو بیان کیا ہے۔ مثلاً
ایک جگہ ہے کہ جس شخص کا اعتقاد ہو رہا ہو وہ عدالت کے سامنے
"وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔ "وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔ "وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔
"وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔ "وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔ "وَلَا يَنْفَعُكُمْ فِيهِمْ" (نہیں)۔

کھڑے ہونے والا کھڑی نہیں ہوگا۔ اور "پولیس کا سامنی، تمہیں پہنچنے سے
 نہ دے گا ہوا ہمارے سامنے لائے گا۔ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ...
 ... (۱۴۱)۔ ہر شخص کے ساتھ ایک پہنچنے سے پہنچنے والا ہوتا ہے۔ اس کے
 ساتھ گواہ بھی ہونگے۔ ... وَنَسِيتُمْ (۱۴۲)۔ یہ گواہ خود بخود اس شخص
 کے ساتھ لائے نہیں خود نہیں گے۔ ان میں سے جسے ہلاک کر دے گا وہ جائیگا
 اور اسے کڑی دینے کی اجازت دی جائیگی۔ یہ ہیں وہ سائِقٌ (۱۴۳)۔ کڑی
 دینے والے (جن کا ذکر قرآن کریم کی اس قسم کی بات میں آیا ہے جن میں
 کہا گیا ہے کہ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (۱۴۴)۔
 وہ جن کے خواہش کی اجازت کے بغیر اس کے حضور اس کے ساتھ نہ جاتا
 ہو سکے، یہ گواہ رسول بھی ہونگے جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا
 يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ رُسُلَهُ لِيُخْشِفُوا لَهُمْ ذَا الْحِجْمَةِ (۱۴۵)۔
 جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے دعوے کرے گا کہ
 ہم یہ دعوت کہ جواب اس طرح دیا تھا تو ان اور رسولوں کے علاوہ (ملائکہ)
 کا کوئی قیامت نہیں مگر اس طرح ہمارے پاس ہے۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ رُسُلَهُ
 وَنَسِيتُمْ (۱۴۶)۔ جس دن "کڑی دینے والے" اور ملائکہ، صرف ہمارے کھڑے ہونگے
 اور کوئی بات نہ کر سکیں گے سوائے اس کے جسے رحمان احسان دے اور وہ
 درست دے گا۔ لہذا ان آیات میں منافعت کے معنی سمجھنا کہ اس
 لئے کہ کسی کے حق میں سچی سماعت دینا یہی حق بہت بڑی مدد شوق ہے۔
 اسکی وضاحت خود قرآن نے کر دی ہے جہاں فرمایا وَرَأَيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ
 يَتَوَسَّلُونَ بَيْنَ دُونِهِمْ أَشْفَاءُ لَهُمْ أَمْ لَا تَعْلَمُونَ (۱۴۷)۔
 اور جنہیں یہ لوگ خدا کے سے مکارے میں وہ منافعت کی طرف اختیار نہیں
 کرتے۔ اس کا اختصار وہ رکھتا ہے جو حق کے ساتھ سماعت دینا ہے۔ یعنی
 منافعت کے معنی سماعت میں۔ اسی التباس کے رفع کرنے کے لئے قرآن کریم
 نے رسول اللہ کو سہارا دیا ہے۔ (۱۴۸)۔ سائِقٌ کہ جس میں نہیں تھا۔ اور
 دوسرے مذاہب کے لوگ جو منافعت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے معنی منقول
 میں ہے کہ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ تَكَلُّفٌ فِي شَيْءٍ سَائِقٌ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ (۱۴۹)۔ انہیں
 ان کے لئے رسول کی طرف سے کوئی دھم نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ خدا کا
 مقولہ ہے کہ مَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۱۵۰)۔ کوئی شخص کسی
 دوسرے کی وجہ سے نہیں بھارتا۔ جنت فقط غسل کے واسطے مہی ہے۔ تَيْدُكُمْ
 جَنَّتُمْ (۱۵۱)۔ اور جنہوں نے ایمان لایا انہیں تَعْمَلُونَ (۱۵۲)۔ انہوں نے
 جنت میں نہ کرنے کا عقیدہ اس قوم میں پیدا ہوا ہے جو قوتِ عمل سے مجروح

ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اس قسم کا عقیرہ یہودیوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب وہ اپنی ہستیوں کی انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم جز چند دنوں کے کبھی جہنم میں نہیں رہیں گے۔^۱ اس پر قرآن کریم نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ سے اس قسم کا ذوق عمہ لے رکھا ہے؟ اور پھر خود ہی کہہ دیا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ سب عتدہ غلط ہیں۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ جو بھی غلط روش اختیار کرے گا وہ توبہ و توبہ ہوگا۔ اور جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کرے گا وہ جنت کا وارث ہوگا۔ (۸۱:۸۲)۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ

- (۱) اس دنیا میں سفاقت کے معنی شونگے کسی نام میں کسی کی مدد کے لئے اس کے ساتھ ہوجانا۔ اگر وہ کام اچھا ہے تو اس ساتھ ہونے والے کو بھی اس کا اچھا جرم ملے گا۔ اگر وہ کام برا ہے تو یہ بھی مجرم کے ساتھ مزا کا کچھ حصہ پائیگا۔
- (۲) آخرت میں سفاقت کا تصور اس قسم کا ہے جیسے کٹو گواہ کسی کے حق میں صحیح شہادت دینے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ یہ تعشی بہن ہے۔
- (۳) مجرموں کا کسی کی سفارش سے چھوٹ جانا، یا کسی کی سفارش سے کسی کو وہ کچھ مل جانا جس کا وہ حق دار نہیں، قرآن کریم کی بنیادی تعبیر کے خلاف ہے، اس لئے سفاقت کا یہ مفہوم صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آئے، ملاق و ملاق سے دیکھ لیتا جائے گا وہاں کوٹسا مفہوم متصور ہے۔

سورة الفجر میں ہے وَأَسْتَفْتِي وَأُسْوَئِرُ (۱)۔ اس کے معنی ہیں وہ منہ رے جو مسکر رہتے ہیں، چمتے ہیں اور وہ جو الگ الگ رہتے ہیں چمتے ہیں۔ یعنی اکٹھے نثر آنے والے اور الگ الگ دئی دینی والے سترے۔

ش ف ق

أَسْتَفْتِي*۔ وہ سرخی جو غروب آفتاب سے شروع ہو کر کچھ دیر بعد تک رہتی ہے۔ راغب نے لکھا ہے کہ سَفَتَق*، غروب آفتاب کے وقت، دن کی روشنی کے رات کی تاریکی میں منہ رے کو کہتے ہیں۔ نیز کتبہ کو بھی سَفَتَق* کہتے ہیں*۔ قرآن کریم میں ہے فَيَلَا أُنْسِي* بِأَسْتَفْتِي (۱)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں رقت رانہ زوری کے ہوتے ہیں۔

اِسْتَنْفِیْ - اِسْتَنْفِیْ - کسی کے ساتھ بہت زیادہ خسر خواہی کی بناء پر
 میں نے کرا کر نہ سے نہیں رہا ہو جائے اور وہ نہ ہو جائے - اِسْتَنْفِیْ مِیْنَهُ -
 اس سے ڈرا - اِسْتَنْفِیْ تَعَلَّیْمَهُ - محبت کی وجہ سے اسکی دیکھ بھال
 کی اور میں ہر نئی تعلیم کے لئے سے عورت رہا - ایسے خسر خواہ ہو مِسْتَنْفِیْ
 اور مِسْتَنْفِیْ کہتے ہیں - چونکہ خوف - کمزوری کی علامت ہوتا ہے اس لئے
 اِسْتَنْفِیْ کمزوری کہہ سکتے ہیں - اِسْتَنْفِیْ - کمزور کہتا ہے -
 چونکہ میں میں خوف اور کمزوری کا بہت ہوتا ہے اسلئے اس حجت کو خدا
 کی طرف منسوب نہیں کرتے -

رغب نے کہا ہے (۱) جب اس کے بعد میں "آئے" تو اس میں خوف کا
 پہلو زیادہ ہے اور فی "آئے" تو خیر خواہی اور مسہرہ کی پہلو نمایاں ہے۔
 لیکن آج نے اسی عبارت میں "آئے" کی جگہ کے "آئے" کی جگہ اور یہی زیادہ
 صحیح ہے۔

سورۂ حزاب میں ہے سَتَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (۱۳۱)۔ انہوں نے اس سے خوف
نہیہ۔ وہ حملِ امانت (امانت میں خدانت کرنے) سے دو گئے۔ سورۂ نساء
میں ہے وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ خَبَرِ الْمُنَافِقِينَ (۱۳۱)۔ وہ اس کے فتنوں کی خلاف
ورزی کے تباہ ہیں نتائج ایسے گھبرائے ہوئے اس سے خوف پیدا کرتے ہیں۔ یعنی وہ
انہی بھڑکی سی میں سے ہیں کہ انہوں نے کھانچے کھانچے رہیں۔

ش ف ۸

مَنْفَعَةٍ مِّنْهُ سَمِعْتُمْ - اس نے ایسے کسی کام میں نیکو کار اس کی توجہ
 دینے کاموں سے ہم دی - سَمِعْتُمْ - اس نے ہونٹ پر مارا - سَمِعْتُمْ - اس
 سے ہم نے نہ سنا کی - سَمِعْتُمْ - دو ہونٹوں کو - سَمِعْتُمْ اور سَمِعْتُمْ
 کہہینگے - جمع شِفَاہ اور شَفَوَات آتی ہیں -

روان عربیہ میں سَنَتَتَن رات کے دو حوٹوں کے لئے ہے۔ جن میں اس
نے ضم کے لئے سَنَتَت کے مادہ میں آخری حرف و او بھی ہو سکتا ہے اور
ماء بھی جو محذوف ہے ****۔

۱۔ غرض غم کے لئے موت نے سبقت لے لی کی اصل سبب تو یہ ہے۔ کہ اس سے پہلے
 ۲۔ غم نے اس سے پہلے موت کو بلایا تھا۔ وہاں بھی دیکھا گیا ہے۔
 ۳۔ ج۔ کہ غم نے موت کو بلایا تھا۔ وہاں بھی دیکھا گیا ہے۔

ش ف و

الشَّفَقَاتُ - چمڑ کا کٹہرہ - ہر چمڑ کی حد - ابن فارس نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ سَفَات (ش - ف - و) سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں فاء - باء سے بدل ہوئی ہو - یعنی سب بدل کر سفا ہو گیا ہو - جب سورج غروب ہو رہا ہو تو کہتے ہیں مَا بَقِيَ مِنْهُ رَمَقٌ سَفَى - یعنی اس کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے * - اس سے اس کے معنی شلالہ سے قریب ہونے کے آئے ہیں - سَفَاتِ الشَّمْسِ - آفتاب غروب ہونے کے قریب ہونا -

قرآن کریم میں ہے سَمِي سَفَا جُرْفٌ (۱۰۰) گڑے ہوئے ساحل کے کنارے پر - نَزَّ سَفَا حُمْرَةً (۱۰۲) - گڑے کے کنارے پر -

الشَّفَقَةُ - غروب کو کہتے ہیں جس کی جمع سَفَوَاتٌ اور سَفَاةٌ ہے - اس سے سَفَاةٌ فَفَقَةُ منہ در منہ بات کرنے کو کہتے ہیں - قرآن کریم میں سَفَفَتَسْنِ (۱۰۱) - دو ہونٹوں کے لئے کیا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے (الشَّفَقَةُ) میں واو محذوف ہو اور یہ بھی کہاء سے محذوف ہو - (نیز دیکھیے غنوں س - ف - ہ - ۱۵)

ش ف ی

سَفَاءٌ - سَفَافٌ - سَفِيفٌ - اسے سفا دی ، ساری سے ٹھیک کرنا - الشَّفِيفَةُ کے معنی بیماری سے چھڑنے والے ہیں - پھر اسے دوا و علاج کے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے * - قرآن کریم میں یہ لفظ مرض کے مقابلہ میں آیا ہے - وَذَا مَرَضْتُ فَبُهِتُوا بِسَفَافِي (۱۰۱) - جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے سفا بخشتے ہیں - اور دوا کے معنوں میں بھی - فَبِهِ سَفِيفٌ لِنَفْسٍ (۱۰۱) - اس میں لوگوں کے لئے سفا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کنارے پر آجائے اور اس سے جہانگاہ کے ہیں - اس کا خیال ہے کہ سفا مرض پر غالب آنے کی وجہ سے سفا کہلاتی ہے -

ش ق ق

سَمَقٌ - يَسْمُقُهُ - سَمٌّ - دسمی چمڑ کو پختہ کرنا - اس میں سقاء درج الشَّقِيقُ - ہوش گرا - اُسْتَقَى - صبح * - اُسْتَقْبَلَ الْعَصَا - سیر رہ بکھیر لیا - * مَحَطٌ - ** راج -

قرآن کریم میں سَقِیٌّ (۱۱۰) آیا ہے۔ یہاں شذوٹ و سعادت کی ضد ہے۔ مدورۃ مریم میں حضرت زکریاؑ کا قول ہے کہہ وَاَنَّهُ اَنْتُ بِيَدِ عَنَائِيكَ رَبِّ سَقِیَّت (۱۱۱)۔ یہاں محرومی و نمرادی مراد ہے۔ سورہ طہ میں ہے مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِیَشْفِیَ (۱۱۲) ہم نے سورہ ہر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ نہ زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ نہ مشقتوں میں بڑھ جائے۔ س "نَشَفِی" کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان ہوا ہے جہاں آدم سے لیا گیا ہے کہ اس جنم میں تیرے لئے سامانِ زیست بڑی فراوانی سے موجود ہے (۱۱۳)۔ لیکن اگر تو ابیس کی باتوں میں آگے تو یہ نتیجے اس جنت سے نکل دیکھا۔ فَتَسْقِی (۱۱۴)۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تو اس تمام سامان سے محروم رہ نہ جگر۔ ش مشقتوں میں بڑھ نہ۔ سورۃ الشَّعْرِ میں ہے کہ جہنم میں وہ جاتا ہے جو آسُقِی (۱۱۵) ہوتا ہے۔ ہر شئی نامراد و نامہر۔ نہ نصب۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آسُقِی (۱۱۶) آیا ہے۔ اس لئے آسُقِی کے معنی سرکش کے بھی ہو سکتے ہیں سورۃ مریم میں جَبَّارًا عَصِیًّا (۱۱۷) ہے۔ سورۃ السجۃ میں جہنموں کے متعلق ہے کہ وہ کم ہنگے کہ غَمَمَاتٌ عَمَمَاتٌ سِیَّوَتْکُمْ (۱۱۸) اعماری بد بختی ہم پر غلبہ آگئی۔ یاد رہے کہ یہ محرومی اور بد بختی، انسان کے اپنے اعمال کے نتیجہ کا نام ہے۔ خورس بختی یا بد بختی انسان کے لئے "مقدر" نہیں ہوتی۔

ش ک ر

الشَّکَرُ۔ اس مادہ میں اصلی معنی بھر جانا اور انہماک اور شکر ہے۔ ابن فارس نے اس کے مختلف بنیادی معنی بتائے ہیں جن میں سے ایک، کسی چیز کا بھرا ہوا ہونا اور مقدار میں کثیر ہونا بھی ہے۔ شَکَرْتُ سَمَاءً۔ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ الشَّکَرُ۔ س دودھ دینے والے سے بھر کو کہتے ہیں جسے اگرچہ چارہ کبھی بھی ملے لیکن اس کے تھن دودھ سے بھرت رہیں۔ ضَرْبٌ شَکَرٌ۔ دودھ سے بھرنے والی۔ شَکَرٌ۔ س و سکی ہو کہتے ہیں جسکے تھن دودھ سے بھرے ہوں***۔

شَکَرْتُ الشَّجَرَةَ۔ درخت کے تنہ پر ٹہنیاں نکل آئیں۔ الشَّکَرُ۔ الشَّمَاعُ۔ بازارش خوب زور سے برسی۔ الشَّکَرُ الشَّحَرُ و الشَّحَرُ۔ سردی اور گرمی بھر سور ہو گئی۔ الشَّکَرُ الشَّلَالُ۔ س شخص نے دل آویز کلام سے خوت کی اور لوگوں کو خوب دیا۔ صاحب تاج العروس کے نزدیک انسان کی *تاج و راغب۔ **محیط۔ ***تاج۔

مَنْ يَشْكُرْ فَاِتِمَامًا يَشْكُرْ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اِلٰهًا غَنِيٌّ
حَمِيدٌ (۱۱۱)۔ جو خدا کی نعمتوں کو بے انتساب و زینہ سے اس سے خود اس کی
ذات کی نشو و نما شوق ہے اور جو ان پر بردے ڈالتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ
نہیں لگتا۔ خود اس کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا انہی ذات میں تو بہن حمہ
و ستائش ہے۔ تمہارے سہاروں کا مددگار نہیں ہے۔

خدا کی نعمتوں کو بے انتساب و زینہ سے اس سے خود اس کی
ذات کی نشو و نما شوق ہے اور جو ان پر بردے ڈالتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ
نہیں لگتا۔ خود اس کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا انہی ذات میں تو بہن حمہ
و ستائش ہے۔ تمہارے سہاروں کا مددگار نہیں ہے۔

خدا کی نعمتوں کو بے انتساب و زینہ سے اس سے خود اس کی
ذات کی نشو و نما شوق ہے اور جو ان پر بردے ڈالتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ
نہیں لگتا۔ خود اس کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا انہی ذات میں تو بہن حمہ
و ستائش ہے۔ تمہارے سہاروں کا مددگار نہیں ہے۔

خدا کی نعمتوں کو بے انتساب و زینہ سے اس سے خود اس کی
ذات کی نشو و نما شوق ہے اور جو ان پر بردے ڈالتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ
نہیں لگتا۔ خود اس کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا انہی ذات میں تو بہن حمہ
و ستائش ہے۔ تمہارے سہاروں کا مددگار نہیں ہے۔

سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ اَللّٰهُ يَتَعَفَّى عَنْكُمْ
يَتَعَفَّى عَنْكُمْ يَتَعَفَّى عَنْكُمْ (۱۲۰)۔ معنی تمہاری معذرت کے وہ
نہی زندگی میں کی تاکہ تمہارا شکر نہ ہو سکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قوموں
کو ان کی موب کے بعد معذرت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ کسی معذرت لاہندوں
کی پوری پوری ننو و نما نہ ممکن۔ جو قومیں اسے نہیں سزا دیں وہ زندہ نہیں
کھلا سکتیں۔ نہ ہی زندہ رہ سکتی ہیں۔

تصویر بحث بالا سے واضح ہے کہ۔

(۱) مساعی کے مشکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں پورے شکر
پیدا ہو جائیں۔ وہ پوری طرح ثمر بار اور نتیجہ خیز ہو جائیں۔

(۲) انسان کی طرف سے شُکْر کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بے نقاب کرے یعنی

(ب) وہ اپنی مضمحل صلاحتوں کی پوری پوری نشوونما کرے اور

(ب) کائنات میں بھیجے ہوئے سامانِ نشوونما کو نوعِ انسانی کی پرورش کسے کھلا رکھے۔ ان پر ردِے نہ ڈالے۔

(۳) یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان قوانینِ خداوندی کی پوری پوری

امتثال کرے۔ ان کے مطابق زندگی بسر کرے۔ یہ انسان کی طرف سے شُکْر ہو گا۔ اور

(۴) خدا کی طرف سے شُکْر کے معنی یہ ہیں کہ وہ انسانی اعمال

میں بہر مور نتائج پیدا کر دے۔ یہ قانونِ خداوندی کی خصوصیت ہے کہ جو اسکے مطابق جتنا ہے اس کی توسیع بہر مور نتائج پیدا کرتی ہیں۔

سورة اللہ میں ہے: **اِنَّا عَدَّ لَکُمُ السَّعِیَّاتِ کِیْرًا وَاَمَّا**

صَعَبُورًا (۱۱۰)۔ ہم نے انسان کو اوحیٰ کے ذریعے صحیح راستہ دکھا دیا

ہے۔ اب اسکی اپنی مرضی ہے کہ چاہے اسے اُختر کر لے اور چاہے اس سے

اُختر کر دے۔ یہاں شُکْر سے مراد کسی بہت بڑی نعمت کی قدر کرنے

ہوئے اسے اختیار کر لینا ہیں۔ سورة نساء میں ہے: **اِنَّ شُکْرَکُمْ لَکُمْ وَاَمَّا**

اِیْرًا (۱۱۱)۔ اگر تم اس شہادت کی قدر کرو اور اس پر ایمان لے لو۔ (۱۱۱) میں

شُکْر کے معنی سے کِیْر سے مراد ہے۔ صاحبِ تفسیر القرآن (مرزا

ابو الفضل) نے لکھا ہے کہ اسکے معنی حصولِ نعمت کے اسباب سے فائدہ

لینا بھی ہیں۔ مثلاً سورة مائدہ میں ہے: **وَمِنْ ثَمَرِ شُکْرِکُمْ اَنْ تَدْعُوْا**

اِلٰی دَاوُدَ نَبِیِّکُمْ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ دَاوُدَ شُکْرًا (۱۱۲)۔

قانون کے مطابق عمل کرو۔ یعنی کائنات کی قانون اور مختلف اسباب و ذرائع

سے فائدہ لینا، ان کا شکر ادا کرنا ہے۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنوں میں تھوڑی چیز پر

اُٹھنا، اُڑنا بھی ہیں۔ چنانچہ **فَرَسٌ** شُکْر سے تھوڑے کچھ کہتے

ہیں جسے فرہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً چارہ بھنی گئی ہو جائے تو اسے

نشوونما دینے سے خود بخود یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ تھوڑے سے

خارجی سہارے بھی بہر مور نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔

ش ک س

سَلَامٌ، **اَلْاِخْلَاقُ**۔ اخلاق کا درست اور نیک ہونا۔ **سَلَامٌ**۔

اس نے اس سے تنگی کا برتاؤ کیا۔ **اَلْاِیْمَانُ** و **اَلْاِیْمَانُ**۔ ایمان کا سہارا۔ دن

اور رات ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ نَشَاكَتًا كَيْسُوْنَا - انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی۔ بسا ائمہوں نے ایک دوسرے سے لین دین اور خورد و فروخت کے معاملہ میں تنگی کا برتاؤ کیا*۔

قرآن کریم میں ہے شَرَّ كَاَعٌ مُّتَشَاكِسُوْنَ (۳۹) - کاروبار میں حصے دار جو تمہارے خوئی کی وجہ سے ایک دوسرے سے جھگڑتے رہیں اور معاملات میں تنگ نظری کا ثبوت دیں۔

ش ک ک

نَشَاكَتٌ - بغض کی ضد ہے۔ راضی نے کہا ہے کہ جب دو متضاد چیزیں کسی شخص کی نگاہ میں ایک جیسی ور یکساں ہو جائیں تو اس کیفیت کو نَشَاكَتٌ کہتے ہیں**۔ صاحب محیط نے کتابت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس طرح عَيْشُم سے یقین کی ابتدا ہوتی ہے اسی طرح سَكَاةٌ سے رَیْب کی ابتدا ہوتی ہے (دیکھئے عنوان ر - ی - ب)۔ اسی وجہ سے کہ سَكَاةٌ مَرُّ رَیْبٌ تو کہتے ہیں لیکن رَیْبٌ مُّسَكَاةً کہتے نہیں کہہ سکتے***۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی چیزوں کا ایک دوسری میں گھس جانا اور داخل ہو جانا بتائے ہیں، چنانچہ سَكَاةً سَكَاةً بیار تَوْحِج کے معنی ہیں میں نے اس کے بدل میں تیرہ گھسا دیا۔ اسی سے سَكَاةٌ ہے کہ اس میں دو چیزیں ایک دوسری میں گھسی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے کوئی شکل جدا نہ اور واضح نہیں ہوتی****۔ راضی نے لکھا ہے کہ سَكَاةً سَكَاةً الشَّقِیَّةُ کے معنی ہیں کسی چیز میں آراء و سوراخ کر دیا اور جب کسی چیز میں یہ کیفیت ہوگی تو اس میں قرار و ثبات نہیں ہو سکتے۔ اور اس پر پختگی سے بدروسہ نہیں کیا جاسکتے کہ یہ خیال ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ سَكَاةٌ سے استعارہ ہو جس کے معنی ہیں بڑا کڑا ہمو سے چمٹ جانا۔ اس طرح اس کا مفہوم یہ ہو جائے گا کہ ایک دوسرے سے مخالف چیزوں کا باہم گر مل جانا اور اس طرح عقل و فہم دونوں کے درمیان داخل ہو کر ان میں سے ایک چیز کو جدا گانہ دیکھنے کا موقع نہ ملے*****۔

سَكَاةٌ بِیْسُوْا لَیْقَمُّمُ کے معنی ہیں ائمہوں نے ایسے تمام مکاتب ایک جیسے بنائے*۔

ان مثالوں سے سَكَاةٌ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ معنی دو متضاد باتوں کا یکساں محسوس ہونا اور اس لئے انسان کا کسی صحیح فیصلہ تک نہ پہنچ سکتا۔

حضرت عیسےؑ کے واقعہ صلیب کے ضمن میں کہا ہے کہ اِنَّ تِلْكَ اَنْتُمْ
خَتَمَتُوْا فِیْہِ لَیْنِیْ نَسْکُتِ مِیْنِہُ (۱۰۰)۔ اس سے سک کے معنی واضح
ہو جاتے ہیں۔ یعنی وَلَکِنْ سُبَّیْہُ لَہُمْ (۱۰۱)۔ حضرت عیسےؑ میں
اور جس شخص کو انہوں نے گرفتہ کیا، اس میں ایسی ناشی و مشابہت تھی کہ ان
پر اصل حال مشتبه ہو گیا۔ یہ وجہ ہے کہ وہ اس کی بہت سک میں ہیں کہ
انہوں نے سمجھا کہ اس اور دراصل ہوا کیا تھا۔ (مصلح مبرور دہلی "نعمہ"
مستور"۔ ذکر حضرت عیسےؑ میں ملیگی)۔

ش کی ل

نَشِیْہَ کُلُّ - (شہر اور زہر کے ساتھ) کسی کی مہل - اُس جیسا -
 فَوْ فُلَانٍ کُلُّ مِیْنِ اَیْیَہِ - فلاں آدمی میں اسے بہت سے مشابہت ہے -
 سَوْرِدِ صَ مِسْ هے وَ خَیْرُ مِیْنِ کُحَیْہِ از وِجْ (بَد) - اُسی قسم کی ، اُس
 سے معنی جتنی رنگا رنگ کی اور سزائیں - اس کی جمع اَشْکُلٌ آتی ہے جسکے
 معنی مختلف عورتیں اور ضرورتیں ہوں - کُلُّ اَلْاَمْرِ - معاملہ گذرنا اور
 مشتبہ ہو گیا* -

اَلْاِسْمُ الْكَلْبُ - میں رسی دلو کہہ رہے ہیں جس سے جانور کی ادنیٰ اور بڑی
 جگہوں پر بندھی جائے گا وہ اس حد تک بڑھ سکتا ہے جس تک وہ رسی
 اجڑت ہے۔ کَلْبُ بَدْرُ قَتْلٍ - میں نے جانور کی کالیں (تکلی سے) باندھ دیں۔
 بَنَ فَرَسٌ لِّمَكْرَهٍ - یہ اس مادہ کے ہمشیر اللہ کے معانی میں ہے اور یہ بھی
 میں سے منسوب ہے۔ وہ لہجہ ہے کہ کَلْبُ الدَّابَّةِ اس نئے کہنے
 میں یہ اس میں جانور کی ایک سانک دو اس جیسی دوسری سانک سے باندھا
 جاتا ہے۔ اَلْاِسْمُ الْكَلْبُ رَفِیْ رَحْمَتٍ - وہ رسی جس سے کچھوہ کے بٹے اور بچھوے
 ہمشیروں کو ہاتھ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ اسمِ کَلْبُ ہے۔ اسی مادہ سے اسمِ فَعْلٍ
 سَرَكْتُ ہے جس کی مفعول سَرَكْتُ ہے۔ اس کے معنی ہوئے باندھنے والے۔
 بَدْرُ قَتْلٍ چھوڑا ہے جسے سَرَكْتُ کہتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے فَسَرَكْنَا
 اِلَیْهِمْ اَسْمٰکَیْنِ عِشْرَیْنِ اَمْرًا - اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس
 حقیقت پر مشورہ ہے کہ کتاب میں ہر چیز کے نام اس کی ممکنہ
 (1) اِسْمُ الْكَلْبُ - اسم کی تہی میں یہ مضاف ہوئے اور یہی
 تہی ہے۔ وہ مناسب ناموں کے بعد کہ درجہ بن جائے جس میں کہ
 حَسْبُ الْاِسْمِ الْكَلْبُ رَفِیْ رَحْمَتٍ - لیکن نہ کر اجول) اَلْاِسْمُ الْكَلْبُ

یاد رہے کہ انسانی اختیارات کی ایک حد ضرور ہے (جس طرح وہ ایک
 نر اور نر ڈھڑا رہ سکتا ہے لیکن دونوں مسائل انسا نر ڈھڑا نہیں رہ
 سکتا۔ لیکن جس حد تک اسے اختیار دیا گیا ہے اس میں وہ بالکل آزاد ہے۔
 اس کے اختیار و ارادہ میں کوئی دخل انداز نہیں ہوتا۔ (مزمع تفہیم ص ۷۷۲)
 کے عنوان میں دیکھئے)۔

ش گ و (ی)

سَكَّوْۤا۟ - مشک یا حنظل کا تسلا جو ہستی بنا دودھ و گھنے گھٹے
 سے میل لگا دیا جاتا ہے اور جسکا صرف دیک طرف سے منہ کھلا ہوتا ہے۔
 سَكَّوْۤا۟ کے معنی ہیں اس مسکڑے منہ کھول دیا تاکہ جو کچھ اس کے اندر
 ہو وہ باہر آجائے، یا نہ ہو جائے۔ اس سے سَكَّوْۤا۟ کا مفہوم واضح ہو
 جاتا ہے۔ یعنی اپنے دل کی کھوپڑی کو نہ کھولے۔ (راغب نے کہا ہے کہ
 اس کے معنی ہیں سراگندہ حال کے انہار کے ہیں)۔ سورۃ یوسف میں ہے
 سَكَّوْۤا۟ بَنَاتِیۡ وَ حُزُنِّیۡ اِنَّ اِلٰہَیۡا فِیۡ ہٰذَا مِیۡمٰنٌ حٰیۡلٌ اور
 رَاجِعٌ شَہِیۡدٌ اِنَّمَا رَآہُنَّیۡ خِیۡمًاۙ مِّنۡ دُہٰنٍ ہٰیۡلٌ۔ دوسری جگہ ہے وَ تَسْتَبِیۡحِیۡ
 فِیۡ الْاُیۡمٰنِ۔ "وہ اللہ سے اپنی حالت کا انہار کر رہی تھی"۔ اسی سادہ
 سے سَمَّوْۤا۟ ہے جس کے معنی ہیں نہ بارہا میں بسا مینہ جو بار نہ ہو۔
 میں نے اس کے معنی چراغوں کے لئے دیے ہیں۔ (۱)۔ سَمَّوْۤا۟ - سحاب

ش م ت

تَدْرِتَ الْعَمَدُ وَ تَسْمَدُ - کسی کے ذہن کا اسکی مشیت پر خوسر
 نہ رہے۔ تَدْرِتَ الْعَمَدُ - اس کے ذہن کو تلافی نہ ہو کر سے خوسر نہ رہے۔
 تَدْرِتَ الْعَمَدُ - فریضہ غضب میں حضرت مدون کے سر پر کڑا کر انہیں اپنی
 بدشاعت سے اپنے سے حضرت مدون کے لئے ان کے لئے تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 میں تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ اور خوسر تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 مدفع نہ دے۔ ویسے تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 اور میں نے تَدْرِتَ الْعَمَدُ سے تَدْرِتَ الْعَمَدُ مراد ہوا ہے۔ جسے تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 کے معنی میں تَدْرِتَ الْعَمَدُ تَدْرِتَ الْعَمَدُ ہے۔

ش م ح

سَمَّوْۤا۟ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ اور تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ اور تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ
 تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ - تَدْرِتَ الْعَمَدُ

آدمی نے اپنی ناک جڑھائی ۔ تکبر کیا * ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی
معنی بڑا اور بلند ہونا بنائے ہیں ۔ قرآن کریم میں رَوَّاسِي شَمِخْتِ (۴۴)
آیا ہے ۔ اپنی جگہ مضبوطی سے جمے ہوئے اونچے اور بڑے بڑے پہاڑ ۔

ش م ز

الشَّمَمُزُ ۔ نفس انسانی کا ذخوش کشید چیزوں سے متنفر ہونا ۔ تَشَمُّزُ
وَجْهَهُ ۔ اس کا چہرہ بگڑا ، منغبر اور منتبض ہو گیا ۔ اَشْمَأَزَ ۔ ڈرنا اور گھبرنا
رونگھے کمرے ہو جانا ، منتبض ہونا ، گھٹ جانا ، تنگی محسوس کرنا ۔ اَشْمَأَزَ
الشَّمَمُزُ ۔ اس نے اس چیز کو ناپسند کیا ۔ اَلْمُشْمِزُ ۔ متنفر ۔ ناپسند کرنے
والا ۔ دہشت زدہ * ۔

سورة زمر میں ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْتَدَّتْ رِقَّتٌ قُلُوبُ
الَّذِينَ لَا يَتُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ الْاٰخِرَةِ (۳۹) ۔ جب ان لوگوں کے سامنے جو آخرت
پر یقین نہیں رکھتے انہیں خدا کا ذکر دیا جاتا ہے تو ان کے دل منتبض
ہو جاتے ہیں ۔ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ ذُكِرَتْ بِسِتْرِ رُؤُوسٍ
(۴۰) اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر دیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوئے ہیں ۔
انسان شخصیت پرستی سے خوش ہوتا ہے اور خاص قانون کی اطاعت اس پر ساری
گزرتی ہے ۔ اس لئے کہ انسانوں کو جذبات کی رو سے خوش کر لینا آسان ہوتا ہے
اور قانون دسی کی رعایت نہیں کرتا ۔ قرآن کریم نے جو دین نوع انسانی کو اپنے
تجویز کیا ہے اس میں خالص قانون خداوندی کی اطاعت مقصود تھی ۔ شخصیت
پرستی کا اس میں کوئی دخل نہیں ۔ لیکن انسانی کمیزشوں نے اس دین کی حاکم
یہ کر دی ہے کہ کوئی بات لیجئے ، اسکی آخری سند دسی نہ کسی انسان تک جگر
رک جاتی ہے ۔ خدا کا قانون (قرآن کریم) بہ حقیقت آخری سند (The Last Law)
کے کہیں نہیں آتا ۔ حتکہ اگر کسی کو ان ارباب من دون اللہ سے ایک ترک
خالص اطاعت خداوندی کی دعوت دی جائے تو وہ اس داعی کا سچا محرم
ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے مسرورجہ
بالا آیت میں توجہ دلائی ہے ۔

ش م س

الشَّمَمُسُ ۔ آفتاب (۴۸) دھوپ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے
بنیادی معنی رنگ برنگ اور متنوع ہونے اور کمرہ قرار پکڑنے کے ہیں
الشَّمَمُوسُ مِّنْ اَلْاَوَابِ وہ جو یہ جسے قرار نہ ہو ۔ آفتاب کو بھی الشَّمَمُوسُ

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ دعویٰ کی گرمی۔
 مَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمِيرًا (۱۶)۔

مَشْرِقُ الشَّمْسِ (۱۷) وہ مقام جہاں سے آفتاب شروع ہوتا معلوم ہو۔
 اَتَمَّ لِي مَرَقَ سَمْتٍ - مَغْرِبُ الشَّمْسِ (۱۸) - وہ مقام جہاں سورج غروب
 ہونے لگے۔ اَتَمَّ لِي مَرَقَ سَمْتٍ -

صاحب غریب القرآن نے لکھا ہے کہ اَرَامُوں کا قومی نشان شَمْسُ
 تھا جس طرح عرب جاہلیت کا قومی نشان قَمَرٌ تھا **۔ (اس اعتبار سے قَمَرٌ
 اور شَمْسُ کے معنی کیلئے ق۔ م۔ رک کا عنوان دیکھئے)۔

اسی لئے لکھا ہے کہ الشَّمْسُ برائے زمانے کے ایک ست کا نام
 ہے ***۔ (ناید امی کی طرف نسبت کر کے عرب عبد شمس نام رکھتے تھے)۔
 اس کا خیال ہے کہ شَمْسُ ایک مشہور چشمہ کا نام تھا۔ ***۔

ش م ل

الشَّمَالُ - بائیں جانب - (یَمِينُ کی ضد ہے) - (۱۹) - يَمِينُ
 اَدْبَارِهَا تَمِينُ وسعدت اور خیر و برکت کا منہر سمجھا جاتا ہے۔ اَمِينُ
 الشَّمَالُ (ادبیاں) نحوست کا نشان - اسی لئے کہتے ہیں زَجَرْتُ لَهَا
 نَسْرَ الشَّمَالِ میں نے اس کے لئے نحوست کے پرندے کو جیڑا۔ قرآن
 کریم میں تَحَابُّ الشَّمَالِ (۲۰) اعلیٰ جہنم کے لئے آیا ہے۔ یہی ہیں
 جن کا عمل نامہ ان کے پاس ہاتھ میں دیا جائیگا (۲۱)۔ اَلشَّمَالُ شَمَالُ
 شَوَا، جو ہر معلوم سرد ہوتی ہے۔ مصر میں یہ بادِ شمال سرد اور خشک ہوتی ہے،
 اور اگر یہ سات دن تک متواتر چمکی رہے تو مصری کھن تیار کرنے شروع
 کر دیتے ہیں کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے *۔

الشَّمَالُ - اس خلاف کو بھی کہتے ہیں جو بکری کے تھن پر چڑھ یا
 جاتا ہے *۔ اور الشَّمَالِيَّةُ - وہ تھنی ہے جس میں انسان لٹ جاتا ہے۔ رطب
 کا نہا ہے کہ شَمَالُ اس لئے کہ لہتے سے جس سے بائیں جانب نہ لٹ جائے۔
 نیز لَرَشَمَالُ یہ متوہب نامی کھڑے میں اس طرح لہنے کے لئے بڑا جاتا
 ہے کہ اس کا بالائی سرا بائیں جانب نہ لٹ جائے ***۔ نیز یہ کھڑے میں لہنے کے
 لئے استعمال ہوتا تھا۔ سی اعتبار سے شَمَالُ غَمْسِ الشَّمْسِ کے معنی
 ہوتے ہیں کسی چیز پر چڑھنا جو ان کے ذریعے اندر سے لڑائی ***۔

* نایج - ** میرزا غلام غفران - *** ابن عربی - راعب - **** محیط۔

اسی قرآن میں ہے کہ وہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے۔ رحیم
تَسْتَمِیْنَ عَنِیُّ تَوَكَّلْ - رحیم نے جو اپنے تبار کے لئے
اللہ اس سے کہ تَسْتَمِیْنَ عَنِیُّ تَوَكَّلْ - رحیم نے جو اپنے تبار کے لئے
جو دو معنوں کے معنوں میں ہے۔

طبع اور عادت کو بھی اُسْتَمِیْلُ کہتے ہیں۔ اسکی جمع تَسْتَمِیْلُ ہے۔
ہم نے اوپر لکھا ہے کہ (ا) عربوں کے تبار یَمِیْلُ سعادۃ اور غم
بغنی کی تفسیر میں ہے۔ اور تَسْتَمِیْلُ، نحوست کی تفسیر ہے۔ اور تَسْتَمِیْلُ قرآن
تَرْجَمَہ میں اُسْتَمِیْلُ ہے۔ اُسْتَمِیْلُ کہتے ہیں کہ وہ تبار کے لئے
الْیَمِیْلُ میں اس جذبہ کو۔ اس سے یہ تبار میں سعادۃ اور غم
بغنی سے۔ و تَسْتَمِیْلُ میں اس طرح تَسْتَمِیْلُ ہے جس طرح عرب غم و سعادۃ
میں اُسْتَمِیْلُ رہتے ہیں۔ قرآن تَرْجَمَہ میں عربوں کی زبان میں تَسْتَمِیْلُ اس سے
وہ میں زبان کے لئے اور تَسْتَمِیْلُ میں اس معنوں میں استعمال ہے۔ عرب اس حق
معنوں میں عرب انہیں استعمال کرتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ قرآن
کریم اس وجہ سے تَسْتَمِیْلُ ہے جس کی بنا پر عرب اسے غم
کا خدا جس مفہوم پہنچے تیسے۔ یہ تَسْتَمِیْلُ ہے جسے تَسْتَمِیْلُ میں تَسْتَمِیْلُ
رکھنا چاہئے۔

ش ن ا

سَنَاءُ - اس سے سخت بغض و نفرت ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔
ایسے بغض کو کہتے ہیں جس میں دشمنی کے ساتھ۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔
قرآن تَرْجَمَہ میں سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔
بعض یہ اس کی تفسیر دشمنی۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔
(سَنَاءُ) - سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔ سَنَاءُ ہے۔
ہے کہ اس معنوں میں بغض و نفرت اور گریز ہے۔ سَنَاءُ ہے۔

ش ھ ب

الشَّہَادَةُ - شہادہت جس میں شہادہت کی تفسیر ہے۔ شہادہت ہے۔
دنک جیسے کہ شہادہت جب اسنی انہیں ہی حد کو پہنچ جائے تو اس دن
شہادہت ہو جاتا ہے اور اس کے سر پر شہادہت ہے۔ شہادہت ہے۔
شہادہت ہے۔ شہادہت ہے۔ شہادہت ہے۔ شہادہت ہے۔

حیالت سفر میں ذمہ دہو وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ (مسافر کے لئے سفر حکم ہے)۔ اَمْرًا اَدَّٰی مُّشْتَبٰہًا۔ میں عورت کو کہتے ہیں جس کا خونہ سفر پر موجود ہو۔ مَشْتَبٰہًا۔ حاضر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یا جس مقام پر تمام پوشیدہ امور اور نتائج محسوس شکل میں سامنے آجائیں (۱۱۱)۔ یَوْمًا مَشْتَبٰہًا کے معنی ایسے وقت کے ہیں (۱۱۱)۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اِنَّ فِرْعٰنَ الْفٰجِرَ کَانَ مَشْتَبٰہًا (۱۱۱)۔ سمجھ میں نہ آئے تو مَشْتَبٰہًا کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حقائق محسوس شکل میں سامنے آجائے ہیں۔ الفاجر کے معنی متعلقہ عنوان میں دیکھئے)۔ شَتَبَ اَعْمٰکُمْ (۱۱۲)۔ تمہارے مددگار۔

خدا اَدَّی شَتَبًا اس لئے کہا کہ اس نے ہر چیز اس کی نشانوں کے سامنے (۱۱۲)۔ اور رسول اس اعتبار سے شَتَبًا (۱۱۲) ہوتا ہے کہ جن حقائق کو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بے شبہ دیکھتا ہے (اسی کو نبوت کہتے ہیں) انہیں وہ دوسروں کے سامنے پوری قطعیت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے (اسے رسالت کہتے ہیں)۔ یا اس لئے کہ وہ اپنی جماعت کے اعمال کا نگران اَسْتَبٰہًا ہوتا ہے۔ (۱۱۳)۔

اَلشَّہِیْدُ۔ وَ الشَّہِیْدُ۔ شہید اَعْمَلُ اَکُو بھی کہتے ہیں۔ جبکہ ابھی وہ چہتے سے باہر نہ نکلا گیا ہو**۔

شَہِیْد کے معنی گواہی دینے یا تصدیق کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور قسم کھانے کے بھی۔ شَہِیْدُ شَہِیْدٌ اَمَّا اَنْ کے خلاف ہم ثابت دینگے۔ شَہِیْدُ عَمَلِی کَمَّا کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کے متعلق پوری اور قطعی خبر بتا دینا**۔ صاحب غریب القرآن (ابو الفضل) نے ابن عباسؓ کے قول سے لکھا ہے کہ شَہِیْد کے معنی فیصلہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ (۱۱۴ میں)۔ اس اعتبار سے اللہ شَہِیْدٌ بَیِّنِیْ وَ بَیِّنَکُمْ اَمَّا کے معنی فیصلہ کرنے والا ہونگے۔ نیز اس کے معنی شکہاں کے بھی ہیں (۱۱۵)۔

آپنے دیکھا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کی صورتیں کتنی ہی مجموعہ آدموں نہ ہوں ان میں سے ہر ایک میں، موجود ہونا۔ حاضر رہنا۔ نسروں کے سامنے رہنا یا رکھنا، کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے۔

خدا کی راہ میں جان دینے والوں کو جو شَہِیْدٌ کہتے ہیں، وہ بے اصطلاح قرآن کریم نے استعمال نہیں کی۔ یعنی قرآن کریم نے اسے شخص کو اس لفظ سے مختص نہیں کیا۔ ویسے معنوی اعتبار سے دیکھنا حدیث کو

*تاج و راغب۔ **تاج۔ ***محیط و اقرب الموارد۔

سب سے زیادہ انسان بنی ہو سکتا ہے اور (جسمانی طور پر) مردہ بنی ہو سکتا ہے۔ جو شخص اپنے مہم آئینہ (جس پر وہ ایمان رکھتا ہے) کی عملی شہادتیں کر دے وہ سب سے زیادہ خواہ جن سے وہ بہت دور ہے یا قریب ہے اور مطلوبت سے ہے۔ اور پھر آخر وقت تک اس روش پر قائم رہے۔ راہ ختم میں جان دینا، اپنے ایمان کی صداقت کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

[illegible]

ش ه ر

اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - صاحبِ تاجُ العروس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں
 اسی طرح کے نام کے لئے اسے مستعمل ہو جاتا ہے لیکن جو شری نے اس کے لئے
 اس کے معنی میں لکھا ہے وہی معنی کے واضح ہو جائے اور مستعمل ہو جائے نہیں
 ہوتا ہے۔ رد و مس - مذکور ہر شہرتِ اجنبی، کتبوں میں ہونا حدیث ہے اور
 مستعمل ہونے کے لئے - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - مستعمل و معروف - معزز - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ
 جو کہ اس میں لکھا ہے اس کے معنی ہیں کہ شہرت ہو جاتی ہے۔
 - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - جن کے اس لئے اس کے
 معنی ہیں اسی معنی میں واضح ہوتا ہے اور اس میں ہوتا ہے۔ اسی سے
 اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اس میں ماخذِ اجرب
 مستعمل ہوتا ہے۔ اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ -
 اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ - اَلشَّيْءُ الرَّاهِءُ -

ش ه ق

[illegible]

گدھے کے زندگنیس کی آواز۔ الشَّيْءُ مَوْقُ - سدا ہونا۔ الشَّيْءُ مَوْقُ - حنخ -
 قرآن کریم میں زَفِيرٌ وَكَسْهِيْفٌ (۱۱۱) آیا ہے۔ اس سے مراد حنخ، حلاہ
 ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ الفتح مصدبت زندہ لوگوں کی آوازوں کے لئے استعمال
 ہوتے ہیں، اور شَهِيقٌ کے معنی میں سراہنے کی بہت بہتر آواز۔ یہ الفتح
 جَمَلٌ لِّلشَّاهِقِ سے ہے جس کے معنی نہ سب اونچے اور نیچے سم۔ ا کے معنی
 جس پر جڑنا دشوار ہو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے سنہ ذی معنی ہے۔
 ہونے کے ہیں۔ نیز فَلَانٌ ذُو شَهِيقٍ سے مراد ہے وہ سخت صراحت کرتا ہے۔
 قرآن کریم میں جہنم کی آواز کے لئے بھی سَفِيفٌ کَنَفٌ آیا ہے۔
 (۱۱۲)۔ جہنمی معاشرہ میں ہر طرف حنخ ہلا رہی ہے۔ وہ جہنم کا جہنم ہے۔
 یا آخرت کا۔

ش ھ و

شَبَابٌ وَالشَّيْبَانُ - لسی چیز کی خور میں لڑنا۔ ابن ح - شبا - رست
 کرنا۔ طبیعت کا مہارت ہونا۔ رغب نے کہا ہے کہ سَبَوْدٌ شمس کے ان
 چیزوں کی طرف کھینچنے کو کہتے ہیں جن میں وہ حاشا ہے۔ لہذا اس چیز
 کو سَبَوْدٌ کہلایا جاتا ہے جس کی طرف مہربان کا مائل ہو۔ اور ابھی خود
 اس جذبہ (میلان) کو شَبَوْدٌ کہتے ہیں۔**

شَبَابٌ شَبَابٌ - شَبَابٌ - صَعَامٌ - شَبَابٌ - وہ شہوت جو صعب کو
 مرغوب ہو۔***

زُيِّنَ لِيَنَّاسِ حَبَّ السَّمَوَاتِ مِثْلَ الْيَمِّ عَرِيسٍ (۱۱۳) - سورہ خسرو
 سَمَوَاتِ (سَمَوَاتِ کی جمع) کے معنی (راغب کے بقول میں امر عرب سے نہ
 ہیں۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس میں اَشَقْوَاتِ بنسور مجاہدہ معنی
 مَسْتَبِيحَاتِ (مرغوب چیزیں) ہیں۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں۔
 یعنی مرغوب اور پسندیدہ چیزیں۔ یا میلان۔ (۱۱۴) میں یہ لفظ (پسندیدہ
 کے ساتھ مل کر) جنسی میلان کیلئے آیا ہے۔

جنتی زندگی کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وَلَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ مِّمَّا تَكْرَهُونَ
 أَنْفُسَكُمْ (۱۱۵)۔ اس میں ہر مرغوب خور سے میسر شہوتیں۔ جو تمہارے
 تمہارا دل چاہے۔

سورہ مریم مختلف انبیاء کے بارے کے جو ہے فَخَلَّتْ مِثْلَ شَعَرٍ رَهِيمٍ
 خَلَّتْ أَضَاءُ وَأَنْصَبَتْ وَأَنْتَبَهَتْ الشَّيْءُ وَتَرَاهُ لَكَ بَعْدَ يَسْرٍ بَرَكٍ كَرِيمٍ

*تاج نیز راغب - **تاج - ***محیط -

جنہوں نے صلوٰۃ کو قطع کر دیا اور شہوات کے پیچھے لگ گئے۔ اس کے معنی واضح ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ قوانین خداوندی کے پیچھے حسن (دیکھئے عنوان ص - ل) و اوہ اپنے جذبات اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ تصریح بتلا سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ اگر انسانی خواہشات کو وحی کی روئندی میں پورا کیا جائے تو اس کا نتیجہ جنتی زندگی کی خوشگوار رہاں ہوتی ہیں لیکن اگر انہیں وحی کی تعلیموں کو نور در پورا کیا جائے تو اس کا نتیجہ جہنمی شہوات ہے۔ فَسَوَفِیْ لَکُمْ عَلَمٌ (ہد)۔

[نیز دیکھئے عنوان ہ - و - ی]

ش و پ

[illegible]

ش و ر

[illegible]

مکینان اپنی اپنی محنت کا ماحصل ایک جگہ جمع کر دیتی ہیں، مسورت کے معنی ہونگے مختلف افرادِ معاشرہ کی اپنی اپنی رائے، فکر، خیالات، اور غور و خوض کے نتائج کو ایک جگہ جمع کر دینا، تاکہ اس سے کسی فیصلہ تک پہنچا جائے۔ روٹی دھنسیے والے کی لہن کی تانت کو بھی اُٹھسوار کہتے ہیں۔ لہذا مسورہ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آراء کو دُکھنا اور انہیں کھول کر نتیجہ نکالنا۔

اَسْوَرُ السَّوَرِ - اسکی طرف سارے گم (۱۱۴)۔ اُسُوْر ذُوْ وِسْتِ رَاہُ - حسن و جمال - وضع قطع - شہمت - لب - س - ہوساک - فر بھی - زینت - آئینہ - شَرَّ - بَشُوْر - دوڑے ہوئے، یا خرماؤں کو بتانے کے لئے س - سوار ہوا اور اسے دوڑا کر دکھایا *۔

قرآن کریم نے نوع انسانی کی راجحہ فی کے لئے اصول و قوانین دیئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں۔ قرآنی نظام یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق حربی احکام خود وضع کریں۔ یہ جز: بھی مسورہ سے ہے۔ اسی لئے ہم سب مومنین کے لئے یہاں لکھا ہے: "وَمِنْ مَّا نُنَزِّلُ لَكَ آيَاتٍ هِيَ سُوْرَةُ بَشُوْرٍ لِّتَذَكَّرَ" ان کے معاملات پر بھی مشورت سے حصے ہونگے۔ چونکہ سب سے پہلے قرآنی نظام خود نبی اکرمؐ نے قائم کیا تھا، اس لئے حضورؐ کو بھی حکم دیا کہ: "لَا تَوْرِثُہُمْ فِیْہِیْ لَآ سُوْرَۃٌ"۔ معنی: میں ان (مومنین) سے مسورہ کیا کرو۔ اس سے ظہر ہے کہ چونکہ مسورہ کا حکم تمام مومنین کے لئے ہے اس لئے ان کا نظام نہایت جمہور اور متنوع (Liberal and democratic) ہو سکتا ہے۔ ہر دور کے مومنین اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھیں گے۔ اگر ہر زمانے کا تقاضا ہو تو وہ بھی مسورہ سے، اسی سے کہ دور کے فیصلوں میں رد و بدل بھی کر سکتے ہیں، اور نئے فیصلے بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کے سر متبدل اصول تو اپنی جگہ فہم رشینگے لیکن انکی روشنی میں وضع کردہ جز: سارے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہیں گی۔ یہ ہے مسورت کے قرآنی حکم کا بھی مفہوم۔ یہی خود رسول اللہؐ نے کیا تھا (جس پر قرآن کا حکم سارے مومنین میں منت رسول اللہؐ بھی ہے)۔ ہر دور کے مومنین ایسا ہی کریں گے۔ وہ سبیل الہیہ (۱۱۴) جس کے اتباع کا حکم ہے۔ مومنین انداز حکومت میں، روٹی سے غیر متبدل نہیں ہوں گے۔ قوم جس قسم کے فیصلے کرتی ہے۔ ان فیصلوں کے قدر کوئی ایسی پابندی یا حدود نہیں جن کا

عمی حالہ رکھنا ضروری ہو۔ اس طرز حکومت کو سیکولر (Secular) کہتے ہیں۔ دوسری طرف، قدامت پرستی کے مسلک کی رو سے، شریعت میں کوئی چیز قبل غیر و بدل نہیں۔ جو فیصلے پہلے ہو چکے ہیں وہ من وعن دفن ہوئے رہیں گے۔ ان دونوں کے برعکس قرآنی نظام یہ ہے کہ، قرآن میں بیان کردہ احکام و اصول غیر متبدل ہیں۔ ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر قوم اپنے اپنے زمانے اور حالات کے تضادوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کرے گی۔ اس طرح بہت (Permanence) اور تغیر (Change) کے امتزاج سے، انسانی زندگی اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی آگے بڑھتی جائیگی۔

ش و ظ

الشَّوَارِبُ - الشَّوَارِبُ - شعلہ جس میں دھواں نہ ہو*۔ نیز آگ کی گرمی اور دھواں۔ آفتاب کی گرمی۔ دوسرے چمکنے والے کو بھی کہتے ہیں، اور پیاس کی شدت کو بھی*۔

قرآن کریم میں ہے یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْابُ الْمَينِ نَارًا - تم دونوں گروہوں پر آگ کا شعلہ بھیجا جائیگا۔

ش و ک

الشَّوْكَ - درخت کا ٹٹا۔ ہتھیار (۱)۔ اَرْضٌ شَاكَّةٌ - بہت کانٹوں والی زمین*۔

الشَّوْكَ مِیْنُ الْاِیْتَمَلِ - جنگ کی شدت۔ شَوْكَ السَّيْلِ - ہتھیار کی تیزی اور دھار*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسر درا ہونا یا کسی چیز کے کنارے کا دھار دار، تیز اور نوکیلا ہونا۔

ش و ی

سَوَى الْجَوَارِ - سَوَى الْجَوَارِ - گوشت بنیونا۔ شَوَى - بھنا ہوا گوشت۔ سَوَى الْجَوَارِ - سَوَى الْجَوَارِ - اسنے ہا نو گو گرم کیا۔ سَوَى الْجَوَارِ - تیسہوں اتے سخت ہوئے کہ انہیں بالوں سے، ہاتھ سے مل کر نکالا جا سکے اور بنیونا جا سکے*۔ سورہ نہف میں ہے یَسْشُرِي السُّجُودَ (۱۸/۱۹) جوان کے چہروں کو جھلسا دیگا۔

* تاج - محیط - راغب - ** تاج و محیط -

الشَّوْءِ - کے معنی چیزوں کا تہہ پٹن اور انسان کی کھوپڑی اور سر کی
 لپٹل کے ہیں۔ اس کا واحد شَوْءٌ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ سن کے وہ
 تمام اعضاء جن پر ضرب لگنے سے موت واقع نہ ہو شَوَءٌ ہیں۔ اسی جہت سے بے
 قدر اور غیر اہم چیز کو بھی شَوَءٌ کہہ دیتے ہیں*۔

سورة المعارج میں جہنم کی آگ کے متعلق ہے نَزَّ عَذَابُ السَّوْءِ
 (۱۶)۔ وہ عذاب سب سے زیادہ زور سے نازل ہوگا۔ نازل ہونے والی ہے۔ معنی۔ سب سے
 نازل اور خیر والی۔ یہاں سر کی لپٹل نازل ہونے والی۔ اس کے معنی ذلت
 اور مشیت دونوں کے ہونگے۔ نازل قوت جہنم لائے اور اہل جہنم کے
 ہی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی معمولی اور بے قدر چیز
 کے ہوتے ہیں۔

شی ا

شَاءَ - سَاءَ - سَمَّ - وَمَسَمَّیْتُہ کے معنی ہیں ارادہ کرنے۔ اشر
 منہم میں سے کسی اور ارادہ میں نہی فرق نہیں کیا۔ بلکہ دونوں میں مستبر
 لغت فرق یہ ہے کہ سَمَّ، یحذف الراء لے کر سَمَّی سے ہے اور شَاءَ کے
 معنی طلب (چاہنے) کے ہیں*۔

آیہ ۱۰۱ - رَغِبْ إِلَىٰ ذَٰلِكِ یَا یحییٰ فَاَنْزِلْهُ فَاِخْرُجْ مِنْہَا
 خواہ وہ محسوس طور پر موجود نہ ہو۔ مثلاً مجسمہ معدوم یا محض خیالی طور پر
 موجود ہو مثلاً قول - نَزَّ السَّوْءُ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کا
 عدم حاصل نہ جاسکے یا جس کے متعلق کوئی خبر نہی جاسکے**۔ منہم میں
 نے اس پر بہت بحث کی ہے کہ سَمَّی کی مشیت نہ ہے اور اس نے اس میں
 کس قسم کی چیزوں پر شوق ہے۔ حتمی کہ بعض نے کہا کہ یہ نہ ہے نہ
 معدوم ہر بھی اس کا خلاف شوق ہے۔ لیکن ہمیں ان مشیتوں میں ہرے
 کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ قرآن صریحاً ان مشیتوں میں نہیں
 قرآن نور میں اشر مقامات پر آتا ہے۔ نَ السَّامِیُّ کی رِسْمِیَّہ
 (۱۰۱)۔ یہاں شے کے معنی چیز، معدوم یا حقیقت کے ہیں۔ سوره بدرہ میں ہے
 لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ سَنَ نَفْسٍ سَنَیْہ (۱۰۱)۔ "ہم ان کو سب سے
 دوسرے کے کچھ کام نہیں آئے گا"۔

اس حقیقت کے سبب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ "نذر" کی مشیت" سے مراد
 مفہوم کیا ہے؟ ہمارے ذہنوں میں خدا کے لئے ہر مشیت شوق کا مشور یہ

ہے کہ اس کے ہاں نہ کوئی قاعدہ ہے نہ قانون۔ نہ کوئی اصول ہے نہ ضابطہ۔ وہ یک خود مختار (اور معاذ اللہ) مطلق اعلانِ حاکم کی طرح جو جی میں آئے کسرت چلا جاتا ہے۔ کہیں خوش ہوا تو جہاں گہر بخش دی۔ ناراض ہو گیا ہودوں کا دؤں ہلاک کر دیا۔ (خدا کے قیادہ ہونے کے مفہوم کے لئے تو ق۔ د۔ رکا عنوان دیکھئے لیکن یہاں تنہا سمجھ لیجئے کہ) خدا کے قیادہ ہونے کا وہ مفہوم قطعاً نہیں جو اوپر لکھا گیا ہے۔ اس لئے خدا کی نسبت کا بنی یہ مستحب نہیں کہ اس میں کسی قانون اور ضابطہ کا کوئی دخل نہیں۔ یہ شمارِ مشائخہ ہے کہ اس دنیا کی ہر شے غیب اور معمول (Cause and Effect) کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی ہے۔ لیکن جب ہم اس سلسلہ کو سمجھنے کی طرف سے جائیں تو ایک مقدم ضرور ایسا آئے گا جہاں یہ سلسلہ ختم ہو جائیگا اور وہاں تسمیم لڑا پڑے گا کہ ایک معمول (Effect) بغیر کسی سابقہ علت (Cause) کے نمودار میں آتا ہے۔ یہ وہ مقدم ہے جہاں سے تمام کائنات کا سلسلہ، خدا کی مرضی، منشا، ارادہ، اور پوری خود مختاری سے شروع ہوتا ہے۔ اگر کوئی سوچے نہ خدا نے اس سلسلہ کائنات کو کیوں اور کس طرح بنا تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں دیا جاسکتا کہ خدا نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا دیا۔ اس مقدم پر مسند خداوندی اعدادی تصورات کے مطابق کسی قاعدے اور قانون کی بنیادوں میں حکمرانی ہوئی نہیں ہوتی۔ یہاں بھی کہم جائیگا کہ انشاء امرہ ذال ارادہ نسیئنا ان یفعلوا لہ کمن فیہ کئون (تہ)۔ اس کوشہ میں خدا کا امر اس طرح کام کرتا ہے کہ جب وہ کسی چیز پر ارادہ کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور پس وہ ہو جاتی ہے۔ (کہہ دینے والے کے معنی یہ نہیں کہ وہ صبح صبح کائنات کا نظم زین سے نکالتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ارادے کے مطابق ہی اس شے کی پیدائش کا آغاز ہو جاتا ہے)۔

اس سے آگے بڑھنے تو ہمارے سامنے کائنات کا محسوس سلسلہ آتا ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز ایک خاص قیادہ اور قاعدے کے مطابق جس پر رہتی ہے۔ اس کوشہ میں خدا نے اسے امر کہہ سمائیوں اور اندازوں کے اندر محدود کر دیا ہے۔ وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اَمْرًا مَّتَّعُورًا (تہ)۔ یہاں خدا کا امر مقررہ اندازوں کا پابند ہو گیا۔ یعنی اب کائنات کی ہر شے ان قوانین کے تابع چلنے لگی جنہیں خدا نے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بنائے تھے اور جو اسے پابند تھا۔ اس کے لئے لکھا گیا ہے کہ فَدَّ جَعَلَ اللّٰهُ یُکَلِّ شَیْءًا مِّنْہُمْ رَّ (تہ)۔ اللہ نے ہر شے کے لئے ایک پیمانہ مقرر

کر دیا۔ یہ تمام سمانے (قوانین فطرت) خدا ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں لیکن خدا نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ان قوانین میں دخل اندازی کی نہیں جائیگی۔ لَنْ تَجِدَ رِسْمًا مِّنْ رَبِّكَ يُغَيِّرُ مَا بِقُلُوبِ الْفَاسِقِينَ (۳۳)۔ "تو سنت الہی (خدا کے فیصلوں) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی"۔ اس گوشے میں مشیت خداوندی کے معنی ہوں گے۔ خدا کے وہ قوانین جن کے مطابق یہ تمام سائنس کا کائنات چل رہا ہے۔ کائنات کی کسی شے کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی کر سکے۔ چونکہ اس پہلے گوشے کے متعلق (جہوں سے کائنات کی ابتدا ہوئی ہے اور جس کے لئے قانون مقرر کیا گیا ہے) ہم بحث نہیں کر سکتے۔ وہ ہمارے حتمہ ادراک سے باہر ہے۔ اس لئے ہم خدا کے متعلق جو بحث کر سکتے ہیں وہ ان قوانین ہی کی رو سے کر سکتے ہیں جو کائنات میں کار فرما ہیں۔ یعنی مشیت خداوندی کا یہ گوشہ، غم و تجربہ کی بنا پر ہماری سمجھ میں آ سکتا ہے۔

اب ایک ورژن آگے بڑھئے۔ انہی قوانین کی رو سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے خدا نے انسان کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ حیرت انگیز راستہ چلی جائے اختیار کر لے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (۱۹)۔ جس کا جی چاہے یمن کی راہ اختیار کرے اور جس کا جی حاشا یمن کی راہ اختیار کرے۔ یعنی خدا کی رنج کائنات کی چیزوں کے برعکس، انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے ان قوانین کی پرہیزی کرے جو اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور جسے چاہے یمن سے سرکشی بہت کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ فلاں روش کا نتیجہ کیا ہی ہوگا۔ اور یہی خدا اور فلاں کا نتیجہ کا مرئی و کاربائی ہے۔ یعنی اس گوشے میں انسان کو اس کا سو اختیار ہے کہ وہ حیرت انگیز روش چاہے اختیار کر لے لیکن اس کا نتیجہ نہیں کہ اپنے اعمال کے نتائج کوئی ایسی مرضی کے مطابق مرتب کر لے۔ اس کا ہر عمل وہی نتیجہ مرتب کرے گا جو اس کے لئے قانون خداوندی میں ہے۔ مقرر کر رکھا ہے۔ مثلاً اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جی چاہے بڑھاپا کر لے اور جی چاہے مصروفی کی شوق منہ میں ڈال لے۔ لیکن اسے اس کا خیر نہیں کہ وہ منکبہ کر لے۔ اگر اس کا نتیجہ مصروفی کی شوق منہ میں ڈال لے۔ یہ وہی فلاں روش کا نتیجہ ہے۔ اور فلاں انسان کو وحی کے ذریعہ خدا کے لئے بنے ہیں جو آج قدر ان کربس کے اندر محفوظ ہیں (لہذا جب انسان خدا کے سامنے آئے گا سمجھنا چاہئے کہ تو اسے قوانین فطرت کو بھی سمجھنا ہوتا ہے جو خدا نے اس کے ذہن میں رکھا ہے اور وحی کے قوانین جو بھی اس کی اپنی دنیا سے متعلق ہیں۔ جب وہ ان دونوں قوانین کو سمجھ لے گا تو وہ حقیقت بھی اس کے سامنے آجائے گی کہ وہ دونوں قوانین درحقیقت ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اللہ کے متعلق مَآ بَشَاشَہ کا لفظ آیا ہے وہاں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہ ، متذکرہ صدر تنوں گوشوں میں سے کس گوشے سے متعلق ہے ۔ جس گوشے سے مَآ بَشَاشَہ متعلق ہوگا اس کے مطابق اس کا مفہوم لیا جائیگا ۔ ہر جگہ اس کے ایک ہی معنی لینے سے ذہن میں وہ تمام الجھنیں پیدا ہو جائیں گی جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (معذرتاً) قرآن کریم میں عجیب غریب لفظ آیا ہوا ہے ۔ قرآن کریم میں کہیں تضاد نہیں ۔ تضاد ہماری اپنی کیونکہ نگہبھی کا ہوتا ہوتا ہے ۔ اس جگہ صرف اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ تفصیل ان امور کی قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ملے گی ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے بَشَاشَہ مِّنْ مَّوَدَّہِ (۱۰۲) ۔ اس کے واضح معنی ہیں کہ جو شخص خدا سے راہ نمائی لے کر خدا سے راہ نمائی دیتا ہے ۔ یعنی مِّنْ مَّوَدَّہِ کے معنی ہیں جو شخص دیتا ہے ۔ لیکن اگر اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ " اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے " تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے راہ نمائی اس کے قانون مشابہ کے مطابق ہوتی ہے ۔ یعنی مِّنْ مَّوَدَّہِ کے معنی قانون مشابہ کے ہونگے) ۔ اس قانون کی تفصیل قرآن کریم کی متعدد آیت میں موجود ہے ۔ مثلاً سورۃ مائدہ میں ہے سَمِعْنَا بِیْہِ سَمِعْنَا بِیْہِ سَمِعْنَا بِیْہِ (۱۰۲) ۔ یعنی اللہ اس امر کی ذمہ داری لے لیا ہے جو اس کے قانون کے تحت ہے ۔ ہم آپ کی اختیار کردہ بات پر عمل کرتے ہیں ۔ یعنی اس کے لئے ابتداء (Initiative) ہمیشہ انسان کی طرف سے ہوگی ۔ اگر یہ قوانین خداوندی کے مطابق ہیں جیسا کہ تو سے صراحتاً مستقیم کی طرف راہ نمائی ملی جائے گی ۔ اگر یہ اس سے انحراف برتنگا تو اس کا رخ تب ہی کی طرف مڑ جائیگا ۔ فَمَسَمَہُ زَاغُوہَا زَاغٌ مِّنْ مَّوَدَّہِ (۱۰۲) ۔ جب وہ تڑپے گا تو خدا (کے قانون) نے ان کے عمل کو تڑپے کر دے گا ۔

سورۃ ہند میں اس حقیقت کو ایک اور انداز سے واضح کیا گیا ہے ۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر ایک کلمہ نازل فرما دے اور دیکھئے ۔ اللہ نے اسے جواب دیا کہ تم میری طرف سے ہو بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم میں تو یہ انتخاب ہے کہ تمہاری طرف سے ہو یا نہ ہو ۔ وہ صاحبِ عقل و ذوق نہیں ہے ۔ اس کے جواب میں نبی نے کہا کہ اللہ اس شخص کو منتخب کرے گا جسے وہ چاہے ۔ مَسَمَہُ زَاغٌ مِّنْ مَّوَدَّہِ (۱۰۲) ۔ اللہ نے اسے جس قانون پر فرمان عطا کیا ہے ۔ یعنی انہیں بتایا کہ خدا کا انتخاب یوں نہیں ہوگا کہ خدا نہیں ہوتا ۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتا

۵۔ اس کی طرف سے جسے جو کچھ دیا ہے اس لئے مبتلا ہے کہ اس میں اس کی صلاحیت شوقی ہے۔ اس کے بعد ہے "وَآتَهُ يَتُورَ قِي" مَنَّ يَتُورَ" (۱۲۸)۔ اللہ کی طرف سے قرب و ملک اس کے قانون مشیت کے مطابق دیا ہے۔ یہاں مَنَّ "يَتُورَ" کا مفہوم واضح ہے۔ یعنی قانون کے مطابق دینا نہیں دینا۔ یہاں سے سورہ آل عمران کی اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جہاں آیت "لَهُ يَتُورَ قِي" مَنَّ يَتُورَ "وَلَا يَتُورَ" اَلْمُتَّكِلَ مَحْتَنٍ "نَسِيَهُ"۔۔۔۔۔ آیت اور احشار اور عزت و حکومت کے بعد اور جہنم "مَسِيْب" پر موقوف ہے۔ یعنی یہ سب اس کے قانون مشیت کے مطابق شروع ہے جس کی بنیاد اس پر ہے کہ جس قوم میں صلاحیت شوقی ہے اس پر احشار دیا ہے (۱۲۹)۔ جس میں صلاحیت نہیں رہتی اس سے یہ جہنم دیا ہے۔

تصدیقات بدل سے نہ کرے نہ مسیبت بزدلی و قانون خداوندی کے

تین گوشے ہیں :-

(۱) وہ گھوسہ، جہاں شر سے لے کر نئے قانون میں متعلقہ شے - اس
گھوسے میں ختم کا 'مركز فرم' ہو۔ اسے وز سب سے لے کر پروگرام کے
مستحق بننے پر شے - شے میں گھوسے کے متعلقہ نکتہ نہیں سمجھا سکتے۔

(۲) دوسرا گھوسہ خارجی کائنات کے جہاں غیر ملکی ان قانون کے
مضائق جن سے پر مچھوڑے جو اس کے لئے 'گھوسہ'وں میں منتقل ہوتے ہیں۔ ان
قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ انسان ان قوانین کا سہمہ حصہ بن کر
سکتا ہے۔

(۳) تبسرا گھوسہ نسائی ذنب کا ہے۔ اس کے ایک حصہ انسان کی طبعی زندگی میں تو وہی قوانین کار فرما ہیں جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ لیکن اس کی انسانی سطح پر جن قوانین کی ضرورت ہے، ان میں وحی کے ذریعے اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ قوانین اُممستانوں اور راجاؤں کی سرحدوں سے باہر نہیں۔ لیکن انسانی دلوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہتے ہوئے ان کے لئے زندگی بسر کریں اور چاہتے ان کے خلاف چلا جائیں۔ وہ جہادی رو سے حتمی کریموں کے مطابق نتائج مرتبہ شروع کریں گے۔ جتنی حد الاحیت پہنچ کرے۔ تنہی ہی خوبیوں اور بڑائیوں ایسے حصے میں جو جائز ہیں۔ ایسے حصے۔ ان تمام مکافات کہتے ہیں جو غیر متبادل ہے۔

یہ ہے مشیتِ خداوندی سے مفہورہ - واضح رہے کہ جس گونے میں خدا نے انسان کو آزادی عطا کر دی ہے ، وہ (خدا) اس میں کبھی ہتھ نہیں

خوت - اس میں انسان دو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے - اور اس سے کہہ دیا گیا ہے کہ عَمَلُوا مَا شِئْتُمْ (۱۲) - اس گوشے میں تم اپنی مرضی (مشیت) کے مطابق عمل کرو - جو تم چاہتے ہو کرو - یہ میخ نہیں ہونگے ۔۔۔ البتہ تمہارے اعمال کے نتائج و ثمرات مشیتِ خداوندی کے مطابق مرتب ہوں گے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَعَمَّلُوا فِي بَعْضِهِمْ (۱۳) -

اس ضمن میں البتہ ایک آیت ایسی ہے جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ
 ملے ہے انسان کے ذہن میں عجب البتہ دُور پھیرا ہوتا ہے۔ سورۃ دھر میں
 ہے "ان" ہذیرہ تَنذِیرًا لِّمَنْ یَّهْمُنُ تَذَاعًا اِنَّ یَحْشُرَکَ رَبُّکَ (۱۰۴)
 "یہ نور آن کر رہے ہیں تاکہ یاد دہانی ہے، سو جس کا خیال چاہے اُن سے رب کی
 طرف (۱۰۵) راستہ اختیار کر لے"۔ یہاں تک بات بالکل صاف ہے۔ یعنی خدا
 نے صرف سے وحی مل آئی ہے۔ اس کے بعد انسان کو اس کا اختیار دے دیا گیا ہے
 کہ وہ جی چاہے تو اس وحی کا رجوع کردہ راستہ اختیار کر لے اور جی چاہے
 تو اس کے خلاف عمل کرے۔ امکان اس کے آگے ہے وَکَمْ تَشَکَّکُ وَاِنَّ
 اَنْ یَّشَکَّکَ اَللّٰہُ (۱۰۶)۔ امکان عدم ترجیح یہ دیا جاتا ہے۔ "اور تم نہیں جانتے
 مگر وہ جو اللہ چاہے"۔ اس ترجیح کی رو سے (۱۰۷) صرف یہ کہ
 یہ دونوں آیات اس کے دوسرے کی نفی بن جاتی ہیں بلکہ انسانی اختیار و ارادہ
 کی ساری عمدہ رب ہیچ کرتی ہے۔ یعنی ایک طرف تو نورِ کریم کہتا
 ہے کہ چاہو تو ایسے نور و رحمت کو رو دو۔ ممکن اس کے سامنے ہی یہ
 ہی کہہ رہا ہے کہ تم اپنی مرضی سے ترجیح دہا نہیں سکتے۔ تم وہی چاہتے
 رہو اللہ چاہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسے تم اپنا فیصلہ کہتے ہو
 وہ دراصل تمہارا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ خدا جو فیصلہ چاہتا ہے تم سے کرا
 رہا ہے۔ لہذا انسان مجبور و محض ہے۔

سورہ دھر کے (وہ یہ آیت) قریب قریب نبی خدا کے (ساتھ) سورہ
مکہ (مکہ) اور سورہ تکوثر (مکہ) میں بھی آئے ہیں۔

[illegible]

أَوْ يَحْمَلِ الْمُخَاطَبُ عَلَى التَّخَالُفِ بَيَانٌ يَكُونُ الْمُخَالَفَةُ
مِمَّا لَا يَحْتَجِبُ أَنْ يَكْتَسِبَ التَّخَالُفَ (صفحہ ۲۳۲) یعنی کہیں کہیں
خبر انشاء کی جگہ بھی مستعمل ہو جاتی ہے۔ ایسا بطور تفاؤل کے ہوتا ہے۔ یا
مقدمہ جہت ہے کہ ایسا وقع ہو جائے۔ یا متقدم (صاف صاف) مراد حکم
کی صورت سے چلتا چاہتا ہے۔ یا پھر مخاطب کو اس بات کے لئے درنگ نہ
کرنے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ مخاطب ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو مترجم
کو جہت لانا نہیں چاہتے۔

زمخشری نے (اسی تفسیر کشف فہم) میں نکتہ کی وضاحت کی ہے۔
سورہ بقرہ میں ہے وَكَذَلِكَ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ سُبُوحًا رَبُّنَا لَا نَعْبُدُ إِلَّا
إِيَّاهُ وَبِهِدَاوَتِهِمْ يَنْزِلُ الْحُكْمُ وَالْكِتَابُ وَالْأَنْبِيَاءُ
وَالْمَلَائِكَةُ وَالْأَرْشَادُ... (۱)۔ یہاں لَا نَعْبُدُ إِلَّا
نفي مضارع ہے۔ لیکن اس کے معنی نہیں کے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جب
ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی معبودی اسیریت
اختیار مت نہں۔ اور وہ انہیں اور رستہ داروں پر بھی اور مسلمانان دین کے ساتھ
احسان نہں۔ اس کے بعد قَوْلُ سُبُوحًا امر کا صغہ ہے۔ یعنی "لوگوں! سو
اچھی بات کہو"۔ زمخشری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہاں اخبار
فی معنی النبی ہے۔ یعنی خبر، نہیں کے معنوں میں ہے۔ جیسے کہ ہے
وَتَذْكُرُ الْمَذْنُ فِي الْآنِ، تَذْكُرُ الْآنَ كَذَلِكَ۔ اس میں "تَذْكُرُ الْآنَ"
وَتَذْكُرُ الْآنَ، اگرچہ مضارع کے صیغے میں لیکن ان سے مراد امر ہے۔ پھر وہ لکھتا
ہے کہ "وَتَذْكُرُ الْآنَ" من صدر یصح الامر و سببہ۔ یعنی یہ نہں
امر و نہیں کے صیغوں کے ذریعہ صاف حکم دینے یا منع کرنے کے مفہوم میں
زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس انداز بیان کی اور مثالیں بھی ہیں مثلاً اسی سورہ
بقرہ میں ہے وَمَا تَنْفَعُ الْإِنْسَانُ بِتَفِيعَةٍ وَجْهَ اللَّهِ (۲)۔ اس کے معنی
بھی یہی ہیں کہ "تک صخرہ کرو بیجز وجہ اللہ"۔ یعنی مضارع نہیں کے
نہی کے معنی دئے ہیں۔

ان تصدیقات کی روشنی میں وَمَا تَنْفَعُ الْإِنْسَانُ بِتَفِيعَةٍ الْآنَ کے
معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی تم نے تمہیں اس کا اختیار دے دیا ہے۔
کہ تم جیسے جی چاہے کرو۔ لیکن تمہیں چاہئے یہ کہ ہنسی اور زہ
کو ہماری مشیت سے ہم تنگ نہ کرو۔ تم وہی چاہو جو ہم چاہتے ہیں۔
تم سہی چاہتے ہیں کہ تم ہمارے قہا بن کے ہم ہی زندگی بسر کرو۔ سورہ زمر

میں ہے۔ ن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ۔ اگر تم (قوانین خداوندی) سے انکار کرو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے) اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ (۳۹)۔ لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تمہارے لئے شکر ہی کو پسند کرتا ہے۔

لہذا انسان کو چاہئے کہ اپنے اختیار و ارادہ سے، بطیب خاطر، مشیت خداوندی (قوانین الہیہ) سے ہم آہنگی کی زندگی اختیار کرے۔

ش ی ب

الشَّيْبُ۔ بڑھاپا۔ سفید بال۔ بالوں کی سفیدی*۔ سورۃ مریم میں ہے وَأَسْتَعْلَمَ آيَاتُكَ سِيبًا (۱۹) اور سر بالوں کی سفیدی کی وجہ سے (شعلے کی طرح) بھڑک رہا ہے۔۔۔ سر میں سفید بال بکثرت نمودار ہو گئے ہیں۔ سورۃ روم میں سِيبَةً (۳۳) بڑھاپے کیلئے آیا ہے۔ سورۃ مزمل میں ہے يَجْعَلُكَ سِيبًا (۱۳) جس دن کی سختی بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہونا اور مل جانا ہیں۔ شَبَّابٌ کو شَيْبٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بالوں کی سفیدی، سیاہی کے ساتھ مل جاتی ہے۔

ش ی خ

الشَّيْخُ۔ بوڑھا آدمی۔ نیز اونٹ کو بھی کہتے ہیں۔ امتناذ۔ غلام۔ مرد رقوم۔ ماسٹر فن کو بھی بزرگی و رخصیت کی وجہ سے شَيْخٌ کہہ دیتے ہیں۔ الشَّيْخَةُ۔ بوڑھی عورت۔ شَيْخُوْخَةٌ۔ بڑھاپا*۔ قرآن کریم میں شَيْخٌ (۱۲) نیز (۱۱) بوڑھے کے لئے آیا ہے۔ الشَّيْخَةُ کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ اور الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ بمعنی بیاہا (مرد) اور بیاہی (عورت) لغت عرب میں کہیں نظر نہیں آتا۔

ش ی د

سَدَّ الْبَيْنَ۔ بِشِيرَةٍ۔ وَشَيْءٌ۔ عمارت پر چونہ وغیرہ کا پستر کر کے اسے مضبوط اور بند کر دینا۔ الشَّيْرُ۔ اس چونہ وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے پستر کیا جائے۔ الشَّيْرُ۔ جو عمارت چونہ وغیرہ سے بنائی

اور بلند کر دی جائے۔ محکمہ - مضبوط -۔ حہ نجرہ قرآن حکیم میں ہے قَسْرٌ
مَشِيْعٌ (۲۲)۔ اَلْاِسَادَةُ - آواز بلند کرنے والا - نَرْوُجٌ - مَشِيْعٌ (۲۲)۔
کے معنی میں اونچے اور محکمہ معنی - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے
بنیادی معنی کسی چیز کو بلند کرنے کے ہوتے ہیں۔

ش ی ع

شَاعَ الْاَخْبَرُ فی اللہ میں - لوگوں میں خبر پھیل گئی -۔ قرآن کریم
میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُنْشِیْعَ عَنْ حَیْثُ شَاءُوْا - جو لوگ
چاہتے ہیں کہ نا پسندیدہ باتیں پھیل جائیں۔

ہذا اَنْشِیْعَ - یہ اس کی مثل ہے - سورۃ سبا میں ہے - اَنْشِیْعَ مَعِیْ
بِاَسْمَاءَ غَیْرِہِمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّجِیْعَ - جیسے لوگوں کے ساتھ ان سے
پہلے لیا گیا - سورۃ قمر میں ہے وَ لَقَدْ اَنْشِیْعَ سَمْعُکُمْ اَنْ یَّجِیْعَ -
ہم تمہارے جیسے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔

اَلْاَشِیْعَ - چرواہے کی - نسری - اس کی آواز جس سے وہ مندرجہ بالا دونوں کو
بلاتا ہے -۔ ہلانے والے - داعی - نیز اس کے معنی متابعت کرنے -۔ یعنی بدلتے
والے کے - صحیح بخاری میں ہے کہ کسی نے شاع - اَنْشِیْعَ - سے کہا -
اس نے اس کی رائے کی پیروی کی - اسے تقویت دی - ہذا اَنْشِیْعَ - یہ
اس وجہ کی - کہ یہ پیدا ہونے والا ہے - یہ اسے وراثت کے - دونوں
کے لئے بولا جاتا ہے جنکے درمیان دعویٰ اور جہد ہے - نہ ہوا ہو - اَنْشِیْعَ -
کسی کے ساتھ ساتھ رہنے والے - اَنْشِیْعَ - اسے کہتے ہیں جو
ہمیشہ عورتوں میں گھس رہا ہے - اَللّٰہُ غَفَّ - دعویٰ کو دہکتے ہیں اور انکے وہ
شوہر کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ
اس کے بنیادی معنوں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے بھی ہیں۔

ان معنی سے اَنْشِیْعَ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں -۔ سورۃ حو
کسی کے ساتھ چل کر ایک بارٹی بن جائیں - اور اس طرح ایک دوسرے کی
تقویت اور مدد کا موجب ہوں - اگر یہ اَنْشِیْعَ قرآن خداوندی کی ہے جس میں
تعاون ہوتا ہے اور تقویٰ میں ہوتا ہے تو اس - رائے کا نام جماعت مذکور ہے - ان کے
ساتھ شامل ہونا باعث صفا و سعادت ہے - حہ نجرہ قیوم نوح ہے - ان کے
کرنے کے بعد فرمایا اِنَّ مِّنْ نَّیْمَۃٍ کَرِیْمَۃٍ - یہ
ابراہیمؑ ان ہی کے گروہ میں سے تھا - لیکن اس قسم کی اربعہ نامی انسانوں

کے پیچھے چل کر بنائی جائے تو قرآن کریم اسے شرک قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے امت مسلمہ سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** (۱۰۳)۔ تم سب کے سب اس کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔ **وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ**۔ مین الذین فَرَّقُوا دِیْنَهُمْ **وَكَانُوا شِیْعًا**۔ کل حِزْبٍ بَیْحًا لِّدِیْهِمْ **فَرِحُونَ** (۱۰۴)۔ (دیکھنا۔ تم مومن بن جانے کے بعد کہیں) مشرک نہ بن جانا۔ یعنی ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) ہر فرقہ اس پر اکڑتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل پر۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کونسا فرقہ حق پر ہے اور کونسا باطل پر، جبکہ اس کی رو سے خود فرقہ بندی ہی شرک ہے۔ اسی بنا پر اس نے رسول سے کہہ دیا کہ **إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِیْنَهُمْ وَكَانُوا شِیْعًا لَسْتُ مِنْهُمْ** **فِی شَیْءٍ** (۱۰۶)۔ جو لوگ دین میں فرقے پیدا کر لیں اور گروہ گروہ بن جائیں۔ اے رسول۔ تیرا ان سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج جب کہ مسلمانوں میں اس قدر فرقے پیدا ہو چکے ہیں تو ان میں وحدت کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ وہی صورت جسے قرآن کریم نے خود واضح کر دیا ہے۔ یعنی **اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ**۔ خدا کی کتاب کو مرکز قرار دیکر نظام قائم کر لینا۔ اس سے فرقے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اگر شخصیتوں کو درمیان سے نکال دیا جائے اور ایک نظام کے ذریعہ اطاعت صرف کتاب اللہ کی کی جائے تو فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔ (”نظام کے ذریعے قرآن کریم کی اطاعت“ کی شرط بڑی اہم ہے۔ انفرادی طور پر، اپنے اپنے خیال کے مطابق، خدا کی اطاعت سے فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ نظام کی رو سے اطاعت خداوندی سے وحدت امت برقرار رہتی ہے۔) یہ بھی واضح رہے کہ فرقوں سے مراد صرف مذہبی فرقے ہی نہیں، سیاسی پارٹیاں بھی ہیں۔ مومنین تو ایک طرف، قرآن کریم نے ہر قوم میں فرقہ بندی، پارٹی بازی اور گروہ سازی کو خدا کا عذاب قرار دیا ہے (۱۰۵)۔ اس نے بتایا ہے کہ دنیا میں ”حکمت فرعونی“ ہمیشہ یہی کرتی ہے۔ یعنی پارٹیاں بناتی اور توڑتی رہتی ہے (۲۸)۔ (مزید تفصیل ف۔ ر۔ ق کے عنوان میں دیکھئے)۔

قرآن کریم میں شیعہ کا لفظ اقوام یا قبائل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے (۱۰۵)۔

اس لغات میں

آپ نے مختلف مقامات پر یہ پڑھا ہوگا کہ ”اس نکتہ کی وضاحت آپ کو پرویز صاحب کی فلاں کتاب میں ملیگی“۔ چونکہ قرآنی تعلیم سے متعلق یہ مباحث بڑے اہم ہیں اس لئے پرویز صاحب کی ان تصانیف کا مطالعہ بڑا ضروری ہے۔ بالخصوص حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ۔

انسان نے کیا سوچا؟ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں،

دنیا کے مختلف مفکرین، مدبرین، مؤرخین اور سائنسدانوں نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق جو کچھ سوچا اور کہا ہے، اسے نہایت دلنشیں پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کی روشنی میں قرآنی حقائق کی عظمت خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ بڑی جلد کے ۳۹ صفحات۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔

سلیم کے نام خطوط۔ ہمارے نوجوان، تعلیم یافتہ طبقہ کے

دل میں، اسلام کے متعلق جس قدر شکوک اور سوالات پیدا ہوئے ہیں، ان کا نہایت اطمینان بخش جواب۔ انداز بیان دلچسپ، سلیس اور نہایت شگفتہ۔ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ قیمت جلد اول۔ آٹھ روپے۔ جلد دوم۔ چھ روپے۔ جلد سوم۔ چھ روپے۔

پرویز صاحب کی دیگر تصانیف کی فہرست ایک کارڈ لکھ کر طلب فرمائیں۔

ملنے کے پتہ

مکتبہ طلوع اسلام

۲۷-بی۔ شاہ عالم مارکیٹ — لاہور

